Hasab Wa Nasab

Volume 2

Written by:
Mufti Ghulam Rasool
Dar - Ul - Uloom Qadria Jilania
London

International Muslim Movement
12 East Avenue, Walthamstow, London E17 9NG
United Kingdom
Tel: 081 - 520 - 4121

Printer: Orient Press
Zafar House, Canal Road, Bradford, U.K.
Tel: 0274 - 392945

○

حسب و نسب

جلد ثانی

مصنّفہ

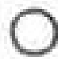
مُفتی غلام رسُول (لندن)

بحسنِ اہتمام

انجمن فاطمیہ "یو۔کے"

ناشر

دارالعُلوم قادریہ جیلانیہ
اِنٹرنیشنل مُسلم مُوومنٹ، والتھم سٹو، لندن
برطانیہ



حسب ونسب جلد ثانی

مصنف: مفتی غلام رسول لندن

بحسن اہتمام: انجمن فاطمیہ "یوکے"

ناشر: دار العلوم قادریہ جیلانیہ

انٹرنیشنل مسلم موومنٹ

والتھم سٹو، لندن، برطانیہ

کتابت: محمد نعیم گیلانی

نذرانۂ عقیدت

بحضور



اہل بیت اطہار

جن کے نسب کی عظمت و طہارت پر
قرآن شاہد ہے

مُفتی غلام رسُول
(لندن)

نسب پاک

ـہ اکرم بہ نسبا طابت عناصرہٗ
اصلاً و فرعاً وقد سادت بہ البشر

آپ کا نسب ایسا باکرامت ہے کہ اس کے
مواد پاکیزہ ہیں، اصل سے بھی اور فرع سے بھی
اور آپ کے سبب سے جنسِ بشر کو شرف حاصل
ہو گیا۔

مُفتی غلام رسُول
(لندن)

فہرست مضامین

جلد ثانی



بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

تعارف

حسب ونسب جلد اول جب منظر عام پر آئی تو اس کو عوام و خواص نے پسند کیا لیکن بعض وہ لوگ جو کہ ناصبیت سے متاثر تھے ان کے متعلق سننے میں یہ آیا کہ انہوں نے کہا ہے کہ مفتی غلام رسول "حسب ونسب" میں بعض ضعیف احادیث لے آئے ہیں بالخصوص آیت تطہیر کے متعلق مروی احادیث میں فلاں فلاں راوی مجروح اور ضعیف ہیں۔ بایں وجہ ان ناصبیوں کے پیدا کردہ شبہات کے ازالہ کے لیے "حسب ونسب" جلد ثانی لکھی گئی ہے۔ اگرچہ مشہور محدث اور مؤرخ مسلم بن قتیبہ المتوفی ۲۷۶ھ کے قول کے مطابق فضائل حضرت علی (و اہل بیت اطہار) کی تمام احادیث کے صحیح مخارج ہیں لیکن پھر بھی عوامی ذہن رکھنے والے لوگوں کے اطمینان کے لیے "حسب ونسب" جلد ثانی میں آیت تطہیر کے تمام متعلقہ مروی احادیث کے راویوں کی توثیق و تعدیل بیان کر دی گئی ہے۔ نیز اصل مسئلہ (کہ سیدزادی کا نکاح غیر سید کے ساتھ بنیادی طور پر منعقد نہیں ہوتا) کی تشریح کے ساتھ ساتھ دیگر متعلقات کو بھی زیر بحث لایا گیا ہے۔ مثلاً

- بحث تقدیم میں نسب کی شرعی حیثیت اور حدیث غدیر خم پر اشکال اور اس کا جواب، نیز ناصبیت و خارجیت کا فرق ذکر کیا گیا ہے۔

- فقہاء حنفیہ کے نزدیک اگرچہ مسئلہ کفو میں اعتبار مرد کی جانب سے ہے لیکن سادات کے نسب کے پیشِ نظر امام ابو یوسف اور امام محمد کے قول کو ترجیح دے کر کفو کا اعتبار دونوں جانبوں سے کیا گیا ہے۔
- حسنین کریمین حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بیٹے ہیں اور اہلِ بیت صحابی ہیں بلکہ ان کے صدقے دیگر کم عمر صحابہ کو بھی شرف صحابیت کا مرتبہ ملا ہے۔
- یزید کی تکفیر اور اس پر لعنت کرنے کا جواز ثابت کیا گیا ہے۔
- یزید پلید کے اہلِ مدینہ پر مظالم کا مختصر تذکرہ اور حدیث مغفور لہم کی مکمل تشریح ذکر کی گئی ہے۔
- نکاح ام کلثوم والی روایت جیسے کہ درایت کے لحاظ سے ضعیف بلکہ موضوع ہے اسی طرح روایت کے لحاظ سے بھی موضوع ہے۔
- سادات کرام کا نسب حضرت آدم علیہ السلام تک، ان کے علاوہ ضمنی مسائل پر بھی بحث کی گئی ہے۔

مفتی غلام رسول
دار العلوم قادریہ جیلانیہ
(لندن)

تقدیم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حامدًا و مصلّیًا و مسلّمًا

زیر نظر کتاب "حسب ونسب" جلد ثانی ہے۔ جہاں تک نسب کا تعلق ہے اس کو اسلام میں بنیادی حیثیت حاصل ہے۔ قرآن پاک میں ہے "وھوالذی خلق من الماء بشرًا فجعلہ نسبًا وصھرًا" اور وہی ہے جس نے پانی سے آدمی بنایا پھر اس کے رشتے اور سسرال مقرر کیے اور فرمایا "یاایھا الناس انا خلقناکم من ذکروانثی وجعلناکم شعوبا وقبائل لتعارفوا" اے لوگو! ہم نے تمہیں ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور تمہیں شاخیں اور قبیلے بنایا کہ آپس کی پہچان رکھو، اور فرمایا "واتقوا اللہ الذی تساءلون بہ والارحام۔ اور اللہ سے ڈرو جس کے نام پر مانگتے ہو اور رشتوں کا لحاظ رکھو۔ اور فرمایا۔ "وانذر عشیرتک الاقربین" اور اے محبوب اپنے قریب تر رشتہ داروں کو ڈراؤ۔ اس آیت میں تبلیغ نبوت میں بھی رشتہ داری کا لحاظ رکھا گیا ہے کہ برادری اور رشتہ داری سے انسان کو طاقت حاصل ہوتی ہے اور انسان دشمن کے شر سے محفوظ رہتا ہے۔ اور جو آدمی کمزور ہو اس کو ہر انسان نقصان پہنچانے کی کوشش کرتا ہے۔ اگر انسان کی نسبی برادری مضبوط

اور جتھے کے لوگ ہوں تو پھر دشمن ایسے شخص کی طرف نظر بد اٹھانے کی جسارت نہیں کرتا۔ چنانچہ حضرت شعیب علیہ السلام کو کافروں نے کہا تھا "ولولا رھطک لرجمنٰک" اے شعیب اگر تمہارا کنبہ نہ ہوتا تو ہم نے تمہیں پتھراؤ کر دیا ہوتا یعنی تمہاری برادری کی وجہ سے ہم تمہارا لحاظ کر رہے ہیں تو گویا کہ تبلیغ اسلام میں بھی انسان کے نسب کو بہت دخل ہے کہ جب اس کی برادری عظیم ہو گی تو لوگوں کی نظر میں اس کی عزت و برتری ہو گی۔ اسی وجہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "تعلموا انسابکم تصلوا ارحامکم" (مستدرک ص۸۹ ج۴) تم اپنے نسبوں کو سیکھو کہ صلہ رحمی کرو۔ اس حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نسب اور رشتہ داروں کے جاننے کے متعلق حکم فرمایا۔ جب انسان رشتہ داروں کو اور ان کے حقوق کو پہچانے گا تو ظاہر ہے کہ رشتہ دار اس کا اور اس کے حقوق کا تحفظ کریں گے۔ جب اپنی برادری میں قابل عزت ہو گا تو لوگ بھی اس کی عزت کریں گے چنانچہ حضرت مولیٰ علی رضی اللہ عنہ نے امام حسن رضی اللہ عنہ کو وصیت کرتے ہوئے فرمایا تھا۔ اکرم عشیرتک فانھم جناحک الذی بہ تطیر کہ برادری کی عزت کر کیونکہ یہ تیرے لیے پر اور بازو ہیں جن کے ساتھ تو پرواز کر سکتا ہے اور تیرے ہاتھ ان کے ساتھ ہی مضبوط ہو سکتے ہیں اور انسان اپنی برادری سے بے نیاز نہیں ہو سکتا۔ اگرچہ کتنا ہی مالدار کیوں نہ ہو۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے فرمان سے ظاہر ہے کہ انسان کی طاقت برادری اور قبیلے سے ہے۔ اگر انسان کا قبیلہ بلند خاندان سے تعلق رکھتا ہو تو اس کی عزت تمام لوگوں میں ہو گی۔ یہی وجہ تھی کہ اللہ تعالیٰ نے ہر نبی اور رسول کو ہر زمانہ میں اعلیٰ برادری میں مبعوث فرمایا بالخصوص ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے تمام دنیا کے اعلیٰ ترین قبیلہ بنو ہاشم میں مبعوث فرمایا۔ نیز اگر نسب بلند ہوا تو اخلاق کی بلندی کا باعث ہو گا۔ چنانچہ اگر کسی

اعلیٰ خاندان کے فرد سے غلطی سرزد ہو جائے تو تمام لوگ کہتے ہیں کہ تمہارا تو نسب بڑا اونچا تھا یہ غلط حرکت تم نے کیوں کی ہے؟ پھر وہ نسب کے لحاظ سے غلط کام کرنے سے پرہیز کرتا ہے۔ بہر صورت نسب کی اسلام میں ہر لحاظ سے بہت اہمیت ہے۔ اور علم نسب کا موضوع قبائل، افخاذ اور فصائل وغیرہ کی معرفت ہے چنانچہ عربوں کی تقسیم قبائل کے لحاظ سے چھ (٦) طبقات پر ہے۔

١۔ شعب

٢۔ قبیلہ

٣۔ عمارہ

٤۔ بطن

٥۔ فخذ

٦۔ فصیلہ

پس شعب جمع کرتا قبائل کو، قبیلہ جمع کرتا ہے عمائر کو، عمارہ جمع کرتا ہے بطون کو اور بطن جمع کرتا ہے افخاذ کو، فخذ جمع کرتا ہے فصائل کو۔ پس خذیمہ شعب ہے۔ کنانہ قبیلہ ہے۔ قریش عمارہ ہے۔ قصی بطن ہے۔ ہاشم فخذ ہے اور عباس فصیلہ ہے۔ یعنی تمام سے بڑا شعب ہے اور تمام سے چھوٹا فصیلہ ہے اور بعض علماء نے ساتواں طبقہ بھی بیان کیا ہے جو کہ عشیرہ ہے پس عشیرہ سے مراد نسب مذکور میں بنی عبد مناف ہوں گے یعنی عشیرہ، بطن اور فخذ کے درمیان آئے گا، بطن سے چھوٹا اور فخذ سے بڑا ہو گا۔ یہ تحقیق المعلم بطرس البستانی نے محیط المحیط میں ذکر کی ہے۔

نسب کے موضوع پر سب سے پہلے لکھنے والے ابو المنذر ہشام بن محمد بن سائب کلبی المتوفی ٢٠٦ھ ہیں۔ انہوں نے اس فن میں متعدد کتابیں

لکھی ہیں۔ انہوں نے امام جعفر صادق علیہ السلام اور اپنے باپ ابو نصر محمد بن سائب کلبی المتوفی ۱۴۶ھ سے علم حاصل کیا تھا۔ اور ان کا باپ ابو نصر محمد بن سائب کلبی امام باقر علیہ السلام کا شاگرد تھا نیز ابو نصر نے نسب قریش ابو صالح سے اور اس نے عقیل بن ابی طالب سے حاصل کیا تھا۔ عنقریب امام احمد بن حنبل کے حوالہ سے آئے گا کہ کلبی کے اقوال نسب، سیر اور تفسیری روایات میں معتبر ہیں۔

متعدد علماء نسابین نے علم نسب کے موضوع پر کتابیں لکھیں اور یہ بھی لکھا کہ تمام دنیا سے بہترین نسب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے۔ چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خود بھی ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالے نے اولاد ابراہیم سے اسماعیل کو پسند کیا اور اولاد اسماعیل سے بنو کنانہ کو اور بنو کنانہ سے قریش کو اور قریش سے بنو ہاشم کو اور بنو ہاشم سے مجھے (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) کو پسند کیا اور یہ نسب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت آدم علیہ السلام کی بہ نسبت ہے اور حضور کا نسب امام مہدی کی بہ نسبت جو قیامت تک ہے وہ امام حسن اور امام حسین سے جاری ہے۔ اس کے متعلق امام حاکم نے اپنی سند کے ساتھ حضرت مسور بن مخرمہ سے روایت کی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ وان الانساب تنقطع یوم القیامة غیر نسبی و سببی وصهری۔ کہ تمام نسب قیامت کے دن ختم ہو جائیں گے مگر میرا نسب اور تعلق اور صہر باقی رہے گا (مستدرک ص ۱۵۸ ج ۲، تلخیص ص ۱۵۸ ج ۲) نیز فرمایا کہ میں تم میں دو چیزیں چھوڑے جا رہا ہوں۔ اگر تم ان کے ساتھ تمسک کرو گے تو گمراہ نہیں ہو گے۔ ایک کتاب اللہ اور دوسری اپنی عترت یعنی اہل بیت، یہ دونوں جدا نہیں ہوں گے۔ یہاں تک کہ میرے پاس حوض کوثر پر وارد ہوں گے اور میں یہ بھی دیکھوں گا کہ تم میرے بعد ان سے کیسا سلوک کرتے ہو، حضرت عائشہ صدیقہ فرماتی ہیں کہ حضور

صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات سے میرے ساتھ حضرت زینب المتوفی ۲۰ھ
مقابلہ کرتی تھیں چونکہ ان کو اس کا حق تھا۔ بایں وجہ کہ وہ حضور کی نسبی حیثیت سے
پھوپھی زاد بہن تھیں (سیرۃ النبی صہ ۴۱۵) حضرت عائشہ کا یہ قول بھی نسب کی اہمیت
ظاہر کرتا ہے۔ غرضیکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نسب اور اولاد کی اہمیت اسلام میں
یوں ہی ہے جیسا کہ قرآن پاک کی اہمیت ہے جیسے کہ قرآن پاک کی حفاظت اللہ
تعالیٰ خود اپنے بندوں کی وساطت سے کر رہے ہیں۔ اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم کے نسب کی حفاظت بھی خود اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی وساطت سے کرا
رہے ہیں۔ چنانچہ ابن حجر مکی لکھتے ہیں قد الهم الله من يقوم بتصيحها فی
كل زمان و من يعتنی بحفظ تفاصيلها فی كل اوان (صواعق محرقہ صہ ۱۸۳)
یعنی اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے دلوں میں الہام فرمایا کہ جنہوں نے ہر زمانہ میں اس
نسب کی حفاظت کی اور ہر وقت اس کے تفصیلات کی حفاظت کی طرف توجہ
کی اور انہوں نے ہر طرح سے کوشش کی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نسب کے
ساتھ کوئی دیگر نسب والا شریک اور سہیم نہ بن سکے۔ اور نہ کوئی غیر سید، سید
بننے کی کوشش کرے۔ چنانچہ امام بخاری نے ابن عباس سے روایت کی ہے
کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا من انتسب الی غیر ابیہ فعلیہ لعنت اللہ
والملائکۃ والناس اجمعین کہ جو اپنے کو غیر باپ کی طرف نسبت کرتا ہے
اس پر اللہ اور اس کے فرشتوں اور تمام لوگوں کی لعنت ہو (صواعق محرقہ صہ ۱۸۴)
وعن سعد بن ابی وقاص و ابی بکرۃ قالا قال رسول اللہ من ادعی
الی غیر ابیہ وھو یعلم فالجنۃ علیہ حرام (مشکوٰۃ صہ ۲۸۷) کہ جس نے
اپنے کو اپنے غیر باپ کی طرف نسبت کیا جبکہ وہ جانتا ہے تو اس پر جنت
حرام ہے۔ وعن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

لا ترغبوا عن آبائکم فمن رغب عن ابیہ فقد کفر (مشکوٰۃ ص۲۸۷) اور فرمایا کہ تم اپنے آباء سے منہ نہ پھیرو جس نے اپنے باپ سے منہ پھیرا اس نے کفر کیا بہر صورت اللہ تعالیٰ ہر زمانہ میں ایسے بندے پیدا کرتا رہا ہے جنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی اولاد اور ذریت کے نسب کی حفاظت کی ہے اور ثابت کیا ہے کہ ان کے نسب کی کائنات میں کوئی مثل نہیں ہے۔

سوال :۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تو نسب پر فخر کرنے سے منع کیا ہے لیکن آپ کبھی کہتے ہیں کہ عرب نسب پر فخر کرتے ہیں اور کبھی کہتے ہیں کہ سادات کے نسب کا ہم مثل کوئی نہیں ہے۔ تو پھر حضور نے نسب پر فخر کرنے سے کیوں منع کیا ہے۔

جواب :۔

نسب پر فخر خاص صورت میں منع ہے۔ وہ یہ ہے کہ دوسرے مسلمانوں کے نسب کو حقیر سمجھ کر اپنے نسب کا بطور تکبر اظہار کرے۔ صرف یہ صورت منع ہے اس کے سوا منع نہیں ہے۔ چنانچہ علامہ آلوسی لکھتے ہیں کہ حضور نے جو نسب پر فخر کرنے سے منع کیا ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ بطور تکبر دوسروں کے نسب کو حقیر سمجھ کر اپنے نسب کا ذکر کرے ورنہ اگر کوئی تحدیث نعمت کے طور پر یا کسی شرعی مقصد کے پیش نظر اپنے نسب کا اظہار کرتا ہے تو اس میں ممانعت نہیں ہے چنانچہ فرماتے ہیں۔ فعلی ھذا لا باس بقول الرجل انا من ذریۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علی وجہ التحدیث بالنعمۃ او نحو ذالک من المقاصد الشرعیۃ ۔ نیز نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اپنا نسب بیان کیا اور ایک جنگ کے موقعہ پر فرمایا۔ انا النبی لا کذب انا ابن عبد المطلب (تفسیر روح المعانی ص۱۶۵ ج ۲۶) کہ میں سچا نبی ہوں اور میں عبد المطلب

کا بیٹا ہوں۔ اس سے جس طرح یہ ظاہر ہے کہ کسی مقصد شرعی کے لیے یا بطور تحدیث للنعمۃ کے نسب کا ظاہر کرنا جائز ہے۔ اسی طرح یہ بھی معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نسب تمام کائنات سے اعلیٰ و برتر ہے۔ اس کی مثل دوسرا کوئی نسب نہیں ہے اور نہ کسی دوسرے کا نسب اس کے ہم پلہ اور ہم کفو ہے۔ جب اس کا غیر اس کے ہم کفو نہیں ہو سکتا تو اسی بناء پر فقہاء نے کہا ہے کہ غیر کفو میں نکاح نہیں ہو سکتا اور اگر سیّد زادی نے غیر سید کے ساتھ نکاح کیا تو نہیں ہو گا اور یہی مسئلہ "حسب و نسب جلد اول" میں ہمارے زیر بحث تھا۔ یہ ایک فقہی جزئیہ تھا جو کہ اپنے نتائج کے لحاظ سے عقیدے سے بھی مرتبط تھا اور حسب و نسب میں چونکہ اہل بیت اطہار کی عزت و عظمت کا مسئلہ بنیادی حیثیت رکھتا تھا جیسے کہ حسب و نسب کے نام سے بھی ظاہر ہے۔ لہٰذا حسب و نسب جلد اول کو بہت بڑی مقبولیت حاصل ہوئی جس کی وجہ یہی تھی کہ اس میں اہل بیت رسول کی عزت و عظمت کا تذکرہ تھا جن کی محبت اور عقیدت فرض اور باعث نجات ہے۔ چنانچہ ابن تیمیہ لکھتے ہیں کہ اہل بیت کی محبت فرض اور واجب ہے۔ نیز ابن تیمیہ لکھتے ہیں کہ ہم ہر نماز میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی آل پر درود پڑھتے ہیں اور جو درود پڑھتا ہے ظاہر ہے کہ وہ ان کے ساتھ بغض و عداوت نہیں رکھتا اور یہ بھی لکھتے ہیں کہ جو ان کے ساتھ بغض و عداوت رکھتا ہے اس پر اللہ اور اس کے فرشتوں اور تمام لوگوں کی لعنت ہے۔ لا یقبل اللہ منہ صرفاً و لا عدلاً اور اللہ تعالیٰ نہ اس کے فرض قبول کرتا ہے اور نہ نفل (سوال فی یزید بن معاویہ ص۳۱) اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب حجۃ الوداع سے فارغ ہو کر مدینہ منورہ کے لیے روانہ ہوئے تو راستہ میں مقام غدیر خم پر جو ایک تالاب ہے یہاں تمام ہمراہیوں کو جمع فرما کر ایک مختصر خطبہ ارشاد فرمایا۔ جس کا ترجمہ یہ ہے۔

"اے لوگو! میں تمہارے درمیان دو بھاری چیزیں چھوڑتا ہوں، ایک خدا کی کتاب جس میں ہدایت اور روشنی ہے اور دوسری چیز میری اہل بیت ہیں، میں اپنے اہل بیت کے بارے میں تمہیں خدا کی یاد دلاتا ہوں۔

اس خطبہ میں آپ نے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ من کنت مولاہ فعلی مولاہ اللھم وال من والاہ و عاد من عاداہ (مشکوٰۃ المصابیح ص۵۶۵) جس کا میں مولا ہوں، علی بھی اس کے مولیٰ ہیں۔ خداوند جو علی سے محبت رکھے اس سے تو بھی محبت رکھ اور جو علی سے عداوت رکھے اس سے تو بھی عداوت رکھ اس سے ظاہر ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی آل کے ساتھ تمسک کرنا اوران سے عقیدت و محبت رکھنا لازم اور ضروری ہے جو ان سے محبت رکھتا ہے اللہ اس سے محبت رکھتا ہے اور جو ان سے دشمنی رکھتا ہے اللہ اس سے دشمنی رکھتا ہے۔

سوال:۔

یہ حدیث ضعیف ہے کیونکہ اس میں یہ زیادتی "اللھم وال من والاہ وعاد من عاداہ" ہم نے صرف شیعوں سے سنی ہے اور مروی حدیث کے اصل میں یہ نہیں ہے، یہ اعمش نے روایت کی ہے اور وہ رافضی تھا، ثابت ہوا کہ یہ حدیث قابل استدلال نہیں ہے۔

جواب:۔

یہ حدیث صحیح ہے۔ اس حدیث پر یہ اعتراض عمرو بن جاحظ المتوفی ۲۵۵ھ نے کیا ہے۔ یہ مشہور معتزلہ تھا لیکن اس نے بعض وجوہ کی بنا پر اعتزالیت کو چھوڑ کر ناصبیت اختیار کی جیسا کہ اس کی کتاب عثمانیہ سے ظاہر ہے۔ وہاں لکھتا ہے

کہ تمہیں معلوم ہے کہ روئے زمین پر کوئی عثمانی نہیں ہے۔ مگر وہ حضرت علی کی امامت کا منکر ہے۔ اور عثمانی تعداد میں بھی زیادہ ہیں اور ان کے فقہاء محدثین بھی زیادہ ہیں۔

(کتاب عثمانیہ صفحہ ۴۷)

چونکہ یہ ناصبی ہے لہٰذا اس نے بغض علی کا اظہار کرتے ہوئے کہہ دیا ہے کہ یہ حدیث صحیح نہیں ہے اور امام اعمش رافضی ہیں۔ حالانکہ امام اعمش المتوفی ۱۴۸ھ اہل سنت وجماعت تھے۔ یہ امام ابوحنیفہ کے استاد ہیں ان کی تعدیل کا ذکر قارئین حضرات آیت تطہیر کی بحث میں پڑھیں گے۔ امام اعمش سے امام بخاری المتوفی ۲۵۶ھ اور امام مسلم المتوفی ۲۶۱ھ بھی روایت لیتے ہیں۔ یہ جاحظ تو ایسا بگڑا ہوا شخص ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کو بھی قابلِ حجت نہیں سمجھتا۔ چنانچہ لکھتا ہے کہ۔ ولو کان صحیحًا عندھم فلم یحییٰ الا من قبل انس فقط وانس وحدہٗ لیس بحجۃ (کتاب العثمانیہ صفحہ ۱۵۰) اور اگر یہ حدیث (طیر) ان کے نزدیک صحیح بھی ہو تب بھی فقط حضرت انس المتوفی ۹۰ھ اس کے راوی ہیں اور تنہا انس حجت نہیں ہیں۔ ظاہر ہے کہ ناصبیوں کے نزدیک اگر کوئی صحابی حضرت علی کی شان میں حدیث ذکر کرتا ہے تو یہ لوگ (نواصب) اس صحابی کو بھی قابل حجت قرار نہیں دیتے تھے۔ ان کے نزدیک حضرت علی کی دشمنی ہی ان کا ایمان تھا۔ یہ ان لوگوں کو شیعہ یا رافضی کہہ دیتے جو کہ اہل بیت اور علی کے فضائل و مناقب میں روایات ذکر کرتے۔ اسی سلسلہ میں انہوں نے محدث عبدالرزاق المتوفی ۲۱۱ھ کو بھی شیعہ کہا ہے اور یہ امام احمد بن حنبل المتوفی ۲۴۱ھ کے استاد ہیں۔ ان کو شیعہ محض اس وجہ سے کہا گیا کہ یہ اہل بیت اور حضرت علی سے محبت رکھتے تھے اسی طرح حضرت اعمش بھی اہل بیت اور حضرت علی سے محبت رکھتے تھے۔ اس لیے انہیں بھی شیعہ کہا گیا۔ غرضیکہ فرقہ ناصبیہ کے لوگ ہر دور میں رہے۔ اگر کسی نے

اہل بیت کی تعریف کی یا اہل بیت کی شان میں چند کلمات لکھے تو انہوں نے اس کو رافضی اور شیعہ کہنا شروع کر دیا۔ چنانچہ مسلم بن قتیبہ المتوفی ۲۷۶ھ لکھتے ہیں کہ بہت سے محدثین نے پرہیز کی ہے کہ وہ علی کرم اللہ وجہہ الکریم کے فضائل بیان کریں یا اس کا واجب حق ظاہر کریں۔ حالانکہ فضائل علی کی تمام احادیث کے صحیح مخارج ہیں اور جو کوئی علی کا ذکر کرے یا ان کے فضائل میں کوئی روایت کرے تو اسے قصداً ترک کر دیتے ہیں۔ حتیٰ کہ بہت سے محدثین نے فضائل علی بیان کرنے سے پہلو تہی کی ہے۔ اگر کوئی کہنے والا یہ کہے کہ علی رسول اللہ کا بھائی ہے اور ان کے نواسوں حسن و حسین کا باپ ہے اور اصحاب کساء علی، فاطمہ، حسن و حسین علیہم السلام ہیں تو ان کے چہرے بدل جاتے ہیں اور آنکھیں اجنبی ہو جاتی ہیں اور سینے کی ہڈی پھول جاتی ہے۔ جو ان ذکر وا کرو قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم من کنت مولاہ فعلی مولاہ، وانت منی بمنزلۃ ھارون من موسیٰ وا اشبا ھا ھذا۔ اور اگر کوئی ذکر کرنے والا ذکر کرے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان جس کا میں مولیٰ ہوں اس کے علی مولا ہیں اور (اے علی) تو میرے ساتھ بمنزلہ ہارون کے ہے جیسے وہ موسیٰ کے ساتھ تھے اور اسی طرح کی دوسری احادیث تو وہ ان کا مخرج تلاش کرنے لگ جاتے ہیں۔

(الاختلاف فی اللفظ صہ۴۷ وصہ۴۹)

اس سے ظاہر ہے کہ مسلم بن قتیبہ کے دور میں بھی ایسے لوگوں کا غلبہ تھا جو حضرت علی کے فضائل و مناقب بیان کرنے سے منع کرتے تھے اور محدثین کو اس بات سے روکتے تھے۔ اسی وجہ سے اکثر محدثین نے فضائل اہل بیت بیان کرنے سے پہلو تہی کی ہے حالانکہ فضائل اہل بیت اور فضائل علی میں جتنی احادیث وارد ہیں وہ صحیح ہیں۔ ابن قتیبہ نے حدیث من کنت مولاہ فعلی مولاہ

کا تصریح کے ساتھ ذکر کر کے ثابت کر دیا ہے کہ یہ حدیث صحیح ہے اور عمرو بن جاحظ کا اس حدیث کے متعلق کہنا کہ یہ حدیث صحیح نہیں ہے کیونکہ اس کی سند میں اعمش رافضی ہے۔ عمرو بن جاحظ کی یہ بات سفید جھوٹ اور بالکلیہ غلط ہے کیونکہ حضرت اعمش اہلِ سنت و جماعت تھے۔ صرف حضرت علی کے فضائل میں حدیث بیان کرنے کی وجہ سے عمرو بن جاحظ نے ان کو رافضی کہہ دیا ہے۔ عمرو بن جاحظ، مسلم بن قتیبہ کا ہم عصر ہے۔ ابن قتیبہ نے اپنے زمانے کے حالات پر روشنی ڈالتے ہوئے صاف صاف وضاحت کر دی ہے کہ ہمارے زمانے کے اکثر محدثین جو ہیں ان کی حالت یہ ہے کہ وہ فضائل علی بیان کرنے سے گریز کرتے ہیں اور جو فضائل علی بیان کرتا ہے اس کو نشانہ بنایا جاتا ہے۔ ایسے ہی لوگوں میں سے عمرو بن جاحظ بھی ہے لہٰذا اس کی جرح غیر معتبر ہے کیونکہ انہوں نے محض اس بنا پر کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے حضرت علی کی فضیلت میں حدیث ذکر کی ہے حضرت انس صحابی رسول کو غیر قابل حجت قرار دے دیا ہے۔ جس آدمی کا ایک صحابی رسول کے متعلق یہ خیال ہو اس کی جرح مردود ہے۔ لہٰذا ثابت ہوا کہ حدیث من کنت مولاہ فعلی مولاہ اللھم وال من والاہ وعاد من عاداہ، صحیح قابل استدلال ہے۔

تفسیر مواہب الرحمٰن جلد ۹ میں ہے کہ حدیث من کنت مولاہ کے متعلق حافظ ذہبی نے کہا ہے کہ اس کی اسناد صحیح ہے اور کبائر اصحاب اس حدیث کو ملحوظ رکھتے تھے۔ چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے بعض لوگوں نے کہا کہ ہم دیکھتے ہیں کہ آپ حضرت علی کے لیے جو بات لحاظ کرتے ہیں۔ وہ دیگر اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی کے واسطے نہیں کرتے ہیں۔ حضرت عمر نے کہا کہ وہ میرے مولا ہیں۔ (دار قطنی)

اس سے ظاہر ہوا کہ اہل بیت کے ساتھ تمسک کرنا اور ان سے محبت رکھنا ضروری ہے جو ان سے محبت نہیں رکھتا، یا بغض و عناد رکھتا ہے اللہ تعالیٰ ایسے شخص کی عبادت فرضی اور نفلی دونوں قبول نہیں کرتے۔ جب عبادت قبول نہ ہوگی تو ظاہر ہے کہ ایسے شخص کی مغفرت بھی نہ ہوگی۔

چنانچہ علامہ ذہبی لکھتے ہیں کہ شمر بن ذی الجوشن جو کہ امام حسین کے قاتلوں میں سے تھا اس کو مختار ثقفی نے قتل کیا تھا۔ ابو بکر بن عیاش نے ابو اسحاق سے روایت کی ہے کہ جب یہ شمر بن ذی الجوشن نماز پڑھتا تھا تو دعا میں کہتا تھا اللھم انک تعلم انی شریف فاغفرلی۔ کہ اے اللہ بے شک تو جانتا ہے کہ میں شریف ہوں مجھے بخش دے۔ میں (ابو اسحاق) نے شمر سے کہا کہ اللہ تجھے کیسے بخش دے گا کہ تو نے تو امام حسین کو قتل (شہید) کیا ہے۔ شمر نے جواب دیا کہ میں حکام بالا سے مجبور تھا تو ابو اسحاق نے کہا کہ یہ عذر بد تو بدتر از گناہ ہے کیونکہ حکام بالا کی اطاعت اچھے کاموں میں ہے نہ کہ برے کاموں میں۔

(میزان الاعتدال ص۲۸ ج ۲)

ابن اثیر لکھتے ہیں کہ جب ابن زیاد نے امام حسین کو شہید کرا دیا۔ تو اس کی ماں نے اس کو کہا یا خبیث قتلت ابن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا تری الجنۃ ابداً (تاریخ کامل ص۲۶۵ ج ۴) کہ اے خبیث جب تم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بیٹے کو قتل (شہید) کروا دیا ہے تو تو کبھی بھی جنت نہیں دیکھے گا۔ اس سے ظاہر ہوا کہ جس نے امام حسین کو شہید کیا یا کروایا یا اس میں شامل ہوا یا امام حسین اور آل محمد کے ساتھ بغض و عناد رکھا نہ اس کی عبادت قبول اور نہ ہی اس کی مغفرت ہوگی اور نہ ہی یہ جنت میں داخل ہوگا۔ چنانچہ علامہ زمخشری المتوفی ۵۳۸ھ تفسیر کشاف میں لکھتے ہیں کہ جو شخص آل محمد کی محبت

پر فوت ہوا اس نے شہادت کی موت پائی۔ سن لو جو شخص آل محمد کی محبت پر فوت ہوا اس کے گناہ بخش دیے گئے۔ خبردار جو شخص آل محمد کی محبت پر فوت ہوا وہ تائب ہو کر فوت ہوا۔ خبردار جو شخص آل محمد کی محبت پر مرا وہ مومن کامل مرا جان لو جو شخص آل محمد کی محبت پر فوت ہوا اسے پہلے ملک الموت اور پھر منکر نکیر جنت کی خوشخبری دیتے ہیں۔ خبردار رہو جو شخص آل محمد کی محبت پر فوت ہوا اسے اس اعزاز کے ساتھ جنت روانہ کیا جاتا ہے جس طرح دلہن دولہا کے گھر بھیجی جاتی ہے۔

علامہ زمخشری کے کلام سے ثابت ہوا کہ آل محمد کی محبت ایمان ہے اور ان کے ساتھ بغض و عناد رکھنا کفر ہے اور اہل بیت رسول سے بغض رکھنے والے کو ناصبی کہا جاتا ہے۔ علامہ سیوطی تدریب الراوی میں لکھتے ہیں ” النصب هو بغض علی و تقدیم معاویہ (تدریب الراوی صفحہ ۲۱۹) کہ ناصبیت حضرت علی کے ساتھ بغض رکھنے اور معاویہ کو ان پر ترجیح دینے کو کہتے ہیں۔ حافظ ابن عساکر نے تہذیب میں بھی یہی ذکر کیا ہے کہ جو لوگ حضرت علی کے ساتھ بغض رکھنے کو اپنا دین اور مذہب سمجھتے ہیں۔ وہ ناصبی ہیں ان کو خارجی بھی کہا جاتا ہے (تہذیب ابن عساکر صفحہ ۳۴۹ ج ۴)۔ اگرچہ ناصبی اور خارجی میں فرق ہے کہ ناصبی وہ لوگ ہیں جو اہل بیت سے دشمنی رکھتے ہیں اور خارجی وہ ہیں جو یہ کہتے تھے ” ان الحکم الا اللہ یعنی حکم صرف اللہ تعالیٰ کے لیے ہے۔ یہ لوگ جب بھی حضرت علی کو دیکھتے یہی نعرہ لگاتے حضرت علی فرمایا کرتے ظاہرًا تو تمہارے لفظ صحیح ہیں لیکن تمہاری مراد باطل ہے۔ ناصبیوں کو خارجی اس بنا پر کہا گیا ہے کہ خارجی بھی حضرت علی کے ساتھ دشمنی رکھتے تھے ورنہ خارجی ان تمام مسلمانوں کو بھی کافر سمجھتے ہیں جو تحکیم کے قائل ہیں۔

بہر صورت جو بھی آل محمد کے ساتھ بغض وعناد رکھتا ہے وہ ناصبی ہے، اہل سنت وجماعت نہیں ہے۔ اہل سنت وجماعت وہ ہیں جن کے نزدیک محبت آل محمد فرض ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام صحابہ کرام کی عزت وعظمت بھی لازم اور ضروری ہے۔ اور تمام مذاہب میں سے مذہب اہل سنت وجماعت ہی حق ہے۔ ابن تیمیہ لکھتے ہیں۔ واھل السنة فی الاسلام کاھل الاسلام فی الادیان یتولون اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم واھل بیتہ ویعرفون حقوق الصحابة وحقوق القرابة کما امر اللہ بذالک و رسولہ (سوال فی یزید بن معاویہ ص۱۹) کہ اہل سنت وجماعت اسلام میں اس طرح ہیں جیسے کہ اسلام دوسرے دینوں میں اور اہل سنت وجماعت اصحاب رسول اور اہل بیت رسول کو دوست رکھتے ہیں اور حقوق صحابہ واہل بیت کو پہچانتے ہیں جیسا کہ اللہ اور اس کے رسول نے حکم دیا ہے۔

ابن تیمیہ کے کلام کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح تمام ادیان میں اسلام دین حق ہے اسی طرح تمام مسالک میں مسلک اہل سنت حق ہے۔ اس کے سوا تمام مسلک باطل ہیں۔ اس سے ظاہر ہے کہ ناصبی فرقہ بھی باطل ہے۔ کیونکہ یہ آل محمد کے ساتھ بغض رکھتا ہے اور آل محمد کے ساتھ بغض رکھنے والا حق پر نہیں ہو سکتا اور نہ ہی اس کی موت ایمان پر ہوتی ہے اور امام فخر الدین رازی لکھتے ہیں کہ آل محمد سے مراد حضرت علی، فاطمہ، حسن اور حسین ہیں۔ اور یہ بھی گزر چکا ہے کہ حضور کا نسب قیامت تک جاری ہے لہٰذا حضور کی آل بھی قیامت تک ہے اور وہ حضرت فاطمۃ الزہراء کی اولاد حسن وحسین اور آگے ان کی اولاد قیامت تک یعنی سادات کرام ہیں۔

اور علامہ آلوسی المتوفی ۱۲۷۰ھ لکھتے ہیں کہ نسب کے لحاظ سے تمام عرب

سے اشرف اولاد فاطمہ ہے کیونکہ ان کا نسب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب ہے جیسا کہ فقہاء کرام نے تصریح کی ہے اور امام طبرانی نے بھی روایت کی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اولاد فاطمہ کا میں ولی اور عصبہ ہوں۔ امام سیوطی نے کہا کہ یہ حدیث حسن ہے۔ امام حاکم نے مستدرک میں مسور بن مخرمہ سے روایت کی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا فاطمہ میرے جسم کا ٹکڑا ہے جو اس کو ناگوار گزرتا ہے وہ مجھے ناگوار گزرتا ہے اور جو اسے اچھا لگتا ہے وہ مجھے اچھا لگتا ہے اور تمام نسب منقطع ہو جائیں گے، میرا نسب منقطع نہیں ہوگا یہ حدیث بھی صحیح ہے۔

اور یہ حدیث کہ فاطمہ میرے جسم کا ٹکڑا ہے، اس کو امام بخاری نے ذکر کیا ہے۔ علامہ سمہودی المتوفی ۹۱۱ھ فرماتے ہیں کہ حضرت فاطمہ کی اولاد حضرت فاطمہ کے جسم کے ٹکڑے ہیں اور فاطمہ حضور کے جسم کا ٹکڑا ہے۔ لہٰذا ثابت ہوا کہ فاطمہ کے جسم کے ٹکڑے حضور کے جسم کے ٹکڑے ہیں۔ فاطمہ کی اولاد حضور کی اولاد ہے۔ یہ وہ شرافت ہے جو صرف اولادِ فاطمہ (یعنی سادات کرام) کے لیے ہے۔ اور کسی کے لیے نہیں ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ سادات کا نسب حضور کی طرف منسوب ہونے کی وجہ سے تمام نسبوں سے افضل و برتر ہے۔ اور کوئی دوسرا نسب اس کا کفو و ہمسر نہیں ہے۔

اگر کسی سید زادی نے غیر سید کے ساتھ نکاح کیا تو یہ نکاح غیر کفو میں ہونے کی وجہ سے منعقد نہیں ہوگا۔ چنانچہ بغیۃ المسترشدین میں ہے۔ فلا ارى جواز النكاح وان رضيت ورضى وليها لان هذا النسب الشريف الصحيح لا يسامى ولا يرام ولكل من بني زهراء فيه حق قريبهم وبعيدهم والى بجمعهم ورضاهم (بغیۃ المسترشدین ص ۲۱۰)

کر میں (سیدہ سے غیر سید کا نکاح) جائز نہیں سمجھتا۔ اگرچہ عورت اور اس کا ولی راضی ہو جائے کیونکہ اس نسب شریف صحیح کا کوئی (دیگر نسب) ہم پلہ وہم سر نہیں ہے اور نہ توقع ہے کہ آئندہ کوئی ہو سکے اور کل اولاد فاطمۃ الزہرا (سادات) کو اس میں حق کفارت حاصل ہے۔ قریب کے ہوں یا بعید کے ہوں اور ان سب کا جمع کرنا ممکن نہیں اور نہ ہی سب کی رضا حاصل کرنا ممکن ہے۔ نہ سب اکٹھے ہونگے اور نہ سب کی رضا حاصل ہوگی۔ لہٰذا یہ نکاح بنیادی طور پر منعقد ہی نہیں ہوگا۔ اگر کسی غیر سید نے سادات کی لڑکی سے نکاح کیا تو نسب رسول کی توہین کے سبب نکاح نہیں ہوگا۔ اور بعض لوگ جو یہ کہتے ہیں کہ ہر آدمی خواہ کسی قوم یا برادری سے تعلق رکھتا ہو وہ سیدزادی سے نکاح کر سکتا ہے ایسے بے ادب اور گستاخ کے متعلق اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی لکھتے ہیں کہ جو شخص کہے کہ سید آل نبی کی دختر ہر ایک کو بیاہ سکتی ہے وہ شخص جھوٹا، کذاب، بے ادب اور گستاخ ہے (فتاوی رضویہ صد ۲۹۳)۔

اس سے ظاہر ہے کہ جو شخص یہ کہتا ہے کہ سیدزادی کے ساتھ ہر آدمی کا نکاح ہو سکتا ہے وہ جھوٹا بھی ہے اور کذاب بھی اور رسول کا بے ادب بھی ہے اور گستاخ بھی۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد کا رسوائے ان کی اولاد کے) کوئی بھی کفو نہیں ہے۔ جب کفو نہیں تو سیدزادی کا نکاح غیر سید کے ساتھ بنیادی طور پر منعقد ہی نہیں ہوگا۔ خواہ سیدزادی اور اس کا ولی راضی ہی کیوں نہ ہو۔ کیونکہ اس میں سادات اور ان کے نسب کی ہتک وتوہین ہے اور اہل بیت کرام (سادات) اور ان کے نسب کی ہتک وتوہین جس طرح شرع میں منع ہے اسی طرح عرف میں بھی منع ہے۔ اب جو یہ کہتا ہے کہ سیدزادی ہر ایک شخص کے ساتھ نکاح کر سکتی ہے وہ اہل بیت کی بھی توہین کرتا ہے اور

شریعت کی بھی اس کی رگوں میں یزیدی خون ہے اسے معلوم نہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد (سادات کرام کا) کوئی بھی ہم کفو نہیں ہے ان کی عزت فرض ہے اور ان کی ہتک عندالشرع منع ہے۔ بہر صورت سادات کے نسب کی عزت و توقیر کی وجہ سے کوئی غیر سید کسی سیدزادی سے نکاح نہیں کر سکتا اور نہ ہی کوئی غیر سید یہ مطالبہ کر سکتا ہے کہ مجھے سیدزادی کا رشتہ دیا جائے کیونکہ اس میں توہین اہلِ بیت ہے جو کہ اسلام اور دین کے منافی ہے۔ اسی وجہ سے جب ایک یزیدی خبیث کتے نے یزید خبیث کے دربار میں کھڑے ہوئے یزید کو کہا تھا کہ یہ لڑکی (سیدہ فاطمہ بنت علی) مجھے دے دیجیے۔ تو سیدہ زینب نے فرمایا کہ اے کمینے یہ بات کہنے کا حق نہ تجھے ہے اور نہ تیرے امیر یزید کو۔ تو یزید پلید نے سیدہ زینب کو کہا کہ اگر میں چاہوں تو یہ کر سکتا ہوں تفصیل عنقریب آ رہی ہے۔

اس سے ظاہر ہوا کہ یہ توہین اہلبیت کی خود یزید کے ایما پر ہوئی۔ اور یزید کے تمام حرکات و افعال نہایت قبیح تھے یزید نے صرف یہ ہی مذموم حرکت نہیں کی بلکہ یزید نے حضرت ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ کے متعلق بھی کہا کہ میں ان سے نکاح کرنا چاہتا ہوں۔

چنانچہ شاہ عبدالحق محدث دہلوی المتوفی ۱۰۵۲ھ لکھتے ہیں کہ روضۃ الاحباب میں مروی ہے کہتے ہیں کہ طلحہ بن عبیداللہ نے کہا تھا کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم دنیا سے پردہ فرما جائیں گے تو میں حضرت عائشہ کو نکاح کا پیام دوں گا تو یہ آیت نازل ہوئی۔ وما کان لکم ان تؤذوا رسول اللہ ولا ان تنکحوا ازواجہ من بعدہ ابدًا۔ اور تمہارے لیے جائز نہیں ہے کہ تم اللہ کے رسول کو تکلیف دو اور نہ یہ کہ نکاح کرو۔ اس (آپ) کی عورتوں سے اس (آپ)

کے پیچھے بھی۔ اور بعض کتابوں میں کہا گیا ہے کہ یزید (دمشقی) (بد بخت) نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں طمع کی تو لوگوں نے اس پر یہ آیت پڑھی اور اس سے اسے باز رکھا۔ (مدارج النبوت ص۲۳۶ ج ۱) اس سے ثابت ہوا کہ یزید خبیث آتنا شیطان تھا کہ وہ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ کے متعلق یہ کہنے لگا کہ میں ان سے شادی کروں گا۔ حالانکہ اس وقت قرآن پاک اتر چکا تھا اور احکام اسلامیہ تمام لوگوں تک پہنچ چکے تھے اور تمام لوگ جانتے تھے کہ ازواج مطہرات مسلمانوں کی مائیں ہیں۔ اور ان سے نکاح قطعی حرام ہے بلکہ اس کے متعلق سوچنا بھی اسلام میں منع ہے۔

چنانچہ صاحب معارف القرآن لکھتے ہیں کہ قرآن میں صاف طور پر حکم وارد ہو چکا تھا کہ ازواج مطہرات کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد کسی سے نکاح جائز نہیں ہے۔ وما کان لکم ان تؤذوا رسول اللہ ولا ان تنکحوا ازواجہ من بعدہ ابداً۔ اس کے پہلے جملے میں تو عام الفاظ میں ایسے ہر قول و فعل کو حرام قرار دیا گیا جس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذاء و تکلیف پہنچے۔ اس کے بعد یہ حکم دیا گیا کہ آپ کی ازواج مطہرات سے آپ کی وفات کے بعد کسی کا نکاح حلال نہیں ہے۔ جس کی وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ وہ بنص قرآنی مومنوں کی مائیں ہیں۔ یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قبر شریف (روضہ انور) میں زندہ ہیں اسی لیے آپ کی میراث تقسیم نہیں ہوئی۔ اسی بنا پر آپ کی ازواج کا وہ حال نہیں جو عام شوہروں کی وفات پر ان کی ازواج کا ہوتا ہے۔ یہ حکمت بھی ہے کہ شرعی قاعدے سے جنت میں ہر عورت اپنے آخری شوہر کے ساتھ رہے گی۔ حضرت حذیفہ نے اپنی زوجہ کو وصیت فرمائی تھی۔ اگر تم چاہتی ہو کہ جنت میں میری بیوی رہو تو میرے بعد

کوئی دوسرا نکاح نہ کرنا۔ کیونکہ جنت میں عورت اپنے آخری شوہر کو ملے گی (قرطبی) اس لیے ازواج مطہرات کو جو شرف حق تعالیٰ نے دنیا میں آپ کی زوجیت کا عطا فرمایا ہے۔ اس کو آخرت اور جنت میں باقی رکھنے کے لیے ان کا نکاح کسی دوسرے سے حرام کر دیا گیا۔ اس کے علاوہ طبعی طور پر کوئی شوہر اس کو پسند نہیں کرتا کہ اس کی بیوی دوسرے کے نکاح میں جائے۔ مگر اس طبعی خواہش کا پورا کرنا عام لوگوں کے لیے شرعاً ضروری نہیں ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس طبعی خواہش کا بھی حق تعالیٰ نے احترام فرمایا یہ آپ کا خصوصی اعزاز ہے۔

(معارف القرآن صـ ۲۰۲ ج ۷)

شاہ عبدالحق محدث دہلوی بھی لکھتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خصائص میں سے ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات آپ کے بعد اُمت پر حرام قرار دی گئیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا وازواجہ امہاتھم۔ یعنی حرمت میں وہ ماؤں کے حکم میں ہیں اور حقیقت آپ کے ازواج مطہرات کی حرمت کا سبب حضور کا قبر شریف (روضہ انور) میں زندہ ہونا ہے۔ اسی بنا پر علماء کہتے ہیں کہ ازواج مطہرات پر وفات کی عدت نہیں ہے۔ (مدارج النبوت صـ ۲۳۶ ج ۱)۔ اس سے ظاہر ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ازواج مطہرات مسلمانوں کی مائیں ہیں۔ ان سے نکاح کرنا قطعی حرام ہے بلکہ اس کا ارادہ کرنا بھی حرام ہے۔ چنانچہ قرآن پاک میں ہے۔ ان تبدوا شیئاً او تخفوہ فان اللہ کان بکل شیئٍ علیما۔ اگر تم ظاہر کرو کسی چیز کو یا اس کو چھپاؤ پس اللہ ہر چیز کو جاننے والا ہے

معارف القرآن میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کسی طرح سے ایذاء و تکلیف پہنچانا یا آپ کی وفات کے بعد آپ کی ازواج سے نکاح کرنا اللہ تعالیٰ کے نزدیک بڑا گناہ ہے۔ آخر آیت میں پھر اس مضمون کو دہرایا گیا کہ

اللہ تعالےٰ تمہارے دلوں کے ارادوں اور خیالات سے واقف ہے۔ تم کسی چیز کو چھپاؤ یا ظاہر کرو۔ اللہ کے سامنے سب ظاہر ہی ظاہر ہے۔ اس میں تاکید ہے کہ مذکور الصدر احکام میں کسی قسم کا شک وشبہ یا وسوسہ دل میں پیدا نہ ہونے دیں۔ اور احکام مذکورہ کی مخالفت سے بچیں۔ (معارف القرآن صـ۲۰۴ ج ۱)۔ کوئی مسلمان بحیثیت مسلمان یہ حق نہیں رکھتا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دنیا سے تشریف لے جانے کے بعد وہ یہ کہے یا مطالبہ کرے کہ میں حضور کی کسی بیوی سے نکاح کرنا چاہتا ہوں۔ اگر کوئی یہ حرکت کرتا ہے تو اس کا ایمان اور اسلام سے کسی قسم کا تعلق نہیں ہے۔ جب یہ کلمات خبیث یزید نے کہے تو ظاہر ہے کہ یزید اسلام سے خارج ہے۔

سوال ۹:۔

اس زد میں تو طلحہ بن عبید اللہ بھی آگئے ہیں۔ کیونکہ شاہ عبدالحق محدث دہلوی کی مروی روایت کے مطابق تو مذکورہ آیت اس وقت نازل ہوئی جبکہ طلحہ بن عبید اللہ نے کہا تھا کہ جس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم دنیا سے تشریف لے جائیں گے تو میں حضرت عائشہ کو نکاح کا پیغام دوں گا۔ حالانکہ طلحہ بن عبید اللہ تو ایک عظیم المرتبت صحابی ہیں بلکہ عشرہ مبشرہ صحابہ میں سے ہیں جن کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا میں ہی انفرادی طور پر جنت کی بشارت دی تھی۔ جب حضرت عائشہ صدیقہ کو نکاح کا پیغام دینے کے ارادے سے طلحہ کی شخصیت متاثر نہیں ہوتی تو پھر یزید کا اس بارے میں طمع کرنا اس کو اسلام سے کیسے خارج کر دے گا۔

جواب:۔

شاہ عبدالحق محدث دہلوی نے جو روضۃ الاحباب کے حوالہ سے

روایت ذکر کی ہے جس میں طلحہ بن عبید اللہ کا ذکر کیا ہے اس سے مراد وہ طلحہ بن عبید اللہ صحابی نہیں جو کہ عشرہ مبشرہ سے ہیں بلکہ یہ طلحہ بن عبید اللہ منافق تھا۔ اس نے کہا تھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد ہم حضور کی بیویوں سے نکاح کریں گے۔

چنانچہ علامہ آلوسی بغدادی لکھتے ہیں۔ ورایت لبعض الاجلۃ ان طلحۃ الذی قال ما قال لیس ھو طلحۃ احد العشرۃ وانما ھو طلحۃ آخر لا یبعد منہ القول المحکی عنہ وھذا من باب اشتباہ الاسم فلا اشکال (روح المعانی صفحہ جزء ۲۲)۔ کہ میں نے لبعض جلیل القدر (علماء) کو دیکھا ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ یہ طلحہ جس نے بے ہودہ گفتگو کی ہے۔ یہ وہ طلحہ نہیں ہے جو عشرہ مبشرہ سے ہیں بلکہ یہ کوئی دوسرا طلحہ ہے جس نے یہ بکواس کی ہے۔ لوگوں کو نام میں اشتباہ ہو گیا ہے لہٰذا کسی قسم کا طلحہ کے سلسلہ میں اشکال اور اعتراض نہیں ہے۔

علامہ آلوسی بغدادی کے کلام سے ظاہر ہے کہ یہ بیہودہ گفتگو کرنے والا حضرت طلحہ بن عبید اللہ صحابی نہیں ہے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام میں سے کسی سے بھی یہ بات صادر ہونی ممکن نہیں ہے۔ جس سے ثابت ہوتا ہو کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کا انتظار کرتے رہے ہوں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہو تاکہ ہم حضور کی بیویوں سے شادی رچائیں۔ صحابہ کرام ایسی گھٹیا قسم کی حرکات سے پاک تھے۔ حضرت طلحہ بن عبید اللہ بن عثمان قرشی تیمی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک جلیل القدر صحابی تھے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کی بہت قدر کیا کرتے تھے۔ کیا ایسے صحابی سے یہ توقع ہو سکتی ہے کہ وہ حضور کی وفات کا انتظار کرے کہ کب حضور کی وفات ہو تاکہ حضور کی وفات

کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رفیقہ حیات طیبہ و طاہرہ حضرت عائشہ صدیقہ بنت حضرت ابو بکر صدیق کو اپنی بیوی بنائیے۔ یہ بات طلحہ بن عبید اللہ جیسی شخصیت سے ہرگز ہرگز ممکن نہیں ہے۔ کیونکہ ان لوگوں کے دل نبوت کے فیضان کی تاثیر سے پاکیزہ ہو چکے تھے۔ ان کے دلوں میں یہ خیالات آنے ہی ناممکن تھے۔ لہٰذا طلحہ بن عبید اللہ صحابی رسول نے یہ کلمات نہیں کہے اور یہ طلحہ بن عبید اللہ جنگ جمل میں قتل ہوئے۔ جنگ جمل ۳۶ھ ہوئی ہے۔ امام بخاری نے تاریخ صغیر میں ذکر کیا ہے کہ جنگ جمل میں جو پہلا آدمی قتل ہوا ہے۔ وہ طلحہ بن عبید اللہ تھا۔ جنگ جمل میں حضرت طلحہ اور زبیر کے ساتھ مروان بھی تھا۔ مروان کی حضرت طلحہ کے ساتھ دشمنی تھی۔ اس نے موقع کو غنیمت سمجھتے ہوئے حضرت طلحہ کو قتل کر دیا (تہذیب التہذیب ص ۲۱ ج ۵) بہرصورت طلحہ بن عبید اللہ صحابی نے یہ ہرگز کلمات نہیں کہے کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد حضور کی بیوی حضرت عائشہ صدیقہ سے نکاح کرے گا بلکہ یہ بیہودہ کلمات ایک منافق نے کہے تھے۔ جس کا نام بھی طلحہ بن عبید اللہ تھا۔ لوگوں کو بلکہ راویوں کو اشتباہ ہوگیا۔ وہ دونوں میں تمیز نہ کر سکے اور سطحی نظر رکھنے والے لوگوں نے اعتراض کیا کہ حضور کے ایک جلیل القدر صحابی کے کیسے گھٹیا نظریات ہیں۔ حالانکہ یہ الفاظ بولنے والا ایک منافق تھا جس کا ایمان اور اسلام سے دور کا واسطہ بھی نہیں تھا۔ کیونکہ مسلمان اور مومن انسان نہ ایسے خیالات رکھتا ہے اور نہ ہی ایسے کلمات کہتا ہے۔ البتہ یزید چونکہ خبیث النفس تھا۔ اس کے دل میں ذرہ بھر بھی ایمان کی چاشنی نہیں تھی۔ لہٰذا جس طرح وہ اہل بیت اطہار کا گستاخ اور دشمن تھا اسی طرح وہ ازواج مطہرات کا بھی بے ادب اور گستاخ تھا۔ لہٰذا اس نے حضرت عائشہ صدیقہ کی توہین کرنے

کے لیے یہ گستاخانہ الفاظ استعمال کیے اور اسی طرح اس نے سیّدہ زینب سلام اللہ علیہا سے بھی گستاخانہ رویہ اختیار کرتے ہوئے کہا کہ اگر میری مرضی ہو تو میں فاطمہ بنت علی تم سے چھین سکتا ہوں لیکن حضرت سیدہ زینب نے جراٴت مندی کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا کہ خبیث تم یہ کام قیامت تک بھی نہیں کر سکتے اور نہ ہی کسی کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ رسول اللہ کی بیٹیوں کے متعلق یہ سوچ بھی رکھے یا ان کے ساتھ نکاح کرے یا نکاح کا مطالبہ کرے کیونکہ رسول اللہ کی اولاد کا کوئی دیگر نسب والا ہم کفو نہیں ہے۔ جب ان کا کوئی ہم کفو نہیں ہے تو اسی پر بنا کرتے ہوئے فقہاء نے کہا ہے کہ اگر سیّدزادی نے غیر سیّد کے ساتھ نکاح کیا تو ان کے نسب کی توہین ہوگی جو کہ شرع اور عرف کے اعتبار سے منع ہے۔ لہٰذا سادات کے نسب کی توہین لازم آنے کی وجہ سے سیدزادی کا نکاح غیر سید کے ساتھ بنیادی طور پر منعقد نہیں ہوگا۔

حسب و نسب (جلد ثانی) لکھتے وقت بھی میری ذاتی حالت ناگفتہ بہ تھی مگر اس کے باوجود میں نے اس کی تحقیق و ریسرچ میں کوئی فروگذاشت نہیں کی نیز اصل کتابیں دیکھ کر حوالہ جات لگانے کی کوشش کی ہے اور ساتھ ساتھ نفس مسئلہ کی وضاحت بھی کر دی ہے۔

اس مسودہ کے اکثر حصہ کو جب پیر طریقت، رہبر شریعت علامہ سید زاہد حسین شاہ صاحب رضوی دامت برکاتہم العالیہ صدر انجمن فاطمیہ یو۔کے وصدر مرکزی جماعت اہل سنت برطانیہ و مہتمم جامعہ فاطمیہ ڈنگھم نے ملاحظہ فرمایا تو اس کے متعلق اپنے تاثرات کا اظہار ان الفاظ میں کیا کہ جزوی طور پر اگرچہ علماء کرام نے اس مسئلہ (کہ سیّدہ کا نکاح غیر سیّد کے ساتھ نہیں ہو سکتا) پر لکھا ہے لیکن جس طرح مفتی غلام رسول (صاحب) دار العلوم قادریہ جیلانیہ (لندن) نے

اس عنوان پر جامع اور مستقل کتاب لکھی ہے۔ اس طرح بلا مبالغہ آج تک اس مسئلہ پر کوئی مستقل کتاب نہیں لکھی گئی۔

اور میں اس کتاب "حسب ونسب جلد ثانی" کو بھی اس شخصیت کی طرف منسوب کرتا ہوں جو اس وقت دنیائے اسلام میں اپنے علم وفکر کے لحاظ سے اپنی مثال آپ ہیں۔ اور اپنے حسب ونسب کے لحاظ سے نجیب الطرفین حسنی و حسینی گیلانی سید ہیں۔ جن کی زندگی کا ماحصل بھی خاندان نبوت کا ادب واحترام ہے اس شخصیت سے میری مراد بقیۃ السلف، حجۃ الخلف، نابغۂ روزگار، مفکرِ اسلام علامہ پیر سید عبدالقادر شاہ صاحب گیلانی دامت برکاتہم العالیہ ہیں۔

ہم آخر میں انجمن فاطمیہ یوکے اور اس کے جنرل سیکرٹری سید سلطان محمد جعفر شاہ صاحب (لندن) کے بھی شکرگزار ہیں جنہوں نے "حسب ونسب جلد ثانی" چھپوانے اور شائع کرنے کا انتظام اپنے ذمہ لیا ہے۔

اللہ تعالیٰ ہم تمام مسلمانوں کو اہلِ بیت رسول کی مودت ومحبت اور ادب کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین ثم آمین۔

مفتی غلام رسول
دارالعلوم قادریہ جیلانیہ
والتھم سٹو لندن

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ہم نے حسب ونسب جلد اول میں تشریح اور وضاحت کردی ہے کہ سیدزادی کا نکاح غیر سید کے ساتھ نہیں ہو سکتا کیونکہ سیدہ فاطمہ کیلیے غیر سید کفو نہیں بن سکتا۔ جب کفوٗ نہ ہو تو نکاح بھی منعقد نہیں ہوگا فخر الدین قاضی خان المتوفی ۵۹۲ھ لکھتے ہیں۔ "وان لم یکن کفوًا لا یجوز النکاح اصلا وهو المختار في زماننا لروایۃ الحسن قال الشیخ الامام شمس الائمۃ السرخسی روایۃ الحسن اقرب الی الاحتیاط۔"

اور اگر کفوٗ نہ ہو تو نکاح بالکل ہی منعقد نہ ہوگا اور ہمارے زمانہ میں حسن بن زیاد کی روایت ہی مختار ہے۔ شمس الائمہ سرخسی المتوفی ۵۰۰ھ فرماتے ہیں کہ حسن بن زیاد کی روایت احتیاط کے بہت قریب ہے۔ علامہ شامی المتوفی ۱۲۵۲ھ لکھتے ہیں۔ "وتعتبر الکفاءۃ للزوم النکاح ای علی ظاهر الروایۃ ولصحتہ علی روایۃ الحسن المختارۃ للفتوی (ردالمحتار ص۸۶ ج ۳)، کہ حسن بن زیاد کی روایت ہے کہ کفاءت نکاح کی صحت کی شرط ہے اور اسی پر فتوی ہے کہ غیر کفوٗ میں نکاح صحیح نہیں ہے۔ اگر غیر کفوٗ میں نکاح ہو جائے تو پھر یہ فسخ نہیں ہو سکتا کیونکہ ہر ولی عدالت میں فسخ نکاح کے لیے رجوع نہیں کر سکتا۔ نیز ہر قاضی عادل نہیں ہو سکتا کہ وہ غیر کفوٗ میں نکاح فسخ کردے۔ اگر بالفرض ولی یہ کام عدالت سے کرا سکے اور

قاضی عادل بھی ہو تو پھر بھی بعض اوقات حکام کے دروازوں پر چکر لگانے کی ذلت اور اس کام کے مشکل ہونے کی وجہ سے عدالت کی طرف رجوع نہیں کیا جا سکتا لہٰذا ضرر ہمیشہ کے لیے پختہ ہو جاتا ہے اور اس ضرر سے بچنے کے لیے یہی طریقہ ہے کہ بنیادی طور پر نکاح ہی منعقد نہ ہوتا کہ ولی ہر طرح کی ذلت سے محفوظ رہے، امام مالک المتوفی ۱۷۹ھ امام شافعی المتوفی ۲۰۴ھ اور امام احمد بن حنبل المتوفی ۲۴۱ھ کے نزدیک نکاح کیلئے ولی ہونا ضروری ہے۔ جو نکاح ولی یا اس کے قائم مقام کے بغیر ہو وہ باطل ہے ان حضرات نے عورت پر پابندی عائد کر دی ہے کہ وہ ولی کے بغیر ہرگز نکاح نہیں کر سکتی۔ انہوں نے قرآن و حدیث اور قیاس سے درج ذیل دلائل پیش کیے ہیں۔

(۱) قرآن پاک میں ہے وانکحوا الایامیٰ منکم یعنی اپنی قوم کی بیوہ عورتوں کے نکاح کر دیا کرو۔ اس آیت میں انکاح یعنی احداث عقد (نکاح کر دینے) کی نسبت اولیاء (وارثوں) کی طرف ہے۔ گو نکاح کی نسبت خاوند اور عورت کی طرف بھی کی گئی ہے۔ کیونکہ نکاح کے معاملات کا تعلق دونوں کے ساتھ ہے۔ اسی طرح قرآن پاک میں ہے۔ ولا تنکحوا المشرکین حتیٰ یومنوا یعنی مشرک مرد جب تک ایمان نہ لائیں مومن عورتوں کو ان کے نکاح میں نہ دو اور اس کے مقابلہ میں ہے۔ ولا تنکحوا المشرکات حتیٰ یومن یعنی مومنو! مشرک عورتوں سے جب تک ایمان نہ لے آئیں نکاح نہ کرو گویا کہ جہاں کہیں انشائے عقد نکاح (نکاح کرنے) کے متعلق ذکر کیا ہے وہاں نکاح کی نسبت مرد کی طرف کی ہے۔ چنانچہ مسلمان عورتوں کا مشرکین کے ساتھ نکاح کا ذکر کرتے وقت عورتوں کو براہ راست مخاطب

نہیں کیا بلکہ ان کے اولیاء سے خطاب کیا ہے کہ جو مسلمان عورتیں ان کی زیر نگران ہیں۔ ان کا مشرک مردوں سے عقد نہ کریں۔ غرضیکہ جس مقام پر ولایت کا ذکر ہے وہاں مردوں کی طرف نسبت کی ہے۔ قرآن میں یہ کہیں بھی نہیں ہے کہ جس سے ثابت ہوتا ہو کہ انکاح (یعنی نکاح کر دینے) کی نسبت عورتوں کی طرف کی گئی ہو جس سے ظاہر ہے کہ نکاح کر دینے کی ولایت اولیاء (وارثوں) کو ہی ہے۔

(۲) حدیث پاک میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اذا خطب الیکم من ترضون دینہ وخلقہ فزوجوہ ان لا تفعلوا تکن فتنۃ فی الارض وفساد عریض (مشکوٰۃ صد ۲۶۷) جب تمہارے سامنے نکاح کے لیے ایسا شخص درخواست پیش کرے جس کے دین اور اخلاق کو تم پسند کرتے ہو تو اس سے نکاح کر دو ورنہ زمین پر فتنہ اور بہت بڑا فساد پیدا ہو گا۔ نیز حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایما امرأۃ نکحت نفسہا بغیر اذن ولیہا فنکاحہا باطل فنکاحہا باطل فنکاحہا باطل (مشکوٰۃ صد ۲۷۰) یعنی جو عورت اپنے طور پر ولی کی اجازت کے بغیر نکاح کرے تو اس کا نکاح باطل ہے تو اس کا نکاح باطل ہے تو اس کا نکاح باطل ہے اور یہ بھی روایت ہے لا نکاح الا بولی (مشکوٰۃ صد ۲۷۰) کہ ولی کے بغیر نکاح نہیں ہوتا۔ ان احادیث سے ظاہر ہے کہ عورت خود عقد نکاح نہیں کر سکتی۔ انشائے عقد یعنی نکاح کر دینے کا حق مرد کو ہی ہے۔

(۳) قیاس اور عقل سے دیکھا جائے تو بھی معلوم ہوتا ہے کہ نکاح کا معاملہ بہت نازک ہے۔ دونوں کی زندگی نکاح سے وابستہ ہے کہ مرد عورت کے خاندان کے لیے ذلت کا باعث بھی بن سکتا ہے اور شرف بھی

بخش سکتا ہے۔ عورت اگر کسی خسیس مرد کے ساتھ نکاح کرے تو اس کے خاندان پر ذلت کا دھبہ آتا ہے۔ اگر مرد کسی گھٹیا درجہ کی عورت کے ساتھ نکاح کرے تو اس کے لیے بھی شرم کی بات ہے۔ البتہ اتنا شرم نہیں ہے کیونکہ عقد نکاح مرد کے اختیار میں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ شریعت نے اولیاء عورت کو عورت کے ساتھ معاملہ نکاح میں شریک کیا ہے اور اسے یہ اجازت نہیں دی کہ اپنے تن تنہا یہ کام سرانجام دے کیونکہ نکاح کے انجام کا تعلق ان سب کے ساتھ ہے۔ صرف عورت کے ساتھ نہیں ہے پھر نکاح کے لیے مردوں کے حالات اور کوائف سے واقفی ضروری ہے کیونکہ ان باتوں کے جانے بغیر اندازہ نہیں ہو سکتا کہ عورت کا کفو بننے کی جو صلاحیتیں درکار ہیں وہ اس مرد میں پائی جاتی ہیں یا نہیں۔ اس قسم کی واقفیت مرد ہی کر سکتے ہیں۔ یہی وجہ عقد نکاح میں ولی کا ہونا ضروری ہے تاکہ کفو کی صحیح تحقیق کر سکے کہ فلاں مرد اس عورت کا کفو ہے فلاں کفو نہیں ہے۔ بہر طیکہ ان آئمہ حضرات کے نزدیک ولی کے بغیر عورت نکاح نہیں کر سکتی۔ لیکن امام ابو حنیفہ المتوفی سنہ ۱۵۰ھ فرماتے ہیں کہ اگر عورت عاقلہ بالغہ ہے تو وہ اپنے نکاح کے فرائض خود سرانجام دے سکتی ہے۔ کوئی شخص اس کو مجبور نہیں کر سکتا۔ بشرطیکہ یہ عورت عاقلہ بالغہ اپنے کفو میں نکاح کرے اور مہر مثلی سے کم حق پر راضی نہ ہو یہ ایک علیحدہ بات ہے کہ بہتر اس عورت کے حق میں بھی یہ ہی ہے کہ اس کے نکاح کے معاملات بھی کوئی وارث اور ولی ہی سرانجام دے تاکہ یہ بے حیائی کی طرف منسوب نہ ہو۔ بہر صورت اگر عورت عاقلہ بالغہ اور سمجھدار ہے اور اپنا نکاح خود کرتی ہے اور کفو میں کرتی ہے تو امام ابو حنیفہ کے نزدیک یہ نکاح جائز ہے۔ امام ابو حنیفہ نے قرآن وحدیث اور قیاس سے اپنے اس مسلک پر استدلال

کیا ہے۔

(۱) قرآن پاک میں ہے فان طلقھا فلا تحل لہ من بعد حتی تنکح زوجا غیرہ فان طلقھا فلا جناح علیھما ان یتراجعا۔ پھر اگر شوہر ہر دو طلاقوں کے بعد تیسری طلاق عورت کو دے دے تو اس کے بعد جب تک عورت دوسرے شوہر سے نکاح نہ کرے اس پہلے شوہر پر حلال نہیں ہوگی ہاں اگر دوسرا خاوند بھی طلاق دے دے اور عورت اور پہلا خاوند پھر ایک دوسرے کی طرف رجوع کرلیں تو ان پر کچھ گناہ نہیں۔ اس آیت کریمہ میں حتی تنکح زوجا غیرہ کہہ کر نکاح کی نسبت عورت کی طرف کی ہے۔ نکاح ایک فعل ہے اور قاعدہ سے فعل کی نسبت ہمیشہ اس کے فاعل کی طرف ہوتی ہے۔ یہ نسبت ہی اس بات کی دلیل ہے کہ عورت بذات خود اس کے انشاء (نکاح کرنے) پر قدرت رکھتی ہے اور پھر یتراجعا میں دوبارہ اس کی طرف نسبت پائی جاتی ہے۔ نیز اس آیت میں عورت کے اس فعل کو تحریم کی نہایت اور غایت قرار دیا گیا ہے اور تحریم شرعی کو وہ ختم کرسکتا ہے جو شریعت کی نظر میں ہر لحاظ سے قابل اعتبار ہو اور قرآن پاک میں ہے واذا طلقتم النساء فبلغن اجلھن فلا تعضلوھن ان ینکحن ازواجھن اور جب تم عورتوں کو طلاق دے چکو اور ان کی عدت پوری ہو جائے تو انہیں دوسرے شوہروں کے ساتھ نکاح کرنے سے مت روکو۔ اس آیت میں بھی نکاح کو عورت کی طرف نسبت کیا ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ اسے اس انشاء یعنی نکاح کرنے پر قدرت حاصل ہے۔ علاوہ ازیں اس آیت میں یہ بھی بتایا گیا ہے کہ اگر عورت کفو سے نکاح کرنا چاہے تو اولیاء کو اسے روکنے کا حق حاصل نہیں ہے تو یہ بھی اس امر کی واضح دلیل ہے کہ عورت کو

اس بات کا پورا اختیار حاصل ہے کہ کفوء میں جس مرد کے ساتھ چاہے شادی کرلے۔

(۲) حدیث پاک میں ہے الایم احق بنفسھا من ولیھا ایم (جس عورت کا خاوند نہ ہو) اپنے ولی سے اپنی ذات پر زیادہ اختیار رکھتی ہے نیز حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لیس للولی مع الثیب امرٌ یعنی ولی ثیب (خاوند سے جدا شدہ عورت) پر کوئی حاکمیت نہیں رکھتا۔ ان احادیث سے معلوم ہوا کہ شریعت نے ایم اور ثیب کو پورا پورا اختیار دیا ہے کہ وہ اپنی مرضی سے کفوء میں نکاح کرسکتی ہے۔

(۳) قیاس اور عقل کا تقاضا بھی یہ ہے کہ جب عورت آزاد ہے تو وہ اپنے تصرفات اور معاملات میں بھی آزاد ہو اگر یہ کہا جائے کہ اولیاء (وارثوں) کے بغیر اس کا عقد نہیں ہوسکتا تو یہ عورت کی آزادی کے سراسر منافی ہے اگر لڑکی چھوٹی نابالغہ ہو تو پھر ولی کی ولایت اس لئے ہے کہ وہ معاملات کو صحیح طور پر سمجھنے سے قاصر ہے لیکن جب بالغہ ہوگئی تو پھر وہ خود معاملات کو سمجھتی ہے لہٰذا اس پر ولی کو اختیار نہیں ہوگا نیز قابل فہم بات یہ ہے کہ نوجوان عاقل بالغ مرد کو بذات خود اپنا نکاح کرنے کا حق ہے تو نوجوان لڑکی عاقلہ بالغہ کو بھی یہ حق ملنا چاہیے کہ وہ خود اپنا نکاح کرسکے معاملات کے سلسلہ میں مرد اور عورت کے درمیان شرعاً تمیز نہیں ہونی چاہیے۔ اگر نکاح کا معاملہ اہم ہے تو دونوں کے لیے اہم ہے۔ اور اگر نقصان کا اندیشہ ہے تو دونوں کے لیے برابر ہے۔ چنانچہ امام ابو یوسف اور امام محمد فرماتے ہیں۔ اگر کسی برادری پر عورت باعث عار بن سکتی ہے تو مرد بھی باعث عار بن سکتا ہے یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہے کہ اگر مرد اعلیٰ خاندان سے تعلق رکھتا ہو

اور یہ ایسی عورت سے نکاح کرے جو گھٹیا خاندان سے تعلق رکھتی ہے تو اس مرد کی برادری ہر وقت اس مرد کو طعن و تشنیع کرتی رہے گی کہ یہ کمینی اور گھٹیا خاندان کی عورت ہم میں کہاں سے لے آیا۔ اب یہ مرد اپنی برادری کے لیے باعث ننگ و عار بن گیا گویا کہ جیسے برادری پر عورت باعث عار بن سکتی ہے اسی طرح مرد بھی باعث عار بن سکتا ہے۔ اگرچہ جمہور فقہاء اور امام ابوحنیفہ فرماتے ہیں کہ مرد برادری کے لیے باعث عار نہیں ہے۔ چنانچہ صاحب درمختار لکھتے ہیں۔ لا تعتبر من جانبہا لان الزوج مستفرش فلا تغیظہ دناءۃ الفراش وھذا عند الکل فی الصحیح لکن فی الظہیریۃ وغیرھا ھذا عندہٗ وعندھما تعتبر فی جانبہا ایضا (درمختار ص۸۵ ج ۳)۔

کفو ہم کا اعتبار عورت کی طرف سے نہیں ہوگا کیونکہ خاوند صاحب فراش ہے اس کے لیے عورت کا گھٹیا ہونا باعث عار نہیں ہے اور صحیح روایت میں یہ جمہور کا مذہب ہے۔ لیکن فتاوی ظہیریہ اور دیگر کتب فقہ میں ہے کہ یہ ابوحنیفہ کا مذہب ہے اور ابویوسف اور امام محمد کے نزدیک عورت کی جانب سے بھی کفو کا اعتبار ہے اور صاحب عینی الہدایہ لکھتے ہیں بر خلاف عورت کی جانب کے کیونکہ شوہر تو فراش بنانے والا ہے تو اس کو فراش کا کمینہ ہونا کچھ غصہ میں نہیں لاتا یہ ہی قول ابوحنیفہ۔ امام شافعی۔ امام احمد۔ اور جمہور کا ہے۔ صاحبین کے نزدیک عورت کی جانب سے بھی مستحسن ہے (عینی الہدایہ ص۴۸ ج ۲)۔ اس سے ثابت ہوا کہ امام ابوحنیفہ کے نزدیک عورت کی جانب سے کفو کا اعتبار نہیں ہے بلکہ مرد کی جانب سے ہے اور ابویوسف اور امام محمد کے نزدیک عورت کی جانب سے بھی کفو کا اعتبار ہے اگرچہ ان کے نزدیک یہ امر مستحسن ہے۔ بہر حال اگر غیر کفو میں عورت نے نکاح کیا تو نہیں ہو گا

اس لیے کہ ہر عورت ہر صورت میں تمام کے نزدیک برادری کے لیے باعث ننگ و عار بن سکتی ہے۔ اگر مرد نے غیر کفو میں نکاح کر لیا تو ہو جائے گا لیکن امام ابو یوسف اور امام محمد کے نزدیک اس مرد نے غیر کفوء میں نکاح کر کے کوئی اچھا کردار ادا نہیں کیا کیونکہ ان کے نزدیک مرد بھی باعث ننگ و عار بن سکتا ہے۔ اور جہاں تک نفس مسئلہ کا تعلق ہے وہ تو ظاہر ہے کہ اگر مرد نے غیر کفوء میں نکاح کیا تو ہو جائے گا لیکن امام ابو یوسف اور امام محمد اس کو اچھی صورت قرار نہیں دیتے اور جو ہمارے زیر بحث مسئلہ (کہ سیدزادی کا نکاح غیر سید کے ساتھ نہیں ہو سکتا) ہے جس کی تشریح اور توضیح ہم حسب و نسب جلد اول میں کر چکے ہیں۔ اس کی بنیاد چونکہ سادات کرام کا نسب ہے لہٰذا صرف اور صرف سادات کرام کے نسب کے سلسلے میں ہم قاضی ابو یوسف اور امام محمد کے قول کو ترجیح دیتے ہوئے کہتے ہیں کہ سید مرد کو بھی غیر کفوء سے نکاح نہ کرنا چاہیے کیونکہ اگر سید مرد نے غیر کفو میں کسی گھٹیا خاندان کی عورت سے نکاح کیا تو یہ سید مرد بھی سادات برادری کے لیے باعث ننگ و عار ہو گا کیونکہ سادات کے نسب کے احکام دوسرے نسبوں سے ممتاز ہیں۔ لہٰذا سید مرد کو اپنے اعلیٰ نسب کے پیش نظر غیر کفوء سے نکاح نہیں کرنا چاہیے۔ اگر اس سید مرد نے غیر کفوء سے نکاح کیا تو اس عورت غیر سیدہ کی برادری کے لوگ انتقامی کارروائی کریں گے جس سے سادات کی توہین اور ہتک کا اندیشہ ہے کیونکہ ہمارے زمانہ میں لوگوں نے یہ کہنا شروع کر دیا ہے کہ اگر سید مرد غیر سیدہ عورت سے نکاح کر سکتا ہے تو غیر سید بھی سیدزادی سے نکاح کر سکتا ہے یہ لزوم توہین گویا کہ سید مرد کے غیر کفوء میں نکاح کرنے سے پیدا ہوئی ہے لہٰذا اگر سیدہ عورت پر پابندی ہے کہ وہ غیر سید کے ساتھ نکاح نہیں کر سکتی

تو سید مرد کے لیے بھی چاہیے کہ وہ غیر کفو سے نکاح نہ کرے فرق دونوں صورتوں میں یہ ہے کہ اگر سیدزادی نے غیر کفو میں نکاح کیا تو التزام توہین ہوگا اور اگر سید مرد نے غیر کفو میں نکاح کیا تو لزوم توہین ہوگا۔ التزام توہین اور لزوم توہین میں فرق یہ ہے کہ التزام توہین میں صراحتًہ بے ادبی ہوتی ہے اور لزوم میں اگرچہ صراحتًہ بے ادبی نہیں ہوتی مگر توہین اور بے ادبی کی طرف انجرار اور پہنچنا ہوتا ہے یعنی مال سخن و لازم حکم ترتیب مقدمات و تمیم تقریبات کرنے سے آخر کار توہین لازم آجاتی ہے۔ جیسے کہ سید مرد کا غیر کفو میں نکاح کرنا پھر اس برادری کا انتقامی صورت اختیار کرنا وغیرہ وغیرہ جس سے توہین لازم آتی ہو جب دونوں صورتوں میں توہین ہوتی ہے تو دونوں میں پابندی بھی ہونی چاہیے۔ اگر التزامی صورت ہو تو پھر بنیادی طور پر نکاح ہی منعقد نہ ہوگا۔ اگر لزومی صورت ہوئی تو پھر بوجہ حکمت و توہین لازم آنے کے سید مرد کو چاہیے کہ وہ غیر کفو سے نکاح نہ کرے کیونکہ ہمارے زمانہ میں لوگوں کے اندر نہ اتنا خوف ہے اور نہ تقویٰ ہے اور نہ ہی لوگوں کے دلوں میں سادات کا ادب واحترام رہا ہے کہ لوگ سادات کو رشتہ دے کر اپنی سعادت سمجھیں اور ادب واحترام کو ملحوظ رکھیں بلکہ اگر کوئی سید مرد غیر برادری میں نکاح کرتا ہے تو اس عورت کی برادری کے لوگ علانیہ کہتے ہیں کہ اگر یہ لوگ فی الواقع سید ہوتے تو ہماری عورتوں کے ساتھ کیوں نکاح کرتے۔ لہٰذا وہ انتقامی راستہ اختیار کرتے ہیں جس سے توہین لازم آتی ہے اور سادات کی توہین التزامی اور لزومی دونوں صورتوں میں عندالشرع منع ہے۔

سوال:۔

آپ نے حسب ونسب جلد اول میں لکھا ہے کہ اگر مرد غیر کفو میں نکاح کرے

تو اس میں کوئی عیب نہیں ہے کیونکہ مرد طالب فراش ہوتا ہے جس کے لیے کم تری فراش باعث عار نہیں ہے۔ اب آپ کہہ رہے ہیں کہ سید مرد کو بھی غیر کفو میں نکاح نہ کرنا چاہیے کہ اس سے بھی سادات اور ان کے نسب کی توہین اور بے ادبی ہوتی ہے۔

جواب :۔

ہم نے حسب و نسب جلد اول میں یہی لکھا ہے کہ مرد غیر کفو سے نکاح کر سکتا ہے کیونکہ جمہور فقہاء اور امام ابو حنیفہ کے نزدیک مرد طالب فراش ہوتا ہے جس کے لیے کم تری فراش باعث عار نہیں ہے لیکن قاضی ابو یوسف اور امام محمد نے عورت کی جانب سے کفوء کا اعتبار کرتے ہوئے کہا ہے کہ مرد بھی برادری پر باعث عار بن سکتا ہے۔ مگر سید کیلئے یہ اچھی صورت نہیں ہے کہ وہ غیر کفو میں نکاح کرے۔ چنانچہ محقق ابو زہرہ لکھتے ہیں کہ نکاح کا معاملہ اگر اہم ہے تو دونوں کے لیے اہم ہے۔ اگر نقصان کا اندیشہ ہے تو دونوں کے لیے ہے اگر کسی برادری پر عورت باعث عار بن سکتی ہے تو مرد بھی باعث عار بن سکتا ہے (عہد و حیات ص۱۱۶)۔ چونکہ سادات کا نسب اپنی شرافت و عظمت کے لحاظ سے تمام نسبوں سے ممتاز اور جدا ہے۔ اگر کسی سید مرد نے غیر کفوء سے نکاح کیا اور اس عورت کی برادری نے انتقامی راستہ اختیار کیا جس سے سادات کے نسب کی توہین ہوتی ہو تو اندریں صورت ہم نے قاضی ابو یوسف اور امام محمد کے قول کو راجح سمجھتے ہوئے کہا ہے کہ سید مرد کیلیے یہ مناسب صورت نہیں ہے کہ وہ غیر کفو میں نکاح کرے۔ البتہ اگر کسی دوسری برادری کا آدمی اپنی بیٹی کا رشتہ کسی سید مرد کو دیتا ہے اور اس میں اپنی سعادت سمجھتا ہے اور اس کی برادری میں کوئی ناصبی اور خارجی بھی نہیں ہے اور یہ بھی سمجھتا ہے

کہ میری برادری میں سے کوئی سادات کی توہین نہیں کرے گا یا کوئی انتقامی صورت اختیار نہیں کرے گا تو پھر سیّد مرد غیر کفوء میں ایسی عورت سے نکاح کر سکتا ہے۔ اگر سیّد مرد یہ سمجھتا ہے کہ عورت کی برادری مجھ سے کسی موڑ پر جا کر انتقام لے گی یا یہ برادری سادات کی توہین کرے گی تو ایسی صورت میں سیّد مرد کو غیر کفوء میں نکاح نہ کرنا چاہیے۔ کیونکہ اس سے سادات کی ہتک لازم آتی ہے جو کہ ناجائز ہے۔

سوال :۔

امام حسین علیہ السلام نے حضرت شہر بانو علیہا السلام سے نکاح کیا تھا جو کہ سیّدہ نہیں تھیں۔ دیگر بے شمار سیّد مردوں نے غیر کفوء میں (غیر سیّدہ) عورتوں کے ساتھ نکاح کیے ہیں۔ اور اگر یہ تمام جائز ہے تو آپ نے کیوں کہا ہے کہ سیّد مرد کو غیر سیّدہ عورت کے ساتھ نکاح نہ کرنا چاہیے۔

جواب :۔

ہم یہ نہیں کہتے کہ اگر سیّد مرد نے غیر سیّدہ عورت کے ساتھ نکاح کیا تو ہوگا نہیں بلکہ ہم تو کہتے ہیں کہ ہمارے اس زمانہ میں چونکہ لوگوں میں نہ اتنا تقویٰ ہے اور نہ ہی لوگوں کے دلوں میں اتنا سادات کا احترام ہے لہٰذا سادات مردوں کو غیر کفوء میں نکاح کرنے سے پرہیز کرنا چاہیے۔ ہاں اگر کوئی غیر سیّد مرد کسی سیّد مرد کو رشتہ دیتا ہے اور اس کو اپنی سعادت سمجھتا ہے اور یہ بھی سمجھتا ہے کہ اس کی برادری میں کوئی ناصبی اور خارجی نہیں ہے جو کہ سادات کی توہین کریگا یا انتقامی کارروائی کرے گا تو پھر ایسی عورت کے ساتھ سیّد مرد نکاح کر سکتا ہے۔ کیونکہ اس میں اس سیّد مرد کی توہین نہیں ہوگی اور جب اس کی توہین نہ ہوئی تو ہتک اہلِ بیت لازم نہ آئی۔ حضرت امام حسین علیہ السلام نے

جو شہر بانو علیہا السلام سے نکاح کیا تھا اس میں ان صورتوں سے کوئی صورت بھی نہ تھی جس سے توہین کا کوئی پہلو نکلتا ہو لہٰذا سائل بطور استدلال اس واقعہ کو پیش نہیں کر سکتا، اور نہ ہی ہم کو جواز سے انکار ہے، ہم نے تو حالات حاضرہ کے مطابق کہا ہے کہ اگر سید مرد نے غیر کفو میں نکاح کیا تو عورت کی برادری اور رشتہ دار انتقامی کارروائی کریں گے۔ جس سے سادات اور ان کے نسب کی توہین ہوگی لہٰذا بہتر صورت یہی ہے کہ امام ابو یوسف اور امام محمد کے قول کو صرف سادات کے نسب میں راجح سمجھتے ہوئے کہا جائے کہ سید مرد کو غیر کفو میں نکاح کرنا مناسب نہیں ہے۔ علاوہ ازیں اس کا جواب وہ ہے جو امام زین العابدین علیہ السلام نے عبدالملک بن مروان کو دیا تھا جبکہ عبدالملک نے یہی سوال اٹھایا تھا جس کو ابن خلکان المتوفی ۶۸۱ھ نے ذکر کیا ہے کہ عبدالملک بن مروان المتوفی ۸۶ھ نے امام زین العابدین علیہ السلام المتوفی ۹۴ھ پر اسی معاملہ میں اعتراض کیا تو امام زین العابدین علیہ السلام نے فرمایا لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ وقد اعتق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صفیۃ بنت حیی بن اخطب وتزوجھا (وفیات الاعیان ص ۲۶۹ ج ۳) کہ اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتداء (پیروی) ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صفیہ بنت حیی بن اخطب کو آزاد فرمایا اور ان سے نکاح کیا۔

حضرت شہر بانو علیہا السلام کو بھی حضرت علی علیہ السلام نے خرید کیا اور پھر حضرت امام حسین کے ساتھ ان کا نکاح کیا۔ چنانچہ علامہ زمخشری المتوفی ۵۳۸ھ اپنی کتاب "ربیع الابرار" میں لکھتے ہیں کہ حضرت عمر بن خطاب المتوفی ۲۳ھ کے دور خلافت میں جب مال غنیمت آیا تو اس مال غنیمت میں فارس کے بادشاہ یزدجرد خسرو پرویز کی تین بیٹیاں بھی گرفتار ہو کر آئیں جب قیدیوں کو فروخت کیا

گیا تو حضرت عمر فاروق نے ان کو بھی فروخت کرنے کو کہا لیکن حضرت علی نے کہا کہ ان کا تعلق جب شاہی خاندان سے ہے تو ان سے وہ معاملہ نہیں کیا جانا چاہیے جو دوسرے عام قیدیوں سے کیا جا رہا ہے۔ حضرت عمر نے فرمایا پھر کیا صورت ہونی چاہیے تو حضرت علی نے کہا کہ ان کی قیمت لگائی جائے جب قیمت لگائی گئی تو حضرت علی نے تمام قیمت ادا کر دی پھر حضرت علی نے ایک شہزادی کا نکاح محمد بن ابی بکر صدیق کے ساتھ کر دیا جن سے قاسم[1] الفقیہ پیدا ہوئے

---

[1] علامہ جار اللہ زمخشری کی روایت کے مطابق حضرت قاسم بن محمد، امام زین العابدین علیہ السلام کے خالہ زاد بھائی ہیں۔ آپ کی والدہ ماجدہ یزدجرد بادشاہ کی بیٹی تھیں جو کہ فارس کا بادشاہ تھا۔ حضرت قاسم بن محمد بلند رتبہ تابعین میں سے ہیں۔ اور مدینہ منورہ کے مشہور سات فقہاء میں سے ایک ہیں۔ آپ اپنے زمانہ کے امام اور یکتائے عصر ہیں۔ امام مالک فرماتے ہیں کہ قاسم بن محمد امت کے سات فقہاء میں سے ایک ہیں۔ یحییٰ بن سعد کہتے ہیں کہ ہم نے کوئی شخص قاسم بن محمد سے افضل نہیں دیکھا۔ محمد بن اسحاق کہتے ہیں کہ کسی نے قاسم بن محمد سے پوچھا کہ آپ زیادہ عالم ہیں یا سالم بن عبداللہ، فرمایا سالم بابرکت مرد ہیں۔ یہ نہیں کہا کہ سالم تمام سے بڑے عالم ہیں تاکہ مبالغہ نہ ہو جائے اور کسر نفسی کے لحاظ سے یہ بھی نہیں فرمایا کہ میں ان سے بڑا عالم ہوں اور محمد بن شہاب زہری المتوفی ۱۲۵ھ آپ کے ہی شاگرد ہیں اور قاسم بن محمد کی وفات ۱۰۱ھ ہے۔

(شذرات الذہب صہ ۱۳۵ ج ۱، اکمال فی اسماء الرجال صہ ۶۱۲)

مفتی غلام رسول

(لندن)

اور دوسری شہزادی کا نکاح حضرت عبداللہ بن عمر المتوفی ۳ے ہ کے ساتھ کیا جن سے سالم بن[1] عبداللہ پیدا ہوئے۔ اور تیسری شہزادی حضرت شہربانو علیہا السلام کو امام حسین علیہ السلام کے ساتھ منسوب کیا جن کے بطن اطہر سے حضرت امام زین العابدین علیہ السلام پیدا ہوئے (وفیات الاعیان صـ۲۶۷) اب اس سے ظاہر ہے کہ امام زین العابدین علیہ السلام نے فرمایا کہ اس میں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع اور اقتداء ہے۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت صفیہ کو آزاد کر کے ان سے نکاح کیا تھا۔ حضرت صفیہ کا اصلی نام زینب تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا نام صفیہ رکھ دیا۔ یہ یہودیوں کے قبیلہ بنو نضیر کے سردار حیی بن اخطب کی بیٹی ہیں اور ان کی ماں کا نام ضرہ بنت سموئل ہے یہ خاندان بنی اسرائیل میں سے

---

[1] آپ کا نام سالم ہے والد کا نام عبداللہ بن عمر ہے۔ آپ بھی امام زین العابدین علیہ السلام کے خالہ زاد بھائی ہیں۔ آپ کی والدہ صاحبہ یزدجرد کی لڑکی تھیں جو فارس اور عجم کا آخری بادشاہ ہوا ہے۔ آپ مدینہ منورہ کے سات فقہاء سے ایک ہیں۔ آپ بہت بڑے محدث ہوئے ہیں اور تابعی ہیں۔

امام مالک فرماتے ہیں کہ صالحین میں ان جیسا کوئی نہیں گزرا۔ ایک مرتبہ سلیمان بن عبدالملک المتوفی ۹۹ھ حرم کعبہ میں آیا۔ اور وہاں حضرت سالم کو دیکھا ان سے کہا کہ مجھ سے اپنی کسی حاجت کا سوال کیجیے۔ آپ نے فرمایا کہ اللہ کے گھر میں میں تجھ سے سوال کروں مجھے میرا اللہ کافی ہے۔ آپ کی وفات مدینہ منورہ میں ۱۰۶ھ میں ہوئی۔ (شذرات الذہب صـ۱۳۳ ج ۱، اکمال فی اسماء الرجال صـ۵۹۹)

مفتی غلام رسول

(لندن)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بھائی حضرت ہارون علیہ السلام کی اولاد میں سے ہیں اور ان کا سابقہ شوہر کنانہ بن ابی الحقیق بھی بنو نضیر کا رئیس اعظم تھا۔ جو کہ جنگ خیبر میں قتل ہوگیا تھا۔ اور محرم ۷ھ میں جب خیبر کو مسلمانوں نے فتح کیا تھا اور تمام اسیران جنگ گرفتار کر کے جمع کیے گئے تو اس وقت حضرت دحیہ بن خلیفہ کلبی بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے۔ اور ایک لونڈی طلب کی۔ آپ نے ارشاد فرمایا تم اپنی پسند سے ان قیدیوں میں سے ایک لونڈی لے لو تو انہوں نے حضرت صفیہ کو لے لیا مگر ایک صحابی نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) حضرت صفیہ بنو قریظہ اور بنو نضیر کی شہزادی ہیں۔ ان کے خاندانی اعزاز کا تقاضا ہے کہ آپ ان کو اپنی ازواج مطہرات میں شامل فرمالیں۔ چنانچہ آپ نے ان کو دحیہ کلبی سے واپس لے لیا اور ان کے بدلے میں انہیں ایک دوسری لونڈی عطا فرمادی پھر حضرت صفیہ کو آزاد فرما کر ان سے نکاح فرمالیا اور جنگ خیبر سے واپسی میں تین دنوں تک منزل صہبا میں ان کو اپنی قرابت سے نوازا اور دعوت ولیمہ میں کھجور، گھی پنیر کا مالیدہ صحابہ کرام کو کھلایا۔ (بخاری ص۲۹۸ ج ۱ باب ہل یسافر بالجاریہ، مسلم ص۴۵۸ ج ۱ باب فضل اعتاق امتہ) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت صفیہ پر بہت ہی خصوصی توجہ اور انتہائی کریمانہ عنایت فرماتے تھے۔ حدیث پاک میں ہے کہ ایک دن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا کہ حضرت صفیہ رو رہی ہیں آپ نے رونے کا سبب پوچھا تو انہوں نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عائشہ المتوفاۃ ۵۷ھ، اور حضرت حفصہ المتوفاۃ ۴۵ھ نے یہ کہا ہے کہ ہم دونوں دربار رسالت میں تم سے بہت زیادہ عزت دار ہیں۔ کیونکہ ہمارا خاندان حضور سے ملتا ہے، یہ سن کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ صفیہ تم نے ان دونوں سے یہ کیوں نہ کہہ دیا کہ تم دونوں مجھ سے بہتر کیوں کر ہو سکتی ہو

حضرت ہارون علیہ السلام میرے باپ ہیں اور حضرت موسیٰ علیہ السلام میرے چچا ہیں اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم میرے شوہر ہیں۔ علامہ ابن سعد المتوفی ۲۳۰ھ کے قول کے مطابق آپ کی وفات ۵۲ھ میں ہوئی اور مدینہ منورہ کے مشہور قبرستان جنت البقیع میں دفن ہوئیں۔ غرضیکہ سائل نے جو سوال کیا ہے کہ حضرت امام حسین علیہ السلام نے غیر کفو میں نکاح کیا تھا، یہ تو بقول امام زین العابدین علیہ السلام حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع ہوئی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ایک شہزادی کے ساتھ نکاح کیا تھا جو کہ مال غنیمت میں آئی تھیں اور امام حسین علیہ السلام نے بھی ایک شہزادی کے ساتھ نکاح کیا جو کہ مال غنیمت میں آئی تھیں اور زیر بحث مسئلہ میں یہ صورت متحقق نہیں ہو سکتی کیونکہ اب جو سید مرد غیر کفو میں جن جن عورتوں کے ساتھ نکاح کرتے ہیں نہ وہ کنیزیں ہوتی ہیں اور نہ وہ شہزادیاں لہٰذا اس مسئلہ کو حضرت شہر بانو کے نکاح پر قیاس کرنا غیر مناسب ہے رہا یہ سوال کہ بے شمار سید لوگ غیر کفو میں غیر سیدہ عورتوں سے نکاح کرتے ہیں تو اس کا جواب ظاہر ہے کہ ہم جواز کے منکر نہیں ہیں بلکہ ہم نے تو کہا ہے کہ قاضی ابو یوسف اور امام محمد کے قول کے مطابق سید مرد کو غیر کفو میں نکاح کرنا مناسب نہیں ہے۔ کیونکہ اگر کسی سید مرد نے غیر کفو میں نکاح کیا تو اس زمانہ میں یہ سید مرد سادات کی برادری پر باعث عار ہوگا کیونکہ اس کے غیر کفو میں نکاح کرنے سے اس غیر سیدہ عورت کی برادری اس سید کی توہین کرے گی اور پھر اس توہین کا تعدیہ (زیادتی) اہل بیت کی طرف ہو گی جس سے توہین سادات و اہل بیت لازم آئے گی جو کہ ممنوع ہے۔

سوال:۔

آپ بار بار کہتے ہیں کہ توہین ہو گی۔ اگر توہین ہوتی ہے تو یہ عرف

(رسم و رواج) میں ہوتی ہے۔ شرع میں نہیں ہوتی اگر کسی سیّد زادی نے بھی غیر کفو میں غیر سیّد کے ساتھ نکاح کر لیا تو یہ بھی توہین عرف میں ہے شرع میں نہیں ہے لہٰذا دونوں صورتوں میں اگر غیر کفو میں نکاح ہو جائے تو کیا حرج ہے حرج تو اس وقت تھا جبکہ شریعت میں توہین ہوتی جب شریعت میں توہین نہیں ہے تو عرف اور رواج کی کیا حیثیت ہے۔

جواب:۔

ہم حسب و نسب جلد اول میں لکھ چکے ہیں کہ سادات اور اہل بیت کی توہین اگر عرف میں ہوئی تو اس کو شرع میں بھی توہین تصور کیا جائے گا کیونکہ سادات اور اہلِ بیت کی توہین کے بارے میں عرف اور شرع میں علیحدگی نہیں ہے اگر عرف میں توہین ہے تو شرع میں بھی توہین ہے جیسے کہ شعائر اسلامیہ کے بارے میں حکم ہے کہ اگر ان کی عرف میں توہین ہوئی تو شرع میں بھی توہین تصور ہوگی کیونکہ اہلِ بیت کی عزت و توقیر کا مسئلہ کوئی نظریاتی نہیں ہے بلکہ یہ تو فقہی، کلامی اور عقیدے کا مسئلہ ہے تو پھر اگر سادات کی توہین رواج پذیر ہونے لگے گی تو شریعت اس کو ختم کرے گی کیونکہ شریعت مفاسد کا قلع قمع کرتی ہے نہ کہ شریعت بُرائی کو دیکھ کر اس کو پھلنے اور پھولنے کا موقع دیتی ہے (عہد و حیات صہ ۶۲)۔ بہر حال شریعت جہاں برائی دیکھتی ہے صرف برائی کو منع نہیں کرتی بلکہ اس بُرائی کی طرف جتنے راستے آتے ہیں ان کو بند کر دیتی ہے۔ توہین اہلِ بیت صرف عرف اور شرع میں منع نہیں ہے بلکہ توہین کی طرف جتنے راستے آتے ہیں شریعت تمام کا انسداد کرتی ہے کیونکہ اہلِ بیت کی عزت و توقیر نصوص شرعیہ سے ثابت ہے۔ چنانچہ علامہ یوسف نبہانی المتوفی ۱۳۵۰ھ لکھتے ہیں کہ امام زین العابدین علیہ السلام کو جب قیدی بنا کر دمشق کی

طرف لے جایا جا رہا تھا تو راستے میں ایک شخص نے امام زین العابدین اور اہلِ بیت رسول کو دیکھ کر توہین آمیز کلمات استعمال کیے تو امام زین العابدین علیہ السلام نے فرمایا کیا تم نے قرآن نہیں پڑھا۔ قرآن پاک میں ہے قل لا اسئلکم علیہ اجرا الا المودۃ فی القربی۔ تم فرماؤ کہ میں تم سے اس تبلیغ نبوت پر کوئی اجرت نہیں مانگتا مگر میرے رشتہ داروں سے محبت رکھو۔

حدیث پاک میں ہے کہ جب آیت "قل لا اسئلکم" نازل ہوئی تو صحابہ نے عرض کیا یارسول اللہ" آپ کے رشتہ دار وہ کون ہیں جن کی محبت ہم پر فرض ہوئی ہے۔ فرمایا علی، فاطمہ، اور ان کی اولاد۔ (تفسیر مظہری صفحہ ۳۱۸ ج ۸۔ زرقانی شرح مواہب صفحہ ۲ ج ۷، در منثور صفحہ ۷ ج ۶، صواعق محرقہ صفحہ ۱۶۸، الشرف المؤبد صفحہ ۷۱) صاحب کشف لکھتے ہیں کہ جب اہل بیت کی محبت فرض ہے تو ان کی عزت اور توقیر بھی فرض ہے۔

سوال:۔

تبلیغ نبوت فرض ہے اور فرض کی ادائیگی پر اجرت کا مطالبہ کیا معنے رکھتا ہے۔ نیز اجرت کا مطالبہ شان نبوت کے خلاف ہے۔

جواب:۔

اہلِ بیت کی محبت کا مطالبہ یہ درحقیقت اجرت نہیں ہے بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس امر کو مجازاً اجرت کہہ دیا گیا ہے کیونکہ وجوب اور فرض کی ادائیگی پر اجرت نہیں ہوتی۔ چنانچہ مسلمانوں کے درمیان محبت واجب ہے جب مسلمانوں کے درمیان باہمی دوستی اور محبت واجب ہے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اہلِ بیت کی محبت بطریق اولی واجب اور فرض ہے اور واجب

فرض کی ادائیگی پر اجرت نہیں ہوتی گویا کہ یہاں اُجرت کا لفظ مجازاً بولا گیا ہے
اور اکثر مفسرین نے یہ جواب دیا ہے کہ اس آیت میں مستثنیٰ[1] منقطع ہے اور
اُجرت حقیقی معنے میں مستعمل ہے ۔ معنے آیت کا یہ ہے قل لا اسئلکم
علیہ اجرا قط ولکن اذکرکم المودۃ فی القربیٰ واذکرکم
قرابتی منکم (تفسیر مظہری صد ۳۲) یعنی اجراً پر کلام مکمل ہو گئی۔ اس کے بعد
فرمایا الا المودۃ فی القربیٰ۔ لیکن میں تم کو حکم دیتا ہوں کہ میرے رشتہ داروں
سے محبت رکھو۔ اب دونوں جوابوں کا خلاصہ یہ ہے کہ آیت مودت
(قل لا اسئلکم) میں اگر اجر کا معنے مجازی مراد ہو تو مستثنیٰ متصل ہے
اگر اجر (اجرت) کا معنے حقیقی مراد ہو تو مستثنیٰ منقطع ہے۔ اگر لفظ اپنے اصلی

---

[1] مستثنیٰ وہ اسم ہے جس کو الا یا اس جیسے لفظ کے ساتھ ماقبل حکم سے خارج کریں جیسے
کہ جاء فی القوم الا زیداً میرے پاس قوم آئی مگر زید نہیں آیا۔ اس میں زید مستثنیٰ
ہے جو قوم میں داخل تھا مگر الا کے ساتھ اس سے الگ ہوا اور اس کا حکم جو قوم پر جاری تھا
اس سے مستثنیٰ ہو گیا۔ پس قوم مستثنیٰ منہ ہے یعنی وہ جس سے کوئی چیز الگ کی گئی ہو مستثنیٰ
کی دو قسمیں ہیں۔ ایک متصل جو مستثنیٰ منہ کی جنس سے ہو جیسے کہ اوپر کی مثال میں زید
قوم کی جنس سے تھا دوم منقطع جو مستثنیٰ منہ کی جنس سے نہ ہو جیسے جاء فی القوم
الا اسداً میرے پاس قوم آئی مگر شیر نہیں آیا۔ اس میں اسداً مستثنیٰ ہے قوم کی جنس
سے نہیں ہے گویا کہ قوم پر کلام مکمل ہو گئی۔ اب اس کے بعد کہا گیا الا اسداً اب اسداً کا
قوم کے آنے سے کسی قسم کا تعلق نہیں ہے۔ اسی طرح آیت مودت میں اجراً پر کلام مکمل ہو گئی
اس کے بعد فرمایا الا المودۃ فی القربیٰ کہ میرے رشتہ داروں سے محبت رکھو لیکن اسکا ماقبل کلام اجرت
وغیرہ سے تعلق نہیں ہے بلکہ یہ ایک علیحدہ کلام ہے جس میں مودت کا حکم فرمایا گیا ہے ۱۲۔
مفتی غلام رسول (لندن)

معنے اپر دلالت کرے تو حقیقت ہے اگر اصلی معنے پر دلالت نہ کرے بلکہ مناسب معنے پر دلالت کرے تو مجاز ہے جیسے کہ گلاب کا پھول اس کا اصلی معنے گلاب کی خوبصورت خوشبودار نہایت تروتازہ پتیاں ہیں اور اس کا مجازی معنٰے انسان کا خوبصورت اور تروتازہ چہرہ ہے۔ اب انسان کا چہرہ گلاب نہیں ہے لیکن اس کو مجاز کے اعتبار سے گلاب کے قائم مقام کر دیا گیا ہے اسی طرح آیت مؤدت میں اہل قرابت کی مؤدت کا جو مطالبہ کیا گیا ہے وہ مجاز کے اعتبار سے اجر (اجرت) کے قائم مقام کر دیا گیا ہے۔ حالانکہ وہ اجر نہیں ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے رشتہ داروں کی محبت فرض ہے اور فرض کا مطالبہ یا اس کی ادائگی کسی صورت میں بھی اجرت نہیں ہوتی۔ رہی یہ بات کہ اس کو اجرت کے قائم مقام کیوں کیا گیا ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ اجرت کی ادائگی عقلاً، شرعاً، عادتاً لازم اور ضروری ہے۔ لہٰذا اس آیت میں لفظ اجر استعمال کرکے اس بات کی طرف اشارہ دیا گیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تبلیغ کے اُمت پر بے شمار احسانات اور حقوق ہیں جن میں اہلِ قرابت کے حقوق اور ان کی محبت و مودت بھی ہے اور اہل قرابت کی مؤدت و محبت اور ان کے حقوق کی ادائگی یوں ہی لازم ہے جیسے کہ اُجرت کی ادائگی لازم ہوتی ہے۔ چنانچہ اُجرت کی ادائگی کے بغیر کوئی چارہ کار نہیں ہے اسی طرح اہلِ بیت کی مؤدت کے بغیر راہِ نجات نہیں ہے۔ بایں مناسبت اس آیت میں لفظ مؤدت استعمال کیا جس کا معنٰی ہے "دیرپا پائیدار محبت" یعنی وہ محبت جو ختم نہ ہو۔ اگر محبت ختم ہو جائے تو وہ محبت تو کہلا سکتی ہے لیکن اس کو مودت ہر گز نہ کہا جائے گا۔ اہلِ قرابت سے مودت رکھنا لازم ہے چونکہ اس آیت میں مؤدت اور محبت کا ذکر تھا اور مقام محبت میں زیادہ

موزوں مجاز ہوتا ہے لہٰذا اہلِ قرابت کی محبت کا مطالبہ بطورِ مجاز اجر کے قائم مقام ہوا۔ اگر آیت میں اجر (اُجرت) کا معنی حقیقی ہو تو پھر لفظ "اجراً" پر پہلی بات مکمل ہو چکی کہ میں تم سے "تبلیغ نبوت" پر کسی قسم کی اُجرت کا مطالبہ نہیں کرتا اور نہ ہی یہ بات شانِ نبوت کو زیبا اور لائق ہے لیکن اس بات کی میں تم کو نصیحت کرتا ہوں کہ میری اہلِ قرابت (اہلِ بیت) سے مؤدت اور محبت رکھو۔

الغرض جب اہلِ بیت کی مودت (دوستی) واجب ہوئی تو ان کی تعظیم بھی واجب ہوئی چنانچہ نماز کے اندر اور نماز کے باہر بھی آلِ رسول پر درود پڑھا جاتا ہے جو کہ ان کی عظمت پر دلالت کرتا ہے۔ امام شافعی فرماتے ہیں جو شخص نماز میں اہلِ بیت پر درود نہیں پڑھتا اس کی نماز نہیں ہوتی اور درود پاک کا پڑھنا نصِ شرعی سے ثابت ہے تو اہلِ بیت کی تعظیم بھی نصِ شرعی سے ثابت ہوئی۔

ایک مرتبہ عمر فاروق کے پاس دو دیہاتی جھگڑتے ہوئے آئے آپ نے حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ سے فرمایا کہ ان دونوں کے درمیان فیصلہ کر دیں حضرت علی نے فیصلہ کر دیا تو ان میں سے ایک نے کہا یہ کیا فیصلہ کرے گا ہمارے درمیان تو یہ سن کر حضرت عمر نے اس آدمی کا گریبان پکڑ کر فرمایا۔ جانتا ہے یہ کون ہیں؟ ھذا مولای ومولی کل مؤمن۔ یہ تیرے اور ہر مومن کے مولی ہیں۔ اور جس کے یہ مولی نہیں ہیں وہ مومن نہیں ہے (الصواعق المحرقہ ص۱۷۷) حضرت عبداللہ بن عباس المتوفی ۶۸ھ فرماتے ہیں کہ حضرت عمر کے عہدِ خلافت میں جب شہر مدائن فتح ہوا تو حضرت عمر مسجد نبوی میں مالِ غنیمت تقسیم کرنے لگے تو سب سے پہلے امام حسن علیہ السلام تشریف لائے تو ان کو ایک ہزار درہم نذر کیے۔ ان کے جانے کے بعد امام حسین علیہ السلام تشریف لائے ان کو

بھی ایک ہزار درہم دیے سان کے جانے کے بعد عبداللہ بن عمر آئے۔ حضرت عمر نے اپنے لڑکے عبداللہ کو پانچ سو درہم دیے۔ عبداللہ بن عمر نے کہا کہ حسنین کو ہزار ہزار درہم دیے گئے ہیں مجھے پانچ سو درہم دیے حالانکہ میں امیر المومنین کا بیٹا ہوں۔ حضرت عمر نے یہ سن کر اپنے بیٹے کو کہا "بیٹے" پہلے وہ مقام اور فضیلت تو حاصل کر لو جو حسنین کریمین کو ہے پھر ہزار درہم کا مطالبہ کرنا۔ ان کے باپ علی المرتضیٰ، ماں فاطمۃ الزہرا، نانا رسولِ خدا، نانی خدیجہ الکبریٰ چچا جعفر طیار، پھوپھی ام ہانی، ماموں ابراہیم بن رسول اللہ، خالہ رقیہ اُم کلثوم، زینب ہیں۔ حضرت عمر کی یہ بات سن کر عبداللہ بن عمر المتوفی ۷۳ھ خاموش ہو گئے (ریاض النضرہ صہ۲۸ ج ۲)۔

روایات میں آتا ہے کہ حضرت ابوہریرہ المتوفی ۵۹ھ نے ایک مرتبہ امام حسین علیہ السلام کے دونوں پاؤں مبارک پکڑے اور اپنے کپڑوں سے حسین کے قدموں سے خاک جھاڑنی شروع کر دی۔ امام حسین علیہ السلام نے فرمایا۔ اے ابوہریرہ کیا کرتے ہو۔ ابوہریرہ نے عرض کیا حضور مجھے معاف رکھیے۔ اللہ کی قسم جتنے آپ کے مراتب اور فضائل میں جانتا ہوں اگر لوگوں کو معلوم ہو جائے تو آپ کو ہر وقت کندھوں پر اٹھاتے پھریں (اظہار السعادت)

حضرت عمر بن خطاب سے مروی ہے کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کندھے پر امام حسین سوار تھے۔ حضرت عمر فرماتے ہیں کہ میں نے امام حسین علیہ السلام کو کہا کہ تمہاری سواری کتنی اچھی ہے۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سن کر فرمایا "عمر" سوار بھی تو بہت اچھا ہے (کشف المحجوب صہ۱۴۵) مباہلہ کا واقعہ بھی عظمت اہلِ بیت پر دلالت کرتا ہے جس کی تفصیل یہ ہے کہ نجران کے علاقہ کے نصاریٰ کا ایک وفد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوا اس

وفد میں ساٹھ سوار تھے، چوبیس ان کے شرفاء اور معززین تھے اور تین مذہبی رہنما تھے، جن میں ایک عبدالمسیح (عاقب) بھی تھا۔ ان لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت سے سوالات کیے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جوابات دیے یہاں تک کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے معاملہ پر گفتگو چھڑ گئی۔ ان لوگوں نے یہ ماننے سے انکار کر دیا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کنواری مریم کے شکم سے بغیر باپ کے پیدا ہوئے۔ اس موقعہ پر یہ آیت نازل ہوئی جس کو آیت مباہلہ کہتے ہیں۔ "فمن حاجک فیہ من بعد ما جاءک من العلم فقل تعالوا ندع ابناءنا وابناءکم ونساءنا ونساءکم وانفسنا وانفسکم ثم نبتہل فنجعل لعنۃ اللہ علی الکاذبین" پھر (اے محبوب) جو تم سے (حضرت عیسیٰ علیہ السلام) کے بارے میں جھگڑا کریں بعد اس کے کہ تمہیں علم آچکا تو ان سے فرما دو آؤ ہم بلائیں اپنے بیٹوں کو اور تمہارے بیٹوں کو اور اپنی عورتوں کو اور تمہاری عورتوں کو اور اپنی جانوں کو اور تمہاری جانوں کو، پھر ہم گڑگڑا کر دعا مانگیں اور جھوٹوں پر اللہ کی لعنت ڈالیں (سورہ آل عمران) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جب ان لوگوں کو مباہلہ کی دعوت دی تو ان نصرانیوں نے رات بھر کی مہلت مانگی صبح کو وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو انہوں نے دیکھا کہ حضور کی گود میں تو امام حسین ہیں اور ہاتھ مبارک میں حضرت حسن علیہ السلام کا ہاتھ ہے اور فاطمہ اور علی حضور کے پیچھے ہیں اور حضور ان سب کو فرما رہے ہیں کہ میں جب دعا کروں تو تم سب آمین کہنا۔ نجران کے بڑے پادری عبدالمسیح نے جب ان حضرات کو دیکھا تو کہنے لگا اے میری جماعت! میں ایسے چہرے دیکھ رہا ہوں اگر یہ لوگ اللہ کو پہاڑ ہٹانے کی دعا کریں تو اللہ تعالیٰ پہاڑ کو جگہ سے ہٹا دے

ان سے مباہلہ نہ کرنا ہلاک ہو جاؤ گے اور قیامت تک روئے زمین پر کوئی نصرانی نہیں رہے گا۔ پھر نصاریٰ نے حضور کی خدمت میں عرض کیا کہ ہم مباہلہ نہیں کریں گے اور جزیہ دینے کا اقرار کر کے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے صلح کر لی۔ صلح کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس ذات کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے۔ نجران والوں پر عذاب قریب آ ہی چکا تھا۔ اگر وہ مباہلہ کرتے تو بندروں اور سوروں کی صورت میں مسخ کر دیے جاتے اور جنگل آگ سے بھڑک اٹھتا۔ نجران اور وہاں کے رہنے والے پرند تک نیست و نابود ہو جاتے اور ایک سال کے عرصہ میں تمام نصاریٰ ہلاک ہو جاتے۔

آیت مباہلہ میں جیسے حضرت علی، فاطمہ، حسن، حسین کی عزت و عظمت ثابت ہوتی ہے اسی طرح یہ بھی ثابت ہوا کہ حسن، حسین حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بیٹے ہیں کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جن اپنے بیٹوں کو بلایا ہے وہ حسنین کریمین ہیں۔ نیز مسعد بن ابی وقاص القرشی المتوفی ۵۵ھ سے روایت ہے کہ جب یہ آیت مباہلہ نازل ہوئی کہ بلائیے اپنے بیٹے اور ان کے بیٹے (آخر آیت تک) تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے علی، فاطمہ، حسن اور حسین کو بلایا اور فرمایا۔ اللھم ھٰؤلاء اھل بیتی، یا اللہ یہ میرے اہل بیت ہیں۔ واقعہ مباہلہ جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حسنین کریمین کو بطور اپنے بیٹوں کے ساتھ لیا تھا درج ذیل کتب میں ہے۔

(تفسیر قرطبی صہ ۱۰۵ ج ۴ تفسیر خازن صہ ۳۰۲ ج ۱ تفسیر معالم التنزیل صہ ۳۰۲ ج ۱ تفسیر ابن جریر صہ ۲۱۳ ج ۱ تفسیر المیزان صہ ۲۵ ج ۳۔ تفسیر کشاف صہ ۲۶۹ ج ۳۔ تفسیر کبیر صہ ۴۹۹ ج ۲۔ اسباب النزول صہ ۷۵۔ لباب النقول للسیوطی صہ ۷۵۔ تفسیر ابن کثیر صہ ۳۷۱ ج ۱۔ تفسیر خزائن العرفان صہ ۸۲۔ تفسیر صاوی صہ ۱۵۰ ج ۱۔

مسلم شریف صہ ۲۷۸ ج ۲۔ سنن ترمذی صہ ۲۳۶ ج ۲۔ مشکوٰۃ المصابیح صہ ۳۹۲
مسند احمد بن حنبل صہ ۱۸۵ ج ۱۔ فتح الباری صہ ۵۳ ج ۸۔ مستدرک امام حاکم صہ ۵۹۴
ج ۲۔ معرفۃ علوم الحدیث صہ ۵۰۔ ریاض النضرہ صہ ۱۸۸ ج ۲۔ صواعق محرقہ صہ ۱۰۷
زاد المعاد ابن قیم المتوفی ۷۵۱ھ ج ۱۔ اشعۃ اللمعات صہ ۲۸۲ ج ۴۔ البدایۃ والنہایہ
صہ ۳۵ ج ۸۔ طبقات ابن سعد صہ ۳۰ ج ۱، اسد الغابہ صہ ۱۲ ج ۲۔ الاصابۃ فی تمیز الصحابہ
صہ ۵۰۲ ج ۲۔ الاتحاف بحب الاشراف للشبراوی صہ ۱۸۔ مدارج النبوت صہ ۲۳۴
سنن بیہقی صہ ۶۳ ج ۷۔ دلائل النبوت صہ ۲۹۷۔ ان کے علاوہ ابن تیمیہ المتوفی ۷۲۸ھ
نے منہاج السنۃ صہ ۲۴۴ ج ۴ میں اور نواب صدیق خاں بھوپالی المتوفی ۱۳۰۷ھ
نے تفسیر فتح البیان صہ ۴۰۵ میں لکھا ہے کہ حضرات حسنین کریمین حضور کے
بیٹے ہیں۔

سوال:۔

قرآن پاک میں ہے ماکان محمد ابا احد من رجالکم
ولکن رسول اللہ وخاتم النبیین، محمد تمہارے مردوں میں کسی کے
باپ نہیں، ہاں اللہ کے رسول ہیں اور سب نبیوں میں پچھلے اس آیت سے
تو صاف ظاہر ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کسی کے باپ نہیں اور نہ ہی حضور
صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی بیٹا ہے اور تم کہہ رہے ہو کہ امام حسن اور حسین حضور
صلی اللہ علیہ وسلم کے بیٹے ہیں۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم مردوں سے کسی کے
باپ نہیں ہیں تو حسن اور حسین آپ کے بیٹے کیسے ہوئے۔

جواب:۔

پہلے آیت مباہلہ کے حوالہ سے گزر چکا ہے کہ حسنین کریمین حضور صلی اللہ
علیہ وسلم کے بیٹے ہیں نیز حدیث میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

ابنی ھذا سید کہ حسن میرا بیٹا ہے اور یہ بھی فرمایا ھذان ابنای و ابنا ابنتی یہ دونوں (حسن اور حسین) میرے بیٹے ہیں اور میری بیٹی کے بیٹے ہیں (البدایہ والنہایہ صـ۳۶ ج ۸، مسند احمد بن حنبل صـ۲۲۱، مشکوٰۃ صـ۵۷) اس سے ظاہر ہے کہ امام حسن اور امام حسین دونوں حضور کے بیٹے ہیں اور حضور ان کے باپ ہیں، رہا یہ کہ آیت ختم نبوت میں نفی وارد ہوئی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم مردوں کے باپ نہیں ہیں تو اس سے مراد وہ مرد ہیں جو زمانہ نزول قرآن کے وقت صفت رجولیت کے ساتھ متصف تھے، حضور ان میں سے کسی کے باپ نہیں ہیں نہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم حسن اور حسین کے بھی باپ نہیں ہیں بلکہ حضور ان کے باپ ہیں اور یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فرزند ہیں۔ چنانچہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم دنیا سے تشریف لے گئے اس وقت امام حسن علیہ السلام کی عمر آٹھ سال تھی اور حضرت حسین کی عمر سات سال تھی یعنی اس وقت کی عمر میں حسنین کریمین صفت رجولیت (کامل امرد) سے متصف نہیں تھے، البتہ حضور کے فرزند اور بیٹے تھے۔ لہٰذا یہ آیت ما کان محمد ابا احد من رجالکم نہ تو آیت مباہلہ کے خلاف ہے اور نہ ہی ان احادیث کے خلاف ہے جن میں حسنین کریمین کا بیٹا ہونا ثابت ہے۔

تفسیر میزان میں ہے وکذا الحسن والحسین وھما ابنا رسول اللہ فان النبی قبض ان یبلغا حد الرجال۔ کہ حسن اور حسین دونوں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بیٹے ہیں، کیونکہ ان کے حد رجولیت تک پہنچنے سے پہلے حضور صلی اللہ علیہ وسلم دنیا سے تشریف لے جا چکے تھے (تفسیر میزان صـ۲۲۵ جز۱۷) اور تفسیر مظہری میں ہے ان ابناء الرسول صلی اللہ علیہ وسلم ماتوا صغاراً لم یبلغوا مبلغ الرجال واطلاق الابن علی الحسنین

علیہما السلام علی التجوز۔ کہ بے شک حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حقیقی بیٹے، قاسم، طیب، طاہر، ابراہیم حضور کے فرزند تو تھے) مگر وہ اس عمر کو نہ پہنچے کہ انہیں مرد کہا جائے کیونکہ انہوں نے بچپن میں وفات پائی اور حسنین کریمین علیہما السلام پر ابن (بیٹے ہونے) کا اطلاق بطور مجاز ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ حسن اور حسین حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بیٹے ہیں اور قرآن پاک نے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے باپ ہونے کی نفی کی ہے۔ یہ ان لوگوں سے کی ہے جو صفت رجولیت سے متصف تھے۔ آپ کے بیٹے قاسم، طیب، طاہر اور ابراہیم تو بچپن میں فوت ہو گئے وہ اس عمر کو نہیں پہنچے کہ ان کو مرد کہا جائے اور حسنین کریمین بھی حضور کے بیٹے اور فرزند تھے۔ ابھی یہ اس عمر کو نہیں پہنچے کہ ان کو مرد کہا جائے۔ کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم دنیا سے پہلے تشریف لے جا چکے تھے یا حسنین کریمین کا بیٹا ہونا مجازاً ہے اور آیت ختم نبوت میں حضور سے جو نفی باپ ہونے کی کی گئی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم مردوں سے کسی کے باپ حقیقتاً نہیں ہیں۔ اب آیات کا باہمی اور آیات واحادیث کا تعارض نہ ہوا۔ اہل بیت کی عزت وعظمت پر آیت تطہیر بھی دلالت کرتی ہے جو کہ یہ ہے۔ انما یرید اللہ لیذھب عنکم الرجس اہل البیت ویطھرکم تطھیرا۔ (ترجمہ) اللہ تعالیٰ تو یہی چاہتا ہے اے نبی کے گھر والو کہ تم سے ہر ناپاکی دور فرما دے اور تمہیں پاک کر کے خوب ستھرا کر دے۔ تفسیر مظہری ص ۳۴۲ میں ہے ابو سعید خدری المتوفی ۷۴ھ اور تابعین کی ایک جماعت جن میں سے مجاہد المتوفی ۱۰۲ھ اور قتادہ المتوفی ۱۱۷ھ وغیرہ صحابہ کہتے ہیں کہ اہل بیت سے مراد علی، فاطمہ، حسن اور حسین ہیں۔ چنانچہ حضرت عائشہ صدیقہ سے مروی ہے کہ ایک مرتبہ بوقت صبح حضور صلی اللہ علیہ وسلم

باہر نکلے آپ پر کالے بالوں کا مخطط (منقش) کمبل تھا جب واپس آئے تو حسن بن علی آگئے۔ آپ نے ان کو اس میں داخل کر لیا پھر حسین آئے ان کو بھی آپ نے داخل کر لیا۔ پھر فاطمہ آئیں ان کو بھی حضور نے داخل فرما لیا۔ پھر علی آئے ان کو بھی داخل فرما لیا پھر فرمایا۔ انما یرید اللہ لیذھب عنکم الرجس اھل البیت ویطھرکم تطھیرا۔ اے نبی کے گھر والو اللہ یہی چاہتا ہے تم سے ہر ناپسندیدگی دور رکھے اور تم کو خوب پاکیزہ وصاف ستھرا کر دے۔

حضرت ام سلمہ المتوفاۃ سنہ ۶۲ھ سے بھی اسی طرح کی روایت ہے لیکن اس میں کچھ اضافہ ہے کہ ام سلمہ نے کہا فرفعت الکساء لادخل معھم کہ میں کمبل کا ایک حصہ اٹھایا تا کہ میں بھی داخل ہو سکوں لیکن حضور نے میرے ہاتھ سے کمبل لے کر فرمایا۔ انک من ازواج النبی صلی اللہ علیہ وسلم علی خیر۔ کہ تم نبی کی بیویوں میں سے ہو اور خیر پر ہو۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ان حضرات کو داخل کرنا اور ساتھ یہ بھی فرمانا اللھم ھؤلاء اھل بیتی اس پر صراحۃً دلالت کرتا ہے کہ آیت تطہیر میں حضرت علی، حضرت فاطمہ، حسن، حسین داخل ہیں۔ آیت تطہیر کا یہ تفسیری مضمون درج ذیل کتب میں ہے۔

(تفسیر ابن جریر ص۱۳۲ جز۲۲۔ ابن کثیر ص۴۶۳ ج ۳۔ تفسیر قرطبی ص۲۲۶ ج ۶۔ تفسیر خازن ص۲۵۹ ج ۵۔ تفسیر در منثور ص۱۹۹ ج ۵۔ تفسیر روح المعانی ص۱۲۷ ج ۶۔ صحیح مسلم ص۲۸۴ ج ۲۔ سنن ترمذی ص۲۲۷ ج ۲۔ مستدرک ص۱۴۶ ج ۳۔ مشکوٰۃ ص۲۴۰۔ البدایہ والنہایہ ص۵۳ ج ۸۔ خصائص کبریٰ ص۲۶۴ ج ۲۔ الاصابہ فی تمیز الصحابہ ص۵۰۳۔ اسد الغابہ ص۱۲ ج ۳۔ الاستیعاب ص۳۷ ج ۳۔ شرف المؤبد ص۱۲۔ مدارج النبوۃ ص۲۶۴ ج ۲۔ الاتحاف للشبراوی ص۱۵۔ تفسیر میزان ص۳۳۶ جز۲۲۔

مشکل الآثار صہ ۳۳۵ ج ۱۔ مسند احمد بن حنبل صہ ۳۰۶۔ تہذیب التہذیب صہ ۲۹۷ ج ۲
ذخائر العقبیٰ صہ ۲۱۔ کنز العمال صہ ۱۰۳ ج ۷۔ تاریخ بغداد صہ ۱۲۶ ج ۹۔ مجمع الزوائد صہ ۱۶۷
ج ۹۔ اسباب النزول للواحدی صہ ۲۶۷۔ خصائص للنسائی صہ ۳۔ ریاض النضرہ
صہ ۱۸۸ ج ۲۔ مسند ابو داؤد طیالسی صہ ۲۷۴ ج ۸)۔

سوال :-

آپ کے کلام سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ آیتِ تطہیر (انما یرید اللہ لیذھب آخر تک) میں ازواج مطہرات (حضور کی بیویاں) شامل نہیں ہیں بلکہ اس سے مراد حضرات خمسہ ہیں۔ یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم، علی المرتضیٰ فاطمۃ الزہرا اور حسن اور حسین ہیں حالانکہ آیت تطہیر کا سیاق و سباق دلالت کرتا ہے کہ آیت تطہیر ازواج مطہرات کے بارے میں ہی نازل ہوئی ہے کیونکہ اس آیت تطہیر سے قبل بھی ازواج مطہرات کا ذکر ہے اور بعد میں بھی ازواج مطہرات کا ذکر ہے جس سے واضح ہے کہ آیت تطہیر سے بھی مراد ازواج مطہرات ہی ہیں۔

جواب :-

جمہور علماء اہلِ سنت نے یہ ہی کہا ہے کہ آیت تطہیر میں ازواج مطہرات بھی شامل ہیں اور آل عبا یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم، علی، فاطمہ، حسن اور حسین بھی شامل ہیں لیکن زیادہ مناسب بات یہ ہے کہ کہا جائے کہ ازواج مطہرات اہلِ بیت میں عرف عام اور محاورہ کے اعتبار سے شامل ہیں اور آل عبا، آیت تطہیر میں احادیث صحیحہ کی روشنی میں شامل ہیں جس کی توضیح یہ ہے کہ اہلِ بیت کا لفظ گھر والوں کے لیے بولا جاتا ہے اور اس کے مفہوم میں انسان کی بیوی اور اس بیوی سے جو بچے ہیں دونوں شامل ہوتے ہیں۔ بیوی کو اہل بیت سے

نکالا نہیں جاتا خود قرآن پاک میں ایک دوسرے مقام پر لفظ اہل بیت آیا ہے وہ بیوی کو شامل ہے۔ چنانچہ سورۂ ہود میں ہے کہ فرشتے جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بیٹے کی پیدائش کی بشارت دیتے ہیں تو ان کی اہلیہ حضرت سارہ علیہ السلام اسے سن کر تعجب کا اظہار کرتی ہیں کہ بھلا اس بڑھاپے میں ہمارے ہاں بچہ کیسے ہوگا۔ اس پر فرشتے کہتے ہیں۔ اتعجبین من امر اللہ رحمۃ اللہ وبرکاتہٗ علیکم اہل البیت کیا تم اللہ کے امر پر تعجب کرتی ہو، اس گھر والو تم پر اللہ کی رحمت ہے اور اس کی برکتیں ہیں۔ سورۂ قصص میں بھی ہے جب موسیٰ علیہ السلام ایک شیر خوار بچے کی حیثیت سے فرعون کے گھر پہنچتے ہیں اور فرعون کی بیوی کو کسی ایسی آنا کی تلاش ہوتی ہے جس کا دودھ بچہ پی لے تو حضرت موسیٰ کی بہن جاکر کہتی ہیں ھل ادلکم علی اھل بیت یکفلونہ لکم "کیا میں تمہیں ایسے گھر والوں کا پتہ دوں جو تمہارے لیے اس بچہ کی پرورش کا ذمہ لیں۔

اس سے ظاہر ہے کہ قرآن کے عرف اور اصطلاح میں اور عام محاورہ میں اہل بیت (گھر والوں) میں بیوی بھی شامل ہوتی ہے لیکن قرآن نے جب آیت تطہیر سے پہلے ازواج مطہرات کا ذکر کیا ہے تو وہاں ازواج مطہرات کے لیے لفظ اہل بیت کا ذکر نہیں کیا۔ البتہ ازواج مطہرات کے گھروں کا جن میں وہ رہائش پذیر تھیں لفظ بیوت کے عنوان سے ذکر کیا ہے اور نہ ہی آیت تطہیر کے بعد ازواج مطہرات کے لیے لفظ اہل بیت کا ذکر کیا ہے۔ غرضیکہ اس جملہ " انما یرید اللہ" سے پہلے پانچ آیات یعنی یا ایھا النبی قل لازواجک سے لے کر وقلن قولاً معروفاً" تک اور اس جملہ انما یرید اللہ کے بعد واذکرن ما یتلیٰ فی بیوتکن (آخر آیت تک)

میں بائیس جگہ مونث ضمیریں ذکر کر کے ازواج مطہرات کا ذکر کیا ہے۔ لفظ اہلِ بیت کا ذکر نہیں کیا بلکہ لفظ نساء النبی (نبی کی عورتیں) ذکر کیا ہے حالانکہ قرآن پاک میں سورۃ ھود میں حضرت سارہ کے لیے لفظ اہل بیت ہی ذکر کیا ہے اور اسی طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ماں کے لیے بھی قرآن نے لفظ اہلِ بیت ہی ذکر کیا ہے لیکن جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ازواج مطہرات کا قرآن نے مسلسل چھ آیات میں ذکر کیا ہے تو ان چھ آیات میں ان کے لیے لفظ اہلِ بیت ذکر نہیں کیا البتہ ان کا ذکر نساء النبی (نبی کی عورتیں) کے عنوان سے کیا جس کی وجہ ظاہر ہے کہ بیویوں کے لیے لفظ اہلِ بیت کا استعمال تو عرف عام اور محاورہ میں ہوتا ہی ہے لیکن داماد اور نواسوں پر اہلِ بیت کا استعمال عرف عام اور محاورہ میں نہیں ہوتا۔ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے خصوصیات کے مطابق حضرت علی علیہ السلام کی اولاد فاطمۃ الزہراء کے بطن اطہر سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد شمار ہے۔ جب حضور کے نسب کا جاری ہونا دوسرے لوگوں کے نسب کے جاری ہونے سے ممتاز اور جدا ہے یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نسب حضرت فاطمہ الزہرا کے بیٹوں سے جاری ہے اور دوسرے لوگوں کا نسب اپنی بیویوں کے بیٹوں سے جاری ہوتا ہے۔ اور یہ ظاہر ہے کہ بیٹے تو اہلِ بیت میں بنیادی طور پر شامل ہوتے ہیں اور بیٹوں کی ماں بھی اہلِ بیت میں شامل ہوتی ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نسب جو اولاد سے جاری ہونے والا تھا وہ حسنین کریمین سے تھا۔ لہٰذا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میرے بیٹے حسن اور حسین ہیں۔ نیز فرمایا کہ میری اہلِ بیت حضرت علی، حضرت فاطمہ الزہرا حسن اور حسین ہیں۔ اور قرآن پاک نے جب ازواج مطہرات کا ذکر کیا تو ظاہر ہے کہ ازواج مطہرات اہلِ بیت سے ہوں گی اور ان کی اولاد بھی لیکن حضور صلی اللہ

علیہ وسلم کے ازواج مطہرات سے بیٹے بچپن کی زندگی میں فوت ہو چکے تھے اور حضور کے بیٹے حسن اور حسین تھے۔ لہٰذا قرآن پاک نے آیت تطہیر کو سیاق وسباق سے کاٹ کر اور اس میں مذکر صیغے استعمال کر کے اس جملہ (انما یرید اللہ) کو بطور جملہ معترضہ ذکر کر کے اس بات کی وضاحت کر دی ہے کہ آیت تطہیر میں اہل بیت سے مراد حضرات خمسہ یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم، علی، فاطمہ، حسن، حسین ہیں اور ساتھ ہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تصریح بھی فرما دی کہ علی، فاطمہ، حسن، حسین ہی میرے اہل بیت ہیں جن سے اللہ تعالیٰ نے ہر ناپسندیدگی کو دور کر دیا ہے۔ چنانچہ صاحب معارف القرآن لکھتے ہیں لیکن حدیث کی متعدد روایات جن کو ابن کثیر نے اس جگہ نقل کیا ہے۔ اس پر شاہد ہیں کہ اہل بیت میں حضرت فاطمہ اور علی، اور حضرت حسن اور حسین بھی شامل ہیں جیسے کہ صحیح مسلم کی حدیث حضرت عائشہ کی روایت سے ہے کہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گھر سے باہر تشریف لے گئے اور اس وقت آپ ایک سیاہ رومی چادر اوڑھے تھے۔ (جب واپس آئے) تو حضرت حسن بن علی آ گئے تو ان کو اس چادر میں لے لیا۔ پھر حسین آ گئے ان کو بھی اس چادر میں لے لیا۔ اس کے بعد حضرت فاطمہ پھر حضرت علی آ گئے ان کو بھی چادر میں داخل فرما لیا پھر یہ آیت تلاوت فرمائی۔ انما یرید اللہ لیذھب عنکم الرجس اھل البیت ویطھرکم تطہیرًا۔ اور بعض روایات میں یہ بھی ہے کہ آیت پڑھنے کے بعد فرمایا اللھم ھؤلاء اھل بیتی (رواہ ابن جریر)۔ نیز لکھتے ہیں کہ ابن کثیر نے اس مضمون کی متعدد احادیث معتبرہ نقل کی ہیں (معارف القرآن صفحہ ۱۴۰ ج ۷)۔

صاحب معارف القرآن کے کلام سے جیسے کہ یہ معلوم ہوا کہ آیت تطہیر

میں آل عبا و شامل ہیں۔ اسی طرح یہ بھی معلوم ہوا کہ اس مضمون کی جو احادیث ہیں وہ معتبر ہیں اور ابن تیمیہ بھی لکھتے ہیں کہ یہ حدیث جو حضرت عائشہؓ سے امام مسلم نے روایت کی ہے جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللھم ھولاء اھل بیتی صحیح اور معتبر ہے۔ بہر حال ازواج مطہرات عرف اور لغت کے اعتبار سے اہل بیت میں شامل ہیں۔ لیکن قرآن نے آیت تطہیر سے قبل اور بعد چھ آیات میں ازواج مطہرات کا ذکر کیا اس میں اہل بیت کا لفظ ذکر نہیں کیا البتہ آیت تطہیر میں اہل بیت کا ذکر کیا لیکن اس آیت کو سیاق و سباق سے کاٹ کر بطور جملہ معترضہ لاکر اس بات کی وضاحت کر دی کہ دوسرے لوگوں کے خلاف حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نسب اپنی بیٹی فاطمۃ الزہرا سے چلا ہے اور آپ کی اہل بیت آل عبا ہیں جن کو اللہ تعالےٰ نے ہر ناپسندیدہ چیز سے دور کر دیا ہے اور جملہ معترضہ بعض نکات اور اغراض کے لیے لایا جاتا ہے جیسے کہ قرآن میں ہے ویجعلون للہ البنات سبحانہ ولھم مایشتھون۔ اب یہاں (جملہ) سبحانہ کو دونوں جملوں سے کاٹ کر بطور معترضہ کے ذکر کیا ہے اور یہاں نکتہ یہ تھا کہ اللہ کی ذات اولاد سے پاک اور منزہ ہے گویا کہ اللہ تعالیٰ کی تنزیہ و تقدیس کی طرف اشارہ فرمانے کے لیے یہاں دو جملوں کے درمیان "سبحانہ" کو بطور جملہ معترضہ ذکر کر دیا ہے" (مختصر المعانی ص۲۹۲) اور آیت انما یرید اللہ لیذھب کو بھی سیاق و سباق سے کاٹ کر اور مذکر صیغے لاکر اس نکتہ کی طرف اشارہ کیا ہے کہ عام لوگوں کی طرح نہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد اور اہل بیت ہے اور نہ ہی عام لوگوں کی طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نسب ہے بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اہل بیت میں حضور کے داماد حضرت علی اور حضور کے نواسے (بیٹے) اور فاطمۃ الزہرا و شامل ہیں اور حضور کا نسب علی کی اولادِ حسنؓ

فاطمۃ الزہرا سے ہے یعنی حسن اور حسین سے جاری ہے۔ اگر عام لوگوں کی طرح ہوتا تو حضور کا نسب ازواجِ مطہرات کی اولاد سے ہوتا جب وہ نہیں ہے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نسب علی کی اولاد سے ہے جو فاطمۃ الزہرا سے ہے اسی وجہ سے حسن اور حسین کو ابو طالب کی اولاد نہیں کہا جاتا بلکہ رسول کی اولاد کہا جاتا ہے۔

جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ عام محاورہ میں اہل بیت (گھر والے) کا لفظ بیویوں کو بھی شامل ہے اور قرآن پاک کے منطوق اور مفہوم کے اعتبار سے بھی اہلِ بیت کا لفظ بیویوں کو شامل ہے جیسے سورۃ ہود اور سورۃ قصص کے حوالہ سے ذکر ہو چکا ہے لیکن جب آیت تطہیر سے قبل ازواجِ مطہرات کا ذکر کیا ہے تو قرآن نے ان کے لیے لفظ اہل بیت استعمال نہیں کیا بلکہ نساء النبی (نبی کی عورتیں) کے عنوان سے ذکر کیا ہے اور ان کے لیے صیغے مونث استعمال کیے ہیں اور آیت تطہیر میں اہلِ بیت کا لفظ ذکر کیا ہے اور اس کو سیاق وسباق سے کاٹ کر بطور جملہ معترضہ ذکر کر کے اس بات کی تصریح کی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اہلِ بیت آل عبا یعنی حضرت علی، فاطمۃ الزہرا، حسن اور حسین ہیں، دوسرے لوگوں کا نسب تو ان کی بیویوں کے بیٹوں سے چلتا ہے لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نسب اپنی بیٹی فاطمۃ الزہرا سے چلا ہے ہماری اس ریسرچ اور تحقیق کی تائید وہ حدیث کرتی ہے جس کو امام ترمذی المتوفی ۲۷۹ھ، امام حاکم المتوفی ۴۰۵ھ، ابن جریر طبری المتوفی ۳۱۰ھ، ابن منذر المتوفی

لے سوال:۔

آپ ابن جریر طبری کے مرویات اور اقوال ذکر کر رہے ہیں حالانکہ وہ تو شیعہ ہیں ان کے مرویات اور اقوال کیسے معتبر ہوئے۔ جواب طبری دو ہیں (بقیہ اگلے صفحہ پر)

۳۱۸ھ، ابن مردویہ المتوفی ۴۱۰ھ، اور بیہقی المتوفی ۴۵۸ھ نے حضرت ام سلمہ

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) ایک اہل سنت ہیں ان کا نام ابو جعفر محمد بن جریر بن یزید بن کثیر بن غالب طبری ہے اور دوسرے شیعہ ہیں ان کا نام ابو جعفر محمد بن جریر بن رستم طبری ہے اور جن کے مرویات اور اقوال ہم ذکر کر رہے ہیں وہ اہل سنت ہیں۔ ان کی پیدائش ۲۲۴ھ میں ہوئی ہے۔ آپ بہت بڑے عالم تھے، خطیب بغدادی المتوفی ۴۶۳ھ لکھتے ہیں کہ ابن جریر طبری علم و فضل میں یکتائے روزگار تھے۔ آپ کے معاصرین میں سے کوئی شخص بھی آپ کا ہمسر نہیں ہے۔ آپ قرآن پاک کے حافظ، مفسر، احکام قرآن کے ماہر، ناسخ اور منسوخ سے آگاہ، تاریخی اخبار اور واقعات کے عالم اور عظیم محدث تھے۔ ابن جریر پہلے شافعی مسلک تھے پھر اجتہاد کا دعویٰ کر دیا اور اپنے فقہی مسلک کی بنیاد رکھی لیکن یہ مسلک زیادہ دیر تک قائم نہ رہ سکا بلکہ ان کی زندگی میں ہی ختم ہو گیا۔ ابن خزیمہ المتوفی ۳۱۱ھ فرماتے ہیں کہ ابن جریر جیسا کوئی عالم نہیں ہوا۔ محدث بن خالویہ المتوفی ۳۷۰ھ نے بھی آپ کی بہت زیادہ تعریف کی ہے، ابن تیمیہ بھی لکھتے ہیں کہ محمد بن جریر بہت بڑے مفسر تھے (فتاویٰ ابن تیمیہ صہ ۱۹۲ ج ۲)

علامہ داؤدی المتوفی ۹۴۵ھ لکھتے ہیں کہ ابن جریر ناسخ و منسوخ، مشکل و غریب نحوی مسائل، قصص و اخبار و دیگر علوم کے زبردست عالم تھے (طبقات المفسرین صہ ۲۳) یاقوت حموی المتوفی ۶۲۶ھ بھی لکھتے ہیں کہ ابن جریر طبری بہت بڑے عالم اور قرآن کے عظیم مفسر تھے، حافظ ابن کثیر المتوفی ۷۷۴ھ لکھتے ہیں کہ ابن جریر اکابر علما میں سے ہیں۔ آپ کے قول پر حکم دیا جاتا ہے اور آپ کے فضل و معرفت کی طرف لوگ رجوع کرتے ہیں، آپ کتاب اللہ کے حافظ اور تمام قراتوں کے واقف اور معانی کو جانتے تھے۔ آپ فقیہ فی الاحکام اور سنن و طرائق صحیح و سقیم اور ناسخ و (بقیہ اگلے صفحہ پر)

سے روایت کیا ہے کہ فی بیتی نزلت کہ آیت تطہیر تو میرے گھر میں نازل ہوئی ہے

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) منسوخ کے عالم تھے، صحابہ کرام، تابعین اور ان کے بعد آنے والے کے اقوال کو پہچانتے تھے (البدایہ والنہایہ صـ۱۴۵ ج ۱۱) ابن خلکان المتوفی ۶۸۱ھ لکھتے ہیں۔ ابن جریر ائمۂ مجتہدین سے تھے۔ حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں کہ محمد بن جریر طبری جلیل القدر مفسر ہوئے ہیں۔ احمد بن علی سلیمانی نے آپ کے بارے میں بدکلامی کی ہے وہ یہ کہ آپ رافضیوں کے لیے حدیثیں وضع کرتے تھے۔ یہ ابن جریر پر تہمت ہے اور آپ کے متعلق ظن کا ذب ہے کیونکہ ابن جریر تو اکابرین ائمۃ اسلام سے ہیں۔ (لسان المیزان صـ۱۰۰ ج ۵) حافظ ذہبی المتوفی ۷۴۸ھ لکھتے ہیں کہ محمد بن جریر طبری جلیل القدر امام، مفسر، فقیہ اور سچے تھے یہ اکابرین اسلام سے تھے۔ ایک دوسرے محمد بن جریر بن رستم طبری ہیں جو کہ رافضی تھے (میزان الاعتدال صـ۳۵ ج ۳) اس سے ثابت ہوا کہ ابن جریر طبری دو ہیں۔ ایک رافضی تھے ان کا نام محمد بن جریر بن رستم ہے اور دوسرے اہل سنت وجماعت میں، ان کا نام محمد بن جریر بن یزید بن کثیر بن غالب ہے یہ بہت بڑے عالم اور مفسر تھے اور مفسرین کے چوتھے طبقے سے تعلق رکھتے تھے ان کی تفسیر ابن جریر نہایت عظیم اور مقبول ہے۔ علامہ سیوطی المتوفی ۹۱۱ھ فرماتے ہیں کہ ابن جریر جیسی کوئی تفسیر نہیں ہے۔ آپ نے متعدد کتابیں تصنیف کیں جن میں مشہور ترین درج ذیل ہیں۔

تاریخ الامم والملوک، کتاب القرآت، کتاب التنزیل، اختلاف العلماء، تاریخ الرجال، احکام شرائع الاسلام، التبصرہ فی اصول الدین وغیرہ اور ایک تیسرے طبری ہیں جن کا ذکر علامہ سیوطی نے طبقات المفسرین میں کیا ہے ان کا نام ابراہیم بن علی بن الحسین ابو اسحاق طبری ہے۔ یہ علم تفسیر اور علم فرائض میں بہت بڑی مہارت رکھتے تھے (بقیہ صفحہ آئندہ)

امام ترمذی اور حاکم دونوں نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ یہ آیت تطہیر آل عباء کے حق میں اتری ہے۔ بایں وجہ اس کو سیاق و سباق سے کاٹ کر بطور جملہ معترضہ ذکر کیا ہے اور آیت تطہیر کو لفظ انما سے شروع کیا ہے اور جمہور علماء کے نزدیک انمالہ حرف حصر ہے۔ چنانچہ محمد بن ابی محمد قزوینی شافعی المتوفی سنہ ۷۹۲ھ، ابو حامد السبکی المتوفی سنہ ۷۷۳ھ، محمد بن منظفر خلخالی المتوفی سنہ ۷۴۵ھ شمس الدین زوزنی المتوفی سنہ ۷۹۲ھ۔ محب الدین حلبی المتوفی سنہ ۷۷۶ھ۔ شمس الدین قونوی المتوفی سنہ ۷۸۸ھ۔ جلال الدین اثیری المتوفی سنہ ۷۹۳ھ۔ محقق عصام الدین اسفرائینی المتوفی سنہ ۹۴۵ھ اور علامہ تفتازانی المتوفی سنہ ۷۹۲ھ وغیرہ یہ تمام لکھتے ہیں

(بقیہ صفحہ سابقہ) اور مکہ مکرمہ کے قاضی تھے یہ ابو علی عبد الحسن بن محمد المتوفی سنہ ۵۱۵ھ سے روایت کرتے ہیں اور حافظ ابو عبد اللہ علی بن حسن ابن عساکر المتوفی سنہ ۵۶۳ھ ان کے شاگرد ہیں۔ ابراہیم طبری کی وفات سنہ ۵۲۲ھ میں ہوئی ہے۔ اور ایک چوتھے طبری ہیں جن کا نام احمد بن عبد اللہ ابو العباس طبری ہے۔ ان کا ذکر ہم نے حسب و نسب جلد اول میں کیا ہے ان کی وفات سنہ ۶۹۴ھ ہے۔ ۱۲

مفتی غلام رسول (لندن)

لہ اور جو لوگ آیت تطہیر میں کلمہ انما کو حصر کے لیے نہیں سمجھتے وہ کہتے ہیں کہ انما اہتمام کے لیے ہے کیونکہ کلمہ انما کبھی اہتمام کے لیے بھی آتا ہے۔ چنانچہ نحوی لوگ لکھتے ہیں وکلمة انما قد یکون للاهتمام لا للحصر (حاشیہ شرح جامی صہ ۳۰۱ حاشیہ ۶) کہ کلمہ انما کبھی اہتمام کے لیے ہوتا ہے حصر کے لیے نہیں ہوتا جس کا مطلب یہ ہے کہ اہلبیت کی طہارت کا ذکر چونکہ مہتم بالشان تھا لہٰذا کلمہ انما لا کر اس کی طرف اشارہ دیا ہے۔ ۱۲۔

مفتی غلام رسول (لندن)

کہ کلمہ اِنّمَا مفید حصر ہے اور حصر کا مطلب یہ ہے کہ جو چیز اِنّمَا کے بعد ذکر ہے اس کے لیے یہ فعل ثابت ہے اور جو چیز ذکر نہیں ہے اس کے لیے یہ ثابت نہیں ہے اور آیت تطہیر میں حصر کے اعتبار سے مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ارادہ اسی میں منحصر ہے کہ اہل بیت سے رجس (ہر ناپسندیدہ چیز) کو دور رکھے گا اور ان کو پاک کرے گا۔ جب اللہ تعالیٰ کسی چیز کا ارادہ کر لیتے ہیں تو ارادہ فرماتے ہی وہ چیز ہو جاتی ہے۔ اس کے ارادہ میں تبدیلی نہیں ہوتی جب

لہ البتہ فرقہ کیسانیہ جو کہ شیعہ کا ایک مشہور فرقہ ہے۔ یہ لوگ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا ارادہ تبدیل بھی ہو سکتا ہے یہ شیعہ کا فرقہ کیسان کی طرف منسوب ہے جو کہ حضرت علی کا غلام تھا اس فرقہ کے لوگوں نے کیسان کے بعد مختار بن عبید ثقفی کی اتباع کی اور مختار ثقفی شروع شروع میں خارجی تھا۔ پھر شیعان علی کے گروہ میں شامل ہو گیا۔ یہ کوفہ اس وقت وارد ہوا جب امام مسلم بن عقیل کوفہ میں تشریف لائے تھے۔ عبد اللہ بن زیاد نے اسے طلب کیا اور خوب مارا۔ پھر شہادت امام حسین علیہ السلام تک اسے قید رکھا۔ بعد ازاں اس کے بہنوئی عبد اللہ بن عمر نے سفارش کی تو اسے اس شرط پر رہا کیا کہ فوراً کوفہ سے نکل جائے چنانچہ وہ حجاز چلا گیا۔ اس کے متعلق منقول ہے کہ اس نے دوران سفر میں اعلان کیا وہ وقت جلد آنے والا ہے جب میں بدلا لوں گا اس شہید یعنی حسین بن علی کا جو مظلوم تھا۔ جسے از راہ ستم قتل کیا گیا جو مسلمانوں کا سردار تھا۔ سردار انبیاء کی دختر کا فرزند دل بند تھا میں جنہیں قتل کروں گا وہ تعداد میں ان لوگوں سے بہت زیادہ ہیں جتنے لوگ یحییٰ بن زکریا علیہما السلام کے قتل کے سلسلے میں قتل کیے گئے تھے۔ ابن کثیر لکھتے ہیں کہ پھر یہ ابن زبیر سے مل گیا اور ان کے ہاتھ پر بیعت بھی کر لی ان کے ساتھ (بقیہ اگلے صفحہ پر)

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) مل کر اہلِ شام سے جنگ آزما ہوا۔ پھر یزید کے مرنے کے بعد کوفہ واپس آگیا اور لوگوں سے مخاطب ہو کر کہا کہ وصی کے بیٹے (محمد بن حنفیہ) مہدی وقت نے مجھے تمہارے پاس بھیجا ہے میں اس کا وزیر ہوں اس نے مجھے حکم دیا ہے کہ اہلِ بیت رسول کے خونِ ناحق کا بدلہ لوں۔ چونکہ محمد بن حنفیہ کی لوگوں کے دلوں میں بہت منزلت تھی اور لوگوں کے قلوب ان کی محبت سے معمور تھے اس لیے کہ علامہ شہرستانی کے بقول علمی اعتبار سے ان کا پایہ بہت بلند تھا وہ وقت کے منزل شناس تھے۔ ساتھ ہی ساتھ دور رس عواقب تک ان کی نگاہ دور تک پہنچ جاتی تھی۔ ان کے والد امیر المومنین علی علیہ السلام نے انہیں بعد میں آنے والے واقعات وحوادثات سے باخبر کیا تھا لیکن محمد بن حنفیہ نے لوگوں کے سامنے مختار سے اپنی کامل برأت کا اظہار کیا۔ کیونکہ وہ اس کے اکاذیب اور جھوٹوں سے واقف تھے اور اس کی خباثتِ نفس ان کے علم میں آگئی تھی لیکن مختار کی دعوت تیزی سے بڑھ رہی تھی۔ اس کے متبعین کا حلقہ وسیع تر ہوتا جا رہا تھا اسے اپنی تحریک کی تقویت کے لیے کسی ایسی شخصیت کی ضرورت تھی جو آلِ علی سے ہو۔ اس نے محمد بن حنفیہ کی طرف توجہ کی لیکن محمد بن حنفیہ نے عوام کی موجودگی اور امت کے بڑے گروہ کے سامنے مختار سے اپنی برأت کا اعلان کر دیا تھا لیکن اس برأت کے باوجود بھی بعض شیعوں نے مختار کا اتباع کیا اور مختار نے علویوں کے دشمنوں کے ساتھ جنگ شروع کر دی۔ اور ان میں سے بہتوں کو قتل کیا جس کے بارے میں بھی معلوم ہوا کہ یہ قاتلینِ حسین میں شامل تھا اسے ڈھونڈ ڈھونڈ کر اور چن چن کر بے رحمی سے قتل کیا اس سے نتیجہ یہ نکلا کہ شیعہ (بقیہ اگلے صفحہ پر)

اسی وجہ سے حضرات خمسہ (نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت علی، فاطمۃ الزہرا، حسن اور حسین کو پانچ تن پاک کہا جاتا ہے۔ بہر صورت آیت مباہلہ اور آیت تطہیر اہل بیت کی عزت و توقیر پر دلالت کرتی ہیں، نیز یہ دونوں آیات حضرت امام حسن اور امام حسین کے رسول اللہ کے صحابی ہونے کا بھی ثبوت مہیا کرتی ہیں جیسے کہ پہلے گزر چکا ہے کہ جب آیت تطہیر نازل ہوئی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم

(بقیہ صفحہ سابقہ) اس سے بہت خوش ہوئے اور اس کے گرد جمع ہونے لگے اور اس کی حمایت کرنے لگے اور اس کے ساتھ مل کر شورش بپا کرنے لگے۔ واقدی لکھتے ہیں کہ مختار ہمیشہ عبداللہ بن زبیر کے ساتھ دوستی کا دم بھرتا رہا لیکن جب مصعب بن زبیر بصرہ میں آگئے تو اس نے مصعب کی مخالفت شروع کر دی اور بیس ہزار لشکر کے ساتھ مصعب پر حملہ کر دیا۔ بالآخر اس نے مصعب بن زبیر سے جنگ میں شکست کھائی اور رمضان مورخہ ۱۴ ۶۷ھ میں قتل ہوا۔ (البدایہ والنہایہ صفحہ ۲۹۲ ج ۸ ۔ شذرات الذہب صفحہ ۷۴ ج ۱)۔

علامہ شہرستانی المتوفی ۵۴۸ھ کہتے ہیں کہ مختار "بداء" کا عقیدہ رکھتا تھا اور یہ کہتا تھا کہ خدا ایسے بزرگ و برتر اپنے تغیر کے ماتحت اپنے فیصلوں کو متغیر کر سکتا ہے کبھی وہ کسی بات کا حکم دیتا ہے پھر جب اس کی مرضی ہوتی ہے یہ حکم واپس لے لیتا ہے اور اس کے خلاف حکم دے ڈالتا ہے اور اپنا ارادہ بدل دیتا ہے لیکن اہل سنت وجماعت کا عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جب کسی کام کا ارادہ فرماتے ہیں تو وہ اسی وقت ہو جاتا ہے۔ جب اللہ تعالیٰ نے اہل بیت کی تطہیر کا ارادہ فرمایا ہے تو ازل سے ہی اہل بیت پاک اور طاہر ہو گئے۔

مفتی غلام رسول (لندن)

نے اپنی ردائے مبارک میں اہلِ بیت کو جمع فرمایا جس میں حضرت حسن اور حسین بھی شامل تھے اور حضور نے دعا فرمائی اللّٰھم ھولاء اھل بیتی فاذھب عنھم الرجس۔ اے اللہ یہ میرے اہلِ بیت ہیں ان سے سر ناپسندیدگی کو دور فرما۔ اسی طرح جب آیت مباہلہ نازل ہوئی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اہلِ بیت کو لے کر مباہلہ کے لیے نکلے تو امام حسن اور حسین دونوں ساتھ تھے اور فرمایا اللّٰھم ھولاء اھل بیتی جیسے کہ امام مسلم نے روایت کی ہے تو اب نبی کے ساتھ رہنا بلکہ نبی کی چادر میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم مبارک سے قریب تر ہو کر رہنا ہی تو شرف صحابیت ہے۔ بہر حال حضرت امام حسن اور امام حسین آیت تطہیر میں اہلِ بیت کا مصداق ہیں تو ظاہر ہے کہ نص قرآنی کے عموم سے ان کی صحابیت ثابت ہوئی اور روایت مباہلہ میں بیٹے ہونے کا مصداق جن کو مباہلہ میں لانے کا حکم دیا گیا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کو ساتھ لائے تھے جس سے وہ آیت مباہلہ کے عموم میں داخل ہو کر بھی صحابی ثابت ہوئے۔ اس سے ظاہر ہوا کہ امام حسن اور امام حسین کے صحابی ہونے پر قرآن وحدیث شاہد ہیں گویا کہ مصداق قرآنی اور مدلول حدیث سے ان کی صحابیت ثابت ہوئی۔ (شہید کربلا اور یزید)

سوال :-

تم نے کہا ہے کہ امام حسن اور امام حسین صحابی تھے۔ یہ درست نہیں کیونکہ حافظ ابن کثیر نے البدایہ والنہایہ میں لکھا ہے کہ امام حسن تابعی تھے اور احمد بن حنبل کا بھی یہی مذہب ہے کہ امام حسن تابعی تھے۔ چنانچہ صالح بن احمد اپنے والد امام احمد سے روایت کرتے ہیں انہ قال فی الحسن بن علی انہ تابعی ثقۃ کہ انہوں نے حسن بن علی کے بارے میں فرمایا کہ وہ تابعی ثقہ تھے۔

جب امام حسن تابعی ہوئے جو کہ عمر میں بڑے تھے تو امام حسین بھی تابعی ہوئے کیونکہ یہ تو چھوٹے تھے۔ ثابت ہوا کہ حسنین کریمین صحابی نہیں تھے بلکہ تابعی تھے

جواب :-

سائل نے یہ سمجھا ہے کہ کم عمر والا صحابی نہیں ہوسکتا۔ یہ سائل کی غلطی ہے اور کم فہمی ہے۔ کیونکہ صحابی وہ ہے جس کو ایمان کے ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ملاقات و شرف صحبت حاصل ہو خواہ کسی عمر میں ہو۔ چنانچہ حافظ ابن حجر عسقلانی المتوفی ۸۵۲ھ لکھتے ہیں۔ ومنهم من اشترط فی ذالك ان یكون حین اجتماعه بالغا وهو مردود (فتح الباری ص ۳ ج ۷) ان میں سے بعض نے جو شرط لگائی ہے کہ آدمی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جمع ہونے کے وقت بالغ ہو (تب صحابی ہوگا) اور یہ قول مردود ہے۔ یعنی صحابی ہونے کے لئے یہ ضروری نہیں ہے کہ وہ بالغ ہی ہو بلکہ چھوٹی عمر کا بھی صحابی ہوسکتا ہے۔ صحابی کے لئے ضروری ہے کہ وہ ایمان کے ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت کا شرف پائے۔ خواہ بالغ ہونے سے پہلے یا بعد پائے۔ حافظ ابن حجر نے حضرت امام حسن علیہ السلام کا نام لے کر تصریح کی ہے کہ امام حسن صحابی ہیں۔ فرماتے ہیں کہ بعض علماء نے جو یہ شرط لگائی ہے کہ آدمی حضور کے ساتھ جمع ہونے کے وقت بالغ بھی ہو۔ یہ قید مردود ہے لانه یخرج مثلا الحسن بن علی ونحوه من احداث الصحابة (فتح الباری ص ۳ ج ۷) کیونکہ یہ (قید) حسن بن علی (علیہ السلام) جیسے کم عمر افراد (جو حضور کے ساتھ جمع ہونے کے وقت کم عمر تھے) کو صحابیت سے خارج کردیتی ہے یعنی صحابی کی تعریف میں ایسا قول جو امام حسن علیہ السلام اور چھوٹے صحابہ کو صحابیت سے خارج کرے مردود اور غیر معتبر ہے کیونکہ حضرت حسن اور دیگر

ان جیسے کم عمر بھی صحابہ ہیں۔ ثابت ہوا کہ امام حسن مجتبیٰ صحابی ہیں بلکہ صاحب روایت صحابی ہیں۔ حافظ ابن عبدالبر المتوفی ۴۶۳ھ لکھتے ہیں حفظ الحسن بن علی عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم احادیث ورواها عنہ منها حدیث الدعاء فی القنوت ومنها انا آل محمد لا تحل لنا الصدقة (استیعاب صد۱۴۲ ج ۱) امام حسن بن علی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے متعدد حدیثیں حفظ کی ہیں جس میں ایک حدیث دعاء قنوت کی ہے اور انہیں میں سے یہ بھی ہے کہ ہم آل محمد کے لیے صدقہ لینا حلال نہیں ہے۔ اور حافظ ابن حجر عسقلانی یہ بھی لکھتے الحسن بن علی بن ابی طالب الہاشمی سبط رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وریحانته من الدنیا واحد سیدی شباب اهل الجنة روی عن جده رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وابیه علی واخیه حسین وخاله هند بن ابی هاله (تہذیب التہذیب صد۲۱۵ ج ۲) حسن بن علی بن ابی طالب ہاشمی سبط (بیٹے) رسول اور ریحانۃ رسول دنیا میں اور جنت کے دو سرداروں سے ایک انہوں نے روایت کی ہے اپنے جد پاک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اور اپنے والد حضرت علی علیہ السلام اور اپنے بھائی حسین سے اور اپنے ماموں ہند بن ابی ہالہ سے، اس سے ظاہر ہے کہ امام حسن علیہ السلام صاحب روایت صحابی ہیں۔ اور یہ بھی ظاہر ہوا کہ امام حسین علیہ السلام بھی صحابی ہیں کیونکہ جب امام حسن مجتبیٰ نے امام حسین سے روایت کی ہے اور امام حسن صحابی ہیں تو امام حسین بھی صحابی ہوئے۔ چنانچہ حافظ ابن عبدالبر لکھتے ہیں روی الحسین

بن علی رضی اللہ عنھما عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قولہ من حسن اسلام المرء ترکہ مالا یعنیہ۔ یعنی روایت کیا ہے حسین بن علی رضی اللہ عنہما نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ قول کہ آدمی کے دین کی خوبی یہ ہے کہ لا یعنی (بے مقصد) باتوں کو چھوڑ دے (استیعاب صہ ۱۴۵) اور ابن ماجہ المتوفی ۲۷۳ھ نے اپنی سند کے ساتھ امام حسین علیہ السلام سے روایت[1] کی ہے کہ امام حسین علیہ السلام نے فرمایا قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم من اصیب بمصیبۃ فذکر مصیبۃ نا حدث استرجاعا وان تقادم عہدھا کتب اللہ من الاجر مثلہ یوم اصیب (ابن ماجہ صہ ۱۱۶ باب ما جاء فی الصبر علی مصیبۃ) کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس پر کوئی مصیبت پڑی ہو اور اسے اپنی مصیبت یاد آگئی تو جس نے اس وقت پھر انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھ لیا۔ اگرچہ وہ مصیبت کتنی ہی پرانی کیوں نہ ہو چکی ہو تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے اس وقت بھی وہی اجر لکھیں گے جو مصیبت پڑنے کے دن انا للہ وانا الیہ راجعون۔ پڑھنے سے دیا گیا تھا۔ اب تو واضح سے واضح تر ہو گیا کہ جیسے کہ امام حسن مجتبیٰ صاحب روایت صحابی ہیں اسی طرح امام حسین علیہ السلام بھی صاحب روایت صحابی ہیں۔ اب رہی یہ بات کہ ابن کثیر نے امام حسن مجتبیٰ کے متعلق لکھا ہے کہ وہ تابعی تھے جب حسن مجتبیٰ تابعی ہوئے تو ظاہر ہے کہ چھوٹے بھائی بھی تابعی ہوں گے تو اس کا جواب

---

[1] یہ روایت ابن تیمیہ نے اپنی کتاب "سوال فی یزید بن معاویہ" صہ ۱۸ میں بھی ذکر کی ہے ۱۲۔ مفتی غلام رسول (لندن)

یہ ہے کہ حافظ ابنِ کثیر نے جہاں یہ لکھا ہے وہاں ساتھ یہ بھی ذکر کیا ہے وھذا غریب (البدایہ والنہایہ صفہ ۱۵۰ ج ۱) کہ یہ روایت اوپری اور مجروح ہے اور قبول کرنے کے لائق نہیں ہے۔ یعنی جب امام حسن مجتبیٰ صحابی ہیں تو ان کو تابعی کہنا ایک اوپری اور عجیب بات ہے۔ اس کو کوئی بھی قبول کرنے کے لیے تیار نہیں ہے جب تابعی ہونے والی روایت مجروح اور غیر معتمد علیہ ہوئی تو ثابت ہوا کہ امام حسن مجتبیٰ صحابی ہیں۔ چنانچہ ابن کثیر امام حسین علیہ السلام کے متعلق لکھتے ہیں والمقصود ان الحسین عاصر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وصحبہ الیٰ ان توفی وھو عنہ راض ولکنہ کان صغیرًا (البدایہ والنہایہ صفہ ۱۵۰ ج ۸) اور مقصود یہ بیان کرنا ہے کہ حسین (شہید کربلا) معاصر رسول ہیں جنہوں نے حضور کا زمانہ پایا اور حضور کی صحبت اٹھائی تا آنکہ حضور نے وفات پائی اور آپ ان سے راضی تشریف لے گئے لیکن امام حسین کی عمر چھوٹی تھی اب ابنِ کثیر نے امام حسین کو چھوٹا کہہ کر بھی ان کی معاصرت اور صحبت کا اقرار کیا ہے جس کا واضح مطلب یہ ہے کہ ابنِ کثیر امام حسین علیہ السلام کو صحابی سمجھتے ہیں۔ ایک مقام پر لکھتے ہیں: فکل مسلم ینبغی لہ ان یحزنہ قتلہ رضی اللہ عنہ فانہ من سادات المسلمین وعلماء الصحابۃ وابن بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم التی ھی افضل بناتہ وقد کان عابدا وشجاعا وسخیا (البدایہ والنہایہ صفہ ۲۰۳ ج ۸) کہ ہر مسلمان کو امام حسین علیہ السلام کی شہادت پر غم کرنا چاہیے۔ کیونکہ آپ سادات مسلمین ہیں اور علماء صحابہ میں سے ہیں اور وہ عابد، بہادر اور سخی تھے۔ ابن کثیر نے جب امام حسین علیہ السلام کو صغر سنی کے باوجود صحابی قرار دیا ہے۔ تو ظاہر ہے کہ ان کے نزدیک امام حسن

مجتبیٰ بھی صحابی ہیں لہٰذا اس سے بھی ثابت ہوا کہ امام حسن کے متعلق تابعی والی روایت مجروح ہے۔ حافظ ذہبی المتوفی ۷۴۸ھ نے بھی حسنین کریمین کو صحابہ سے شمار کیا ہے (التجرید فی اسماء الصحابہ صہ ۱۴۰) امام بخاری المتوفی ۲۵۶ھ اور امام مسلم المتوفی ۲۶۱ھ نے اپنی اپنی صحیح میں فضائل صحابہ کا عنوان قائم کر کے مناقب امام حسن اور امام حسین بیان کیے ہیں جس سے ظاہر ہے کہ امام بخاری اور امام مسلم کے نزدیک بھی امام حسن علیہ السلام اور حسین علیہ السلام صحابی ہیں۔ تمام محدثین جب امام حسن اور حسین کی مروی روایات قبول کیے ہوئے ہیں اور آگے تک ان کی روایات چل رہی ہیں تو ان کے صحابی ہونے بلکہ صاحب روایت اور اہل بیت صحابی ہونے میں کسی قسم کا شک و ریب نہ رہا نیز جب ابن کثیر[1] نے صالح بن احمد کی منقولہ روایت کو مجروح قرار دے دیا ہے تو اب مسائل کا یہ کہنا کہ امام احمد بن حنبل کا مذہب ہے کہ امام حسن تابعی ہیں یہ بھی غلط ہوا کیونکہ امام احمد کا یہ مذہب

---

[1] یہ حافظ عماد الدین ابو الفداء اسماعیل بن ابی حفص عمر بن کثیر القرشی الشافعی سے مشہور ہیں ۷۰۱ھ میں شام کے علاقہ میں پیدا ہوئے اور ۷۰۳ھ میں ان کے والد فوت ہو گئے اور ۷۰۶ھ کو بڑے بھائی عبد الوہاب کے ساتھ دمشق چلے گئے۔ آپ نے تعلیم حافظ ابو الحجاج مزی المتوفی ۷۴۲ھ اور علامہ ابن تیمیہ المتوفی ۷۲۸ھ سے حاصل کی۔ حافظ ابن کثیر مسلکاً اگرچہ شافعی ہیں لیکن ابن تیمیہ سے زیادہ متاثر ہیں۔ حافظ ابن کثیر ۷۷۴ھ میں فوت ہوئے اور ابن تیمیہ کے جوار میں دمشق کے ایک قبرستان میں دفن ہوئے۔ (شذرات الذھب صہ ۲۳۲ ج ۶)

مفتی غلام رسول

(لندن)

نہیں ہے بلکہ امام احمد بھی امام حسن علیہ السلام کو صحابی سمجھتے ہیں۔ چنانچہ حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں کہ بعض لوگوں نے جو یہ کہا ہے کہ صحابی ہونے کے لیے بالغ ہونا ضروری ہے۔ یہ قول مردود اور غیر معتبر ہے کیونکہ اس تعریف سے امام حسن علیہ السلام صحابی ہونے کی تعریف سے نکل جاتے ہیں حالانکہ امام حسن صحابی ہیں۔ والذی جزم بہ البخاری ھو قول احمد والجمھور من المحدثین (فتح الباری ص۳ ج ۷) اس پر بخاری نے جزم ویقین کیا ہے۔ وہ قول امام احمد ہے اور جمہور محدثین کا ہے۔ اب اس سے ظاہر ہوا کہ امام احمد کے نزدیک بھی صحابی کے لیے بوقت ملاقات نبوی بالغ ہونا شرط نہیں ہے بلکہ کم عمر بھی صحابی ہو سکتا ہے لہٰذا امام احمد کا مذہب بھی متعین ہوگیا کہ امام حسن بلکہ امام حسین دونوں بھائی صحابی ہیں بلکہ حسنین کریمین کے صدقے میں دیگر صحابہ جو کم عمر ہیں۔ ان کی صحابیت بھی متعین ہوگئی کہ جب صحابی کے لیے بالغ ہونا شرط نہیں ہے تو کم عمر بھی صحابہ ہوں گے لیکن ان کی صحابیت حسنین کریمین کے صدقے میں ثابت ہوئی۔ حاصل کلام یہ ہے کہ آیتِ مباہلہ اور آیت تطہیر سے جیسے کہ حسنین کریمین کی صحابیت ثابت ہو رہی ہے۔ اسی طرح ان کی عزت و توقیر بھی ثابت ہو رہی ہے دوسرے الفاظ میں اہلِ بیت کی عزت و توقیر نصوص شرعیہ سے ثابت ہے اور جس کی تعظیم و توقیر نصوص شرعیہ سے ثابت ہو اس کی توہین شرعًا و عرفًا منع ہے صرف منع ہی نہیں بلکہ بعض مواقع پر گمراہی اور کفر کا سبب بن جاتی ہے۔ لہٰذا ہم نے کہا کہ اہلِ بیت کی ہتک التزامی اور لزومی دونوں صورتوں میں منع ہے۔ زیرِ بحث مسئلہ کی بنیاد اہلِ بیت کرام کی عزت و توقیر ہے۔ بایں وجہ ہم کہتے ہیں کہ کوئی غیر سید مرد کسی سیدزادی کے ساتھ نکاح نہیں کر سکتا اور نہ ہی کوئی غیر سید یہ مطالبہ کر سکتا ہے کہ مجھے سیدزادی کا رشتہ دیا جائے کیونکہ اس میں

توہینِ اہلِ بیت ہے جو کہ ایمان اور دین کے منافی ہے۔

ابن کثیر لکھتے ہیں کہ ابو مخنف نے حارث بن کعب سے اس نے فاطمہ بنت علی سے روایت کی ہے کہ فاطمہ بنت علی فرماتی ہیں کہ ہم کو جب قیدی بنا کر شام میں یزید کے سامنے لایا گیا ثم ان رجلا من اھل الشام احمر قام الی یزید فقال یا امیر المؤمنین ھب لی ھذہ یعنینی وکنت جاریۃ کہ ایک سرخ رنگ شامی مرد (یزیدی کُتّے) نے مجھ (فاطمہؓ بنت علیؑ) کو دیکھ کر یزید (ملعون) کو کہا کہ یہ لڑکی مجھے بخشش کر دیجیے۔ جب میں نے یہ بات سنی تو میں بہت پریشان ہوئی اور میں نے اپنی بہن سیدہ زینب کا دامن پکڑ لیا اور کہا کہ مجھے اس یزیدی کُتّے سے بچا لیجئے تو سیدہ زینب نے فرمایا اے کمینے اس بات کا حق نہ تجھے ہے اور نہ تیرے امیر کو وہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی بیٹیوں کے متعلق یہ خیال کرے۔ سیدہ زینب کی یہ باتیں سن کر یزید ملعون سخت ناراض ہوا اور سیدہ زینب کو کہنے لگا کہ اگر میں چاہوں تو کر سکتا ہوں۔ سیدہ زینب نے کہا کہ تجھ کو اللہ تعالیٰ نے ایسے کام کرنے کی اجازت نہیں

لہ یہ فاطمہ حضرت علی کی صاحبزادی ہیں اور علی علیہ السلام کی اٹھارہ صاحبزادیاں تھیں۔

۱۔ حضرت سیدہ زینب ۲۔ سیدہ ام کلثوم ۳۔ ام ہانی ۴۔ میمونہ ۵۔ ام جعفر ۶۔ رملہ صغریٰ ۷۔ امامہ ۸۔ ام الحسن ۹۔ ام الکرام ۱۰۔ ام سلمہ ۱۱۔ حارثہ ۱۲۔ زینب صغریٰ ۱۳۔ فاطمہ ۱۴۔ خدیجہ ۱۵۔ رملہ کبریٰ ۱۶۔ رقیبہ ۱۷۔ جمانہ ۱۸۔ نعیسہ

(فتاویٰ برطانیہ صہ ۵۶۲، سیدہ زینب صہ ۶۵ علامہ شبلی)

مفتی غلام رسول (لندن)

دے رکھی، ہاں اگر تم ہمارے مذہب اور دین اسلام سے نکل جاؤ تو پھر یہ کام کر سکتے ہو، یزید یہ باتیں سن کر سیخ پا ہوا اور سیدہ زینب سے سختی سے پیش آیا۔ (البدایہ والنہایہ صہ ۱۹۴ ج ۸)

(تاریخ طبری صہ ۳۴۷ ج ۷)

اس سے ظاہر ہوا کہ غیر سید کے لیے سید زادی کے رشتہ کا مطالبہ کرنا گستاخی، بے ادبی اور یزیدی حرکت ہے۔ ملت اور دین کے منافی ہے اسی لیے سیدہ زینب نے یزید ملعون کو کہا تھا کہ تیری یہ حرکت دین و ملت کے خلاف ہے۔ غرضیکہ یزید نے اہل بیت کی بہت زیادہ توہین کی، امام زین العابدین علیہ السلام اور سیدہ زینب کی شانِ پاک میں انتہائی گستاخیاں کیں۔ جب یزیدی فوج امام حسین علیہ السلام کو کربلا میں شہید کر کے آپ کا سر مبارک دربار یزید میں لے گئے اور یزید ملعون کے سامنے رکھا تو اس نے حقارت اور نفرت کی نظر سے دیکھا اور آپ کے چہرہ انور پر چھڑی ماری۔

ابن کثیر لکھتے ہیں کہ ابن ابی الدنیا راوی ہیں قال لما وضع رأس الحسین بین یدی یزید وعندہ ابو برزۃ وجعل ینکت بالقضیب فقال له ارفع قضیبك فلقد رأیت رسول الله صلی الله علیه وسلم یلثمه۔ کہ جب امام حسین کا سر اقدس یزید کے سامنے رکھا گیا اور اس کے پاس ابو برزہ اسلمی بھی تھے اور یزید نے چھڑی سے حضرت حسین کے چہرے پر چوکے مارنے شروع کیے تو ابو برزہ نے کہا اپنی چھڑی ہٹا لے۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس جگہ کا بوسہ لیتے ہوئے دیکھا ہے۔ اس کے بعد یزید نے کہا کہ آج ہم نے اولادِ رسول کو شہید کر کے جنگ بدر کا بدلہ لے لیا ہے۔ (البدایہ والنہایہ صہ ۱۹۲ ج ۸)

اس سے ظاہر ہے کہ یزید، امام حسین کے قتل ہونے پر راضی تھا۔ ورنہ وہ یہ تحقیر آمیز رویہ جو دشمن کے ساتھ کیا جاتا ہے۔ امام حسین کے ساتھ نہ کرتا۔ یزید کا یہ کہنا کہ ہم نے جنگِ بدر کا بدلہ لیا ہے۔ یہ رضا کی کھلی دلیل ہے۔ علامہ تفتازانی المتوفی ۷۹۲ھ لکھتے ہیں۔ والحق ان رضا یزید بقتل الحسین واستبشارہ بذالک واھانتہ اھل بیت النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی تواتر معناہ وان کان تفاصیلھا احادًا فنحن لا نتوقف فی شانہ بل نتوقف فی ایمانہ لعنۃ اللہ علیہ وعلی انصارہ واعوانہ۔ (شرح عقائد بمعہ نبراس صـ۵۵۴) اور حق بات یہ ہے کہ یزید کا قتل حسین سے راضی ہونا اور توہین اہلِ بیت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان چیزوں سے ہے جو معنوی طور پر تواتر کے ساتھ ثابت ہیں۔ اگرچہ ان کی تفصیلات اخبار احاد ہیں۔ ہم اس کے لعنتی ہونے میں توقف نہیں کرتے بلکہ اس کے ایمان میں توقف کرتے ہیں۔ اس پر اللہ کی لعنت ہو اور اس کے مددگاروں اور معاونین پر بھی لعنت ہو۔ اس سے ظاہر ہے کہ جب یزید قتل حسین پر راضی ہوا اور توہین اہلِ بیت کی تو اس کے ملعون ہونے میں نہ شک ہے اور نہ توقف۔ البتہ علامہ تفتازانی لکھتے ہیں کہ ہم اس کے ایمان میں توقف کرتے ہیں یعنی اس کو مومن نہیں کہتے۔ کیونکہ توقف کا مفہوم یہ ہی ہے کہ اس کے ایمان میں شک ہے۔ لہٰذا اس کو مومن نہیں کہا جائے گا۔ علامہ عبد العلی بحر العلوم المتوفی ۱۲۶۲ھ لکھتے ہیں بل الشک فی ایمانہ (حاشیہ نبراس صـ۵۵۴) کہ اس کے ایمان میں شک ہے جب اس کے مومن ہونے میں شک ہے تو اس کو مومن نہیں کہیں گے۔ علامہ ابن عماد حنبلی المتوفی ۱۰۸۹ھ نے جو علامہ تفتازانی کے حوالہ سے عبارت نقل کی ہے وہ تو یزید کے کفر پر دلالت کرتی ہے۔ وہ

لکھتے ہیں نحن لا نتوقف فی شانہ بل فی کفرہ وایمانہ لعنۃ اللہ علیہ وعلی انصارہ واعوانہ (شذرات الذہب صفحہ ۶۹ ج ۱) کہ ہم یزید پر جواز لعنت میں توقف نہیں کرتے بلکہ اس کے کفر اور ایمان میں توقف نہیں کرتے اس پر اور اس کے مددگاروں اور معاونوں پر اللہ کی لعنت ہو۔ جب یزید کے کفر و ایمان میں توقف نہیں ہوگا تو ظاہر ہے کہ اس کو مومن اور مسلمان نہیں کہا جائے گا۔

ابن کثیر لکھتے ہیں کہ جب ابن زیاد نے امام حسین کو بمعہ ان کے ساتھیوں کو شہید کر دیا اور ان کے سر یزید کے پاس بھیجے دیے تو اس قتل سے یزید خوش ہوا اور اس کی وجہ سے ابن زیاد کا رتبہ اس کے یہاں بلند ہو گیا اور یہ بھی لکھا ہے انہ قتل الحسین واصحابہ علی یدی عبید اللہ بن زیاد (البدایہ والنہایہ صفحہ ۲۲۳ ج ۸) کہ یزید نے حسین اور ان کے ساتھیوں کو عبید اللہ بن زیاد کے ہاتھ سے قتل کیا۔ اس سے ثابت ہوا کہ یزید نے امام حسین کو شہید کروایا۔ اگر عبید اللہ بن زیاد نے حسین کو شہید کیا ہے۔ تو یہ تمام کام یزید کے حکم سے ہوا ہے اور یزید اس قتل پر راضی تھا۔ اسی وجہ سے بعض علماء نے یزید کی تکفیر کی ہے کیونکہ اس سے وہ چیزیں صادر ہوئیں ہیں جو اس کے کفر پر دلالت کرتی ہیں۔ من تحلیل الخمر ومن تفوھہ بعد قتل الحسین واصحابہ انی جازیتھم بما فعلوا باشیاخ قریش وصنادیدھم فی بدر وامثال ذالک ولعلہ وجہ ما قال الامام احمد بتکفیرہ لما ثبت عندہ نقل تقریرہ۔ (شرح فقہ اکبر صفحہ ۸۸) کہ اس نے شراب کو حلال سمجھا اور حسین اور ان کے ساتھیوں کے قتل کے وقت اس نے منہ سے نکالا (بکواس کیا) کہ میں نے (حسین وغیرہ) سے بدلہ لے لیا ہے جو انہوں نے

میرے بزرگوں اور رئیسوں کے ساتھ بدر میں کیا تھا یا ایسی اور باتیں یہی وجہ ہے امام احمد بن حنبل کی یزید کو کافر کہنے کی کہ ان کے نزدیک اس تقریر کی نقل ثابت ہو گی اور شرح عقائد میں ہے۔ و بعضھم اطلق اللعن علیہ لما انہ کفر حین امر بقتل الحسین (شرح عقائد نسفیہ مع نبراس صہ ۵۵۳) کہ بعض علماء اور آئمہ نے یزید پر مطلقاً لعنت کو جائز قرار دیا ہے کیونکہ اس نے حسین کے قتل کرنے کا حکم دے کر کفر کیا ہے۔ جب یزید شراب کو حلال سمجھتا تھا اور امام حسین کے قتل کا حکم دیا اور اس پر راضی ہوا اور امام حسین کی توہین کی اور یہ بھی کہا کہ میں نے جنگ بدر کا بدلہ لیا ہے تو اس کے کفر میں شک نہ رہا لہٰذا امام احمد نے اس کی تکفیر کر دی۔ اور امام احمد بن حنبل چونکہ مجتہد مطلق ہیں لہٰذا آپ کا یزید کو کافر کہنا شریعت اسلامیہ میں ایک حیثیت رکھتا ہے نیز امام احمد نے یزید کو قرآن سے استدلال کرکے لعنتی ثابت کیا ہے اور قرآن کے عرف میں جو لعنتی ہے وہ کافر ہی ہے۔

قاضی ثناء اللہ پانی پتی المتوفی ۱۲۲۵ھ لکھتے ہیں کہ صالح بن احمد کا قول ہے کہ میں نے اپنے والد احمد بن حنبل سے یزید کے بارے میں گفتگو کی تو میرے والد نے کہا "اے میرے بیٹے" کوئی شخص بھی جو مومن ہے وہ یزید کی دوستی کا دم نہیں بھر سکتا۔ یزید پر تو اللہ نے قرآن میں لعنت کی ہے میں نے کہا اے میرے باپ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں یزید پر کہاں لعنت کی ہے فرمایا اس آیت میں جہاں یہ فرمایا فھل عسیتم ان تولیتم ان تفسدوا فی الارض و تقطعوا ارحامکم اولئک الذین لعنھم اللہ فاصمھم واعمی ابصارھم۔ (تفسیر مظہری صہ ۴۳۴ ج ۸) پھر کیا تم سے بھی توقع ہے کہ اگر تم کو حکومت مل جائے تو خرابی ڈالو ملک میں اور قطع کرو

اپنی قرابتیں ایسے لوگ ہیں جن پر اللہ تعالےٰ نے لعنت کی پھر کر دیا ان کو بہرا اور اندھا کر دی آنکھیں ان کی، نیز امام احمد نے فرمایا فھل یکون فساد اعظم من ھذا القتل (صواعق محرقہ صد ۱۰۲) کہ اس قتل (حسین) سے بھی کوئی بڑا فساد ہو سکتا ہے۔ اب اس عبارت سے بھی ظاہر ہے کہ امام احمد کے نزدیک امام حسین علیہ السلام کا قتل یزید کے ذمہ تھا کیونکہ امام احمد قتل حسین کو فساد عظیم کہہ کر یزید کو لعنتی قرار دے رہے ہیں جس سے ظاہر ہے کہ یزید ہی قاتل ہے علامہ دمیری المتوفی ۸۰۸ھ، حیواۃ الحیوان صد ۱۹۶ ج ۲، میں لکھتے ہیں کہ علی بن محمد الکیا الہراسی الفقیہ الشافعی المتوفی ۵۰۴ھ سے سوال کیا گیا کہ یزید پر لعنت کرنے کا کیا حکم ہے تو جواب میں فرمایا کہ ہمارے نزدیک قول واحد التصریح دون التلویح۔ ہم ایک ہی قول ہے یعنی تصریح نہ کہ تلویح یعنی ہم صراحتاً یزید پر لعنت کرتے ہیں۔ توقف وغیرہ نہیں کرتے کیونکہ یزید کی یہ کیفیت تھی کہ وہ چیتوں کے شکار میں رہتا، نرد اور شطرنج سے کھیلتا اور شراب خوری کرتا۔ چنانچہ اسی کے شعروں سے چند شعروں کا ترجمہ یہ ہے کہ میں اپنے ساتھیوں کو کہتا ہوں جن کی جماعت کو دور جام و شراب نے جمع کر دیا ہے اور عشق کی سرگرمیاں ترنم کی آواز سے پکار رہی ہیں کہ اپنی نعمتوں اور لذتوں کے حصہ کو حاصل کر لو کیونکہ ہر انسان ختم ہو جائے گا۔ اگرچہ اس کی کتنی ہی طویل عمر کیوں نہ ہو لہٰذا وقت تھوڑا ہے جو عیش کرنا ہے کر لو پھر یہ زندگی ہاتھ نہ آئے گی۔ علامہ ابن خلکان المتوفی ۶۸۱ھ نے بھی علامہ الکیا الہراسی الفقیہ الشافعی کا یہ قول ذکر کیا ہے۔ (وفیات الاعیان صد ۲۸۷ ج ۳) ظاہر ہے کہ ایسے آدمی کے لعنتی ہونے میں کیا شک ہے۔ ابن کثیر لکھتے ہیں کہ علامہ ابن جوزی المتوفی ۵۹۷ھ نے ایک مستقل کتاب لکھی جس میں یزید پر لعنت کا جواز ثابت کیا ہے (البدایہ والنہایہ

صـ۲۲۳ ج ۸)

اور حدیث پاک میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اہلِ مدینہ کو اذا دینے والے اللہ کو اذا دیتے ہیں۔ وعلیھم لعنۃ اللہ والملائکۃ والناس اجمعین (فیض القدیر صـ۱۹ ج ۴) حضرت جابر المتوفی ۷۸ھ سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو اہلِ مدینہ کو ڈراتا ہے وہ اللہ کو ڈراتا ہے وکانت علیہ لعنت اللہ (مسلم شریف صـ۴۴۲ ج ۱۔ فتح الباری صـ۲۳۵ ج ۱۔ فیض القدیر صـ۳ ج ۴۔ البدایہ والنہایہ صـ۲۲۴ ج ۸) اور یہ بھی حدیث میں آتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو اہل مدینہ پر ظلم کرتا ہے وکانت علیہ لعنۃ اللہ کہ اس پر اللہ کی لعنت ہے۔

ان احادیث سے ظاہر ہے کہ جو شخص اہل مدینہ پر ظلم اور زیادتی کرتا ہے یا ان کو ڈراتا اور دھمکاتا ہے وہ لعنتی ہے یزید نے دیگر جرائم و گناہ کے علاوہ اہلِ مدینہ پر بھی بہت ظلم وستم کیئے اور مدینہ منورہ اور مسجد نبوی کی بے حرمتی اور توہین کی جس پر واقعہ حرہ واضح ثبوت ہے۔ چنانچہ ۶۳ھ میں یزید کی طرف سے عثمان بن محمد بن ابی سفیان مدینہ منورہ کا گورنر مقرر کیا گیا اسی اثنا میں اہلِ مدینہ کا ایک وفد جس میں حضرت عبداللہ بن حنظلہ وغیرہ تھے۔ شام میں یزید کے پاس گئے تھے۔ جب یہ لوگ واپس آئے تو ان سے اہلِ مدینہ نے یزید کے متعلق پوچھا تو عبداللہ بن حنظلہ نے جواب دیا ہم ایسے نالائق سے مل کر آئے ہیں جس کا کوئی دین ہے اور نہ مذہب ہے۔ شراب پیتا ہے اور راگ باجا سنتا ہے۔ خدا کی قسم اگر کوئی مہدی من اللہ ہوتا تو اس پر جہاد کرتا۔ اہلِ مدینہ یہ باتیں سن کر یزید سے متنفر ہو گئے اور عثمان بن محمد بن ابی سفیان کو مدینہ منورہ سے نکال دیا۔ اور یزید کو خلیفہ ماننے سے انکار کر دیا۔ اور عبداللہ بن حنظلہ کو

اپنا امیر مقرر کر لیا۔ پھر ایک شخص اہل مدینہ سے اٹھ کر یزید سے نفرت کا اظہار کرتے ہوئے اپنا عمامہ اتار کر کہنے لگا میں یزید کی بیعت اس طرح توڑتا ہوں جس طرح میں نے اپنا عمامہ اتار دیا ہے۔ پھر ایک شخص نے اپنا جوتا اتار کر کہا کہ میں یزید کی بیعت سے اس طرح نکل رہا ہوں جس طرح میں نے یہ جوتا اتار دیا ہے اور پھر دیکھتے دیکھتے اہل مدینہ کے اس اجتماع میں ہر شخص نے اپنا اپنا عمامہ اور جوتا اتار کر رکھنے شروع کر دیے حتی اجتمع شئ من العمائم والنعال یہاں تک کہ عماموں اور جوتوں کے ڈھیر لگ گئے۔

جب ان حالات کا یزید کو علم ہو گیا اور یہ بھی معلوم ہوا کہ عثمان بن محمد کو اہل مدینہ نے باہر نکال دیا ہے تو یزید نے عمرو بن سعید کو لکھا کہ تم مدینہ منورہ پر حملہ کر دو لیکن اس نے انکار کر دیا کہ میں اہل مدینہ پر حملہ نہیں کر سکتا پھر یزید نے عبید اللہ بن زیاد کو لکھا کہ تم مدینہ منورہ پر حملہ کرو اس نے عذر پیش کیا کہ میں آگے تمہارے کہنے پر امام حسین کو کربلا میں شہید کر چکا ہوں اب مجھے معذور رکھیے۔ یزید نے آخر کار مسلم بن عقبہ کو تیار کر لیا وہ پندرہ ہزار کا لشکر لے کر روانہ ہوا اور اس کو یزید نے کہا کہ پہلے اہل مدینہ کو تین دن کی مہلت دینا اگر وہ میری اطاعت کر لیں تو ان کو چھوڑ دینا ورنہ ان سے جنگ کرنا اور جب تم کو کامیابی حاصل ہو جائے تو تین دن تک قتل عام کرنا اور اہل مدینہ کا جو مال و متاع لوٹا جائے وہ سب فوج کو دے دینا۔ مسلم (مسرف) بن عقبہ چلتا چلتا وادی القریٰ میں پہنچا یہاں بنو امیہ کے چند افراد سے ملاقات ہوئی۔ ان سے اہل مدینہ کے حالات پوچھے پھر وادی القریٰ سے نکل کر ذی نخلہ سے ہوتا ہوا مدینہ منورہ کے قریب پہنچا اور اہل مدینہ کو کہلا بھیجا کہ میں تم کو تین دن کی مہلت دیتا ہوں۔ اگر ان دنوں میں تم یزید کی بیعت کا اقرار کر لو اور

صلح کر لو تو بہتر ہے ورنہ تمہیں جنگ کا سامنا کرنا ہو گا۔ جب یہ میعاد گزر گئی تو مسلم[1] بن عقبہ نے اہلِ مدینہ کو کہا کہ اب جنگ کرو گے یا صلح، اہلِ مدینہ نے کہا

---

1 ؎ مسلم بن عقبہ مزنی نہایت شیطان آدمی تھا۔ اس نے مدینہ منورہ اور مسجد نبوی کی توہین کی اور مدینہ منورہ میں صحابہ اور صحابہ کرام کی اولاد کو قتل کیا۔ اہلِ مدینہ کا مال و متاع لوٹا اور اس کی فوج نے مدینہ منورہ کی عفت مآب عورتوں کے ساتھ زنا بالجبر کیا۔ جن مستورات کی عصمت دری کی گئی ان میں سے ایک ہزار عورتوں نے حرامزادے بچے پیدا کیے۔ مسلم بن عقبہ کی شیطانیت کی وجہ سے سلف صالحین نے اس کا نام مسلم کے بجائے مسرف رکھا ہے یعنی (شیطان) اور یہ تمام مظالم یزید علیہ ماعلیہ کے حکم کے مطابق کیے گئے (البدایہ والنہایہ صفحہ ۲۱۵ ج ۸، الاصابہ صفحہ ۲۹۴ ج ۲) اور شاہ عبدالحق محدث دہلوی متوفی ۱۰۵۲ھ لکھتے ہیں کہ جب مسلم بن عقبہ نے اہلِ مدینہ کو تباہ و برباد کر دیا تو پھر وہ عبداللہ بن زبیر پر حملہ کرنے کے لیے مکہ مکرمہ کی طرف روانہ ہوا لیکن راستہ میں ہی ایک گندی بیماری میں مبتلا ہو کر مر گیا۔ مدینہ منورہ میں ایک عورت کا یزیدی فوج نے لڑکا قتل کر دیا تھا۔ اس عورت نے قسم کھا رکھی تھی کہ اگر مجھے اللہ نے قدرت اور توفیق دی تو مسلم (مسرف) بن عقبہ کو زندہ جلاؤں گی یا مردہ۔ چنانچہ اس عورت کو مسلم بن عقبہ کی موت کی اطلاع ہو گئی تو اس نے اس کی قبر کھود ڈالی جب اس کی قبر کو کھولا تو اس میں ایک بہت بڑا سانپ دیکھا جو مسلم بن عقبہ کی گردن سے لپٹا ہوا تھا اور اس کی ناک کی ہڈی کو منہ میں لے کر چوس رہا تھا۔ لوگوں نے جب یہ حالت دیکھی تو ڈر گئے اور عورت سے لوگوں نے کہا کہ اب تو گھر چل اللہ تعالیٰ نے اس کے اعمال کی اس کو سزا دے دی ہے۔ اور اب تو اس سے بدلہ اور انتقام نہ لے اس کے لیے اتنا عذاب ہی کافی ہے مگر وہ عورت نہ مانی اور لوگوں (بقیہ اگلے صفحہ پر)

کہ ہم جنگ کریں گے۔ مسلم بن عقبہ نے کہا کہ جنگ نہ کرو بلکہ یزید کی بیعت کرو اس میں تمہاری بہتری ہے۔ اہل مدینہ اپنی رائے پر ڈٹ گئے۔ بالآخر لڑائی کی نوبت آئی، عبدالرحمان بن زہیر بن عوف خندق پر متعین کیے گئے جس کو اہل مدینہ نے شہر کی حفاظت کے لیے کھود کر بنایا تھا اور عبداللہ[1] بن مطیع قریش کی ایک جماعت کے ساتھ مدینہ منورہ کی ایک سمت اور معقل بن سنان الشجعی مہاجرین کی ایک جماعت کے ساتھ مدینہ منورہ کی دوسری سمت پر متعین ہوتے اور ان سب پر عبداللہ بن حنظلہ کو سپہ سالار بنایا گیا اور مسلم بن عقبہ نے بنو امیہ کے آدمیوں سے مشورہ کیا انہوں نے کہا کہ مدینہ منورہ پر حملہ مقام حرہ کی طرف سے کیا جائے چنانچہ مسلم بن عقبہ نے حرہ کی طرف سے مدینہ منورہ پر حملہ کر دیا، عبداللہ بن حنظلہ مقابلے پر آئے اور اس جرأت سے لڑے کہ شامی فوج کو مجبوراً پیچھے ہٹنا پڑا

(بقیہ صفحہ سابقہ) کو کہنے لگی کہ اس کو پاؤں کی طرف سے نکالو مگر جب اس کے پاؤں کی طرف دیکھا تو وہاں بھی ایک بہت بڑا سانپ لپٹا ہوا تھا اس عورت نے دعا کی کہ اے اللہ تعالٰے مجھے میری قسم پوری کرنے کی توفیق دے پھر ایک چھڑی لے کر اس سانپ کی دم پر ماری تو وہ اس کے سر سے جدا ہو گیا پھر اس مسرف (شیطان) کی لاش کو نکال کر دار پر لٹکایا گیا اور اس پر پتھر مارے گئے اور آخر کار جلا دیا گیا۔ اور اس کی ہلاکت ۶۳ھ میں ہوئی (جذب القلوب)

مفتی غلام رسول (لندن)

[1] عبداللہ بن مطیع بن الاسود بن حارثہ قرشی العدوی المدنی المتوفی ۷۳ھ

(البدایہ والنہایہ ص۲۴۵ ج ۸) ۱۲۔

مفتی غلام رسول (لندن)

مسلم بن عقبہ نے للکار کر پیادوں کو آگے بڑھایا۔ حضرت فضل بن عباس بن
ربیعہ بن حارث بن عبدالمطلب نے عبداللہ بن حنظلہ سے اجازت لے کر
مسلم بن عقبہ پر حملہ کر دیا تو شامی فوج نے بھاگنا شروع کر دیا۔ بعدازاں
فضل بن عباس نے عبداللہ بن حنظلہ کو کہا کہ تمام فوج مجھے دے دو۔ فضل
بن عباس نے اس شدت سے حملہ کیا کہ مسلم بن عقبہ کی فوج کی ترتیب
درہم برہم ہوگئی۔ مسلم بن عقبہ کے پاس صرف پانچ سو آدمی رہ گئے باقی سب
بھاگنے لگے۔ فضل بن عباس نے ایک آدمی پر حملہ کر دیا اور خیال یہ کیا کہ یہ
مسلم بن عقبہ ہے۔ اور اس کو تلوار ماری جس سے خود کی کڑیاں ٹوٹ کر
اس کے گلے میں گھس گئیں اور زمین پر گر پڑا۔ فضل بن عباس نے خوشی سے
پکارا رب کعبہ کی قسم میں نے بڑے شیطان کو قتل کر دیا ہے۔ مسلم بن عقبہ
قریب ہی کھڑا تھا کہنے لگا فضل تم کو دھوکا ہوا ہے تم نے ایک رومی غلام
کو قتل کیا ہے۔ پھر مسلم بن عقبہ نے اپنے لشکریوں کو للکارا سب نے چاروں
طرف سے فضل بن عباس کو گھیر لیا۔ آخر کار فضل لڑتے لڑتے شہید ہو گئے پھر
مسلم بن عقبہ نے عبداللہ بن حنظلہ پر حملہ کر دیا۔ عبداللہ بن حنظلہ نے پکار
کر کہا کہ جو شخص جنت میں جانا چاہتا ہے وہ اس علم کے نیچے آجائے۔ اہل مدینہ
یہ سن کر دوڑ پڑے اور نہایت بہادری سے لڑ لڑ کر شہید ہونے لگے یہاں تک
کہ عبداللہ بن حنظلہ کے کل لڑکے اور ان کے تمام اخیافی بھائی (ماں شریک
بھائی) شہید ہو گئے۔ ان لوگوں کے شہید ہوتے ہی اہل مدینہ کے لشکر کے
پاؤں اکھڑ گئے اور مسلم بن عقبہ قتل و غارت کرتا ہوا مدینہ منورہ میں داخل ہو گیا
تین دن تک قتل عام کیا۔ شامیوں نے اہل مدینہ کا مال و اسباب دل بھر کر
لوٹا اور اس کے بعد مسلم بن عقبہ نے اہل مدینہ کے بڑے بڑے شرفاء اور بزرگوں

کو گرفتار کر کے قتل کر دیا۔ شاہ عبدالحق محدث دہلوی المتوفی ۱۰۵۲ھ لکھتے ہیں کہ حرہ مسجد نبوی سے صرف ایک میل کے فاصلہ پر ہے۔ یہاں پر یزید بن معاویہ کے حکم کے مطابق مسلم بن عقبہ نے ایک ہزار سات سو آدمیوں کو مہاجرین و انصار اور علما و تابعین کے علاوہ شہید کیا، سات سو حافظ قرآن اور قوم قریش کے ستانوے افراد کو ظلم کی تلوار سے ذبح کیا۔ مدینہ منورہ میں فسق و فساد اور زنا کو مباح کیا کہتے ہیں کہ اس واقعہ کے بعد ایک ہزار عورتوں نے زنا بالجبر کے بچے پیدا کیے۔ اور یزیدی فوج نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد میں گھوڑے دوڑاتے تھے اور روضہ شریف اور منبر شریف کی درمیانی جگہ جس کے متعلق صحیح حدیث میں آیا ہے کہ جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے یہاں ان کے گھوڑے پیشاب کرتے تھے اور مسلم بن عقبہ لوگوں کو یزید خبیث کی بیعت اور غلامی کے عہد پر آمادہ کرنے کی کوشش کر رہا تھا (البدایہ والنہایہ صفحہ ۲۲۱ ج ۸، ابن خلدون صفحہ ۱۳۱ ج ۵، فتح الباری صفحہ ۷۰ ج ۱۳، جذب القلوب صفحہ ۳۶)۔ یہ تھا وہ ظلم و ستم جو یزید نے اہل مدینہ پر کیا اور یہ صحیح حدیث کے حوالہ سے گزر چکا ہے کہ جو شخص اہل مدینہ پر ظلم کرتا ہے وہ ملعون ہے لہٰذا یزید کے لعنتی ہونے میں تو کسی قسم کا شک نہیں ہے۔

سوال :-

آپ لکھ رہے ہیں کہ یزید لعنتی ہے۔ حالانکہ مشہور ہے کہ امام ابوحنیفہ یزید کے معاملہ میں توقف کرتے ہیں۔ جب امام ابوحنیفہ توقف کرتے ہیں تو آپ لوگ اس کو لعنتی کیوں کہتے ہیں۔

جواب :-

قبل اس کے کہ توقف کے قول کا جواب دیا جائے۔ ہم کہتے ہیں کہ

امام ابو حنیفہ سے یزید پر جواز لعنت کے متعلق تصریح اور تلویح دو قول مروی ہیں
چنانچہ ابن خلکان لکھتے ہیں۔ الکیا الہراسی الفقیہ الشافعی نے کہا ہے ولا
بی حنیفۃ قولان تلویح وتصریح کہ ابو حنیفہ سے یزید پر لعنت کے
دو قول مروی ہیں۔ ایک تلویح یعنی جس میں جواز لعنت کی طرف اشارہ ہے
اور دوسرا تصریح جس میں یزید پر جواز لعنت کی صراحت کی گئی ہے۔ اس
تحقیق پر توقف کا قول درست نہیں ہے۔ اگر توقف کے قول کو صحیح تسلیم
کر لیا جائے تو ہم کہتے ہیں کہ توقف کا یہ معنیٰ نہیں ہے کہ امام ابو حنیفہ یزید کی
تعریف بیان کرتے ہیں بلکہ توقف کا معنیٰ یہ ہے کہ امام ابو حنیفہ کے نزدیک
یزید کا اسلام مشتبہ ہے۔ لہٰذا ابو حنیفہ نے اس کو مومن کہنے میں توقف کیا ہے
اگر ابو حنیفہ کو یزید کے مومن ہونے میں شک نہ ہوتا تو آپ یزید کو مومن
اور مسلمان کہتے جبکہ آپ نے توقف کیا ہے تو ثابت ہوا کہ یزید کا معاملہ
امام ابو حنیفہ کے نزدیک مشتبہ ہے اسی لیے علامہ عبد العلی بحر العلوم لکھتے
ہیں۔ بل الشک فی ایمانہ (حاشیہ نبراس صہ ۵۵۴) کہ یزید کے ایمان میں
شک ہے اور علامہ ابن عماد حنبلی نے جو شرح عقائد نسفیہ کے حوالہ سے
عبارت ذکر کی ہے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یزید کے کفر میں شک
نہیں ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں کہ جیسے کہ یزید کی شان میں توقف نہیں ہے
اسی طرح اس کے کفر اور ایمان میں بھی توقف نہیں ہے۔ جب اس کے
کفر اور ایمان دونوں میں توقف نہ ہوا تو دوسرے لفظوں میں مطلب یہ ہوا
کہ یزید کافر ہے۔ غرضیکہ امام ابو حنیفہ کے نزدیک ہر صورت میں یزید کا
معاملہ مشتبہ ہے۔ آپ یزید کو مومن اور مسلمان نہیں کہتے۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے
کہ امام ابو حنیفہ حضرت زید بن علی علیہ السلام کے جہاد کے بارے میں تو یہ

فتویٰ دیں خروجه یضاهی خروج رسول الله صلی الله علیه وسلم
یوم بدر (عہد وحیات ص۵۷) کہ زید کا خروج بدر میں حضور کی جنگ
سے مشابہ ہے یعنی حضرت زید بن علی علیہ السلام کا ہشام بن عبدالملک کے
ساتھ جو جہاد ہے یہ یوں ہی ہے جیسے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جہاد
بدر کے دن کفارِ مکہ ابوجہل وغیرہ کے مقابلہ میں تھا یہ تو ظاہر ہے کہ ہشام
بن عبدالملک یزید خبیث سے کچھ اچھا تھا اور امام حسین حضرت زید سے
افضل و برتر تھے، جب امام ابوحنیفہ کے نزدیک حضرت زید کا جہاد ہشام
کے مقابلہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جہاد جیسا ہے تو پھر یہ کیسے
ہو سکتا ہے کہ امام ابوحنیفہ، امام حسین علیہ السلام کے جہاد کو مقام کربلا میں یزید
کے مقابلہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جہاد جیسا نہ سمجھیں اور یزید کو
کفارِ مکہ جیسا نہ سمجھیں یہ بات ظاہر ہے کہ جب امام ابوحنیفہ حضرت زید بن
علی علیہ السلام المتوفی ۱۲۲ھ کے جہاد کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے
جہاد جیسا سمجھتے ہیں اور ہشام بن عبدالملک ۱۲۵ھ کو کفارِ مکہ جیسا سمجھتے ہیں
تو پھر امام حسین علیہ السلام کے جہاد کو بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
کے جہاد جیسا سمجھیں گے اور یزید کو کفارِ مکہ کی طرح سمجھیں گے۔ اسی وجہ
سے امام ابوحنیفہ یا آپ کے شاگردوں سے جنہوں نے آپ کا مذہب
نقل کیا ہے کسی سے یہ ضعیف سے ضعیف روایت بھی نہیں ملتی کہ جس
سے ثابت ہوتا ہو کہ ان لوگوں نے یزید کی تعریف و توصیف بیان کی ہو۔ رہا
یہ سوال کہ ابوحنیفہ اور آپ کے شاگرد توقف کرتے ہیں۔ اس کا مطلب
یہ ہے کہ یزید کے ایمان میں اشتباہ رکھتے ہیں۔ اس کو مومن اور مسلمان
نہیں کہتے۔ اگر یہ یزید کو مومن کہتے تو توقف نہ کرتے۔ امام ابوحنیفہ نے

اگرچہ علمی طور پر استفادہ حماد بن سلیمان اشعری المتوفی سنہ ۱۲۰ھ سے کیا ہے۔ لیکن ابوحنیفہ نے جو علوم حماد سے حاصل کیے ہیں وہ دراصل حضرت علی المتوفی سنہ ۴۰ھ اور ابن مسعود المتوفی سنہ ۳۲ھ کی فقہ کا نچوڑ اور خلاصہ تھا۔ امام ابوحنیفہ نے اس کے علاوہ حضرت زید بن علی علیہ السلام، امام باقر علیہ السلام المتوفی سنہ ۱۱۴ھ، عبداللہ بن حسن بن حسن (عبداللہ المحض) المتوفی سنہ ۱۴۵ھ اور امام جعفر صادق علیہ السلام المتوفی سنہ ۱۴۸ھ سے بھی علمی استفادہ کیا۔ امام ابوحنیفہ، زید بن علی علیہ السلام کے متعلق فرماتے ہیں کہ میں نے زید بن علی اور ان کے دوسرے افراد خاندان کو دیکھا مگر میں نے ان سے زیادہ فقیہ، زیادہ فصیح و بلیغ اور حاضر جواب کسی کو نہ پایا حقیقت یہ ہے کہ علم میں زید[1] بن علی علیہ السلام کی کوئی مثال نہ تھی

---

[1] امام زید حضرت زین العابدین علیہ السلام کے صاحبزادے ہیں اور امام باقر علیہ السلام کے بھائی ہیں، آپ نے سنہ ۱۲۱ھ یا ۱۲۲ھ میں ہشام بن عبدالملک کے خلاف خروج کیا اور خروج کی وجہ آپ نے یہ بیان فرمائی کہ یہ لوگ (بنو امیہ) میرے دادا حسین علیہ السلام کے قاتل ہیں یہی ہیں جنھوں نے واقعہ حرہ میں مدینہ منورہ پر حملہ کیا اور اہلِ مدینہ کو تباہ کیا اور انھوں نے بیت اللہ پر پتھر پھینکے اور آگ برسائی۔ ایک مرتبہ حضرت زید اور ہشام بن عبدالملک کا مکالمہ ہوا جس میں ہشام نے حضرت زید پر اعتراض کیا کہ آپ خلافت کے کیسے مستحق ہیں، جبکہ آپ ایک کنیز کے بیٹے ہیں تو حضرت زید نے جواب دیا تمہیں معلوم نہیں کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی والدہ حضرت اسحاق علیہ السلام کی والدہ کی کنیز تھیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے بیٹے اسماعیل علیہ السلام کو نبی بنایا اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد سے ہی اللہ تعالیٰ نے محمد رسول اللہ کو پیدا کیا اور میں علی اور فاطمہ بنت محمد کا بیٹا ہوں (شذرات الذہب صد ۱۶۴ ج ۱) آپ نے جب (بقیہ اگلے صفحہ پر)

سوال :-

تمہاری کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ امام جعفر صادق علیہ السلام

(بقیہ صفحہ سابقہ) خروج کا ارادہ کیا تو بے شمار لوگوں نے آپ کی بیعت کی اور ابو حنیفہ نے فتویٰ جاری کیا کہ ان کے ساتھ جہاد میں شرکت کرنا ایسا ہی ہے جیسے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بدر میں شرکت کرنا تھا۔ وارسل الیہ ابو حنیفہ بثلاثین الف درھم وحث الناس علی نصرۃ وکان مریضا اور ابو حنیفہ نے آپ کی خدمت میں تیس ہزار درہم بھیجا اور لوگوں کو بھی کہا کہ حضرت زید کی ہر طرح امداد کرو اور خود ابو حنیفہ بیمار تھے لہٰذا جہاد میں شریک نہ ہو سکے۔ ہشام بن عبد الملک کو جب علم ہوا تو اس نے آپ کے مقابلہ میں عراق کے گورنر یوسف بن عمر ثقفی کو بھیجا۔ جب جنگ شروع ہونے لگی تو شیعوں نے حضرت زید کو کہا کہ ہم لوگ آپ کا ساتھ اس وقت دیں گے کہ جب آپ اپنی رائے ابو بکر صدیق اور عمر فاروق کے حق میں تبدیل کر لیں تو امام زید نے فرمایا جو شخص ابو بکر اور عمر سے برأت کرے گا میں ان سے برأت کرونگا میں ہرگز ابو بکر اور عمر کے خلاف کچھ نہیں کہہ سکتا۔ بنو امیہ کے خلاف تو میں خروج اس لیے کر رہا ہوں کہ انہوں نے میرے دادا حسین کو شہید کیا ہے۔ یہ سن کر شیعہ نے کہا نرفضک فسموا الرافضۃ یومئذٍ (شذرات الذہب صہ ۱۵۸ ج ۱) کہ ہم نے آپ کا ساتھ چھوڑ دیا ہے۔ یہی وجہ ان کو اس دن سے رافضی کہا جانے لگا اور شیعہ سے جن لوگوں نے آپ کا ساتھ دیا وہ زیدیہ کہلانے لگے اس خروج میں جب دشمن سے مقابلہ ہوا تو آپ شہید ہو گئے اور آپ کی لاش سولی پر لٹکائی گئی۔ ۱۲

مفتی غلام رسول

(لندن)

کے شاگرد تھے، یہ غلط ہے کیونکہ ابن تیمیہ نے لکھا ہے کہ امام جعفر صادق کے شاگرد نہیں تھے بلکہ معاصر تھے جب ابو حنیفہ معاصر (ہم عصر) ہوئے تو شاگرد نہ ہوئے۔

جواب:۔

سائل کی یہ بات غلط ہے کیونکہ امام ابو حنیفہ امام جعفر صادق کے شاگرد تھے۔ چنانچہ علامہ شبلی لکھتے ہیں کہ ابن تیمیہ نے جو کہا ہے کہ امام ابو حنیفہ امام جعفر صادق علیہ السلام کے شاگرد نہیں تھے بلکہ معاصر تھے غلط ہے۔ کیونکہ ابو حنیفہ اگرچہ مجتہد ہیں لیکن علم و فضل میں ان کو حضرت امام جعفر صادق سے کیا نسبت ہو سکتی ہے کہ حدیث و فقہ بلکہ تمام مذہبی علوم اہل بیت کے گھر سے نکلے ہیں (سیرت نعمان صفحہ ۳۱)

اس سے ثابت ہوا کہ ابو حنیفہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کے شاگرد ہیں اور یہ بھی ثابت ہوا کہ علم و فضل میں اہل بیت کی مثل کوئی بھی نہیں خواہ وہ مجتہد اور عالم کیوں نہ ہو۔ امام ابو حنیفہ نے علمی طور پر بھی اہل بیت سے استفادہ کیا اور سیاسی طور پر بھی اہل بیت رسول کے دامن سے ہمیشہ ہمیشہ وابستہ رہے بلکہ اہل بیت کی حمایت میں متعدد مرتبہ قابل تحسین موقف اختیار کیا جس کی بنا پر سن کہولت میں حکومت وقت کی طرف سے ان پر عتاب نازل ہوا اور آخر کار حق کے ساتھ اور نہایت بے نیازی کی حالت میں عترت نبوی کی محبت میں مقام شہادت حاصل کیا (عہد حیات صفحہ ۱۲۸) اس سے واضح ہوا کہ جس شخص کی زندگی کا ماحصل ہی محبت اہل بیت ہو اور پھر اسی پر اس کی موت بھی ہو جائے تو کیا ایسا شخص کسی وقت بھی دشمن اہل بیت (یزید) کی حمایت کر سکتا ہے یا اس کی تعریف و توصیف کر سکتا ہے ہرگز ہرگز نہیں۔ امام

ابوحنیفہ نے زندگی کے ۵۲ سال بنوامیہ کی حکومت میں گزارے اور ۱۸ سال عہدِ عباسی میں امام ابوحنیفہ نے تمام انقلابات دیکھے جن سے ابوحنیفہ متاثر بھی ہوئے، تحقیق اور ریسرچ (RESEARCH) سے پتہ چلتا ہے کہ علویوں نے جب پہلی مرتبہ بنوامیہ کے خلاف خروج کیا تو امام ابوحنیفہ اس وقت بھی دل سے علویوں کے ساتھ تھے، پھر جب دوبارہ علویوں نے عباسیوں کے خلاف خروج کیا تو اس وقت بھی ابوحنیفہ کی دلی ہمدردیاں علویوں ہی کے ساتھ تھیں۔ امام ابوحنیفہ بنوامیہ کو کسی طرح بھی شرعی یا دینی لحاظ سے سلطنت کا حق دار یا اہل نہیں سمجھتے تھے، یہ ہی وجہ تھی کہ امام ابوحنیفہ نے ہر حال میں امام زید علیہ السلام کی حمایت کی جس طرح بھی ہو سکا امام ابوحنیفہ نے حضرت امام زید علیہ السلام کا ساتھ دیا اسی طرح جب محمد نفس ذکیہ المتوفی ۱۴۵ھ نے ۱۴۵ھ میں ابوجعفر منصور عباسی المتوفی ۱۵۸ھ کے خلاف خروج کیا تو امام ابوحنیفہ نے ان کی حمایت کی بلکہ منصور عباسی کی فوج کے سپہ سالار حسن بن قحطبہ نے محمد نفس ذکیہ کے ساتھ لڑنے سے انکار کر دیا اسی طرح امام مالک المتوفی ۱۷۹ھ نے فتویٰ دیا کہ لوگوں کو چاہیے کہ وہ محمد بن عبداللہ نفس ذکیہ کے ہاتھ پر بیعت کریں بعض لوگوں نے کہا کہ ہم تو منصور کی خلافت پر بیعت کر چکے ہیں۔ امام مالک نے جواب دیا تم لوگ مجبور تھے اور بیعت جبری کوئی چیز نہیں ہے (شذرات الذہب صہ ۲۱۴ ج ۱۔ البدایہ والنہایہ صہ ۸۴ ج ۱۰)۔ بہر صورت امام ابوحنیفہ آل علی کے جذبہ محبت سے سرشار تھے اور آل علی کے حامی تھے پھر ابوحنیفہ سے کیسے توقع ہو سکتی ہے کہ وہ یزید کے معاملہ میں اس کی تعریف کریں بلکہ ان کے متعلق جو مشہور ہوا ہے کہ وہ توقف کرتے ہیں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ اس کے مسلمان ہونے اور مومن ہونے میں اشتباہ کرتے ہیں۔ اگر امام ابوحنیفہ یزید

کو مومن اور مسلمان سمجھتے تو پھر اس کے معاملے میں کبھی توقف نہ کرتے، بہر کیف امام ابو حنیفہ یزید کو مسلمان اور مومن نہیں سمجھتے تھے اور امام احمد بن حنبل تو یزید کی تکفیر کرتے تھے۔

سوال :۔

آپ نے کہا ہے کہ امام احمد بن حنبل یزید کی تکفیر کرتے تھے یہ درست نہیں ہے کیونکہ امام احمد بن حنبل نے اپنی کتاب "کتاب الزھد" میں یزید کی تعریف و توصیف بیان کی ہے۔ چنانچہ لکھتے ہیں کہ یزید زھاد و عباد امت کی مجالس میں شریک ہوتے۔ حضرت ابو درداء جیسے زاہد صحابی سے بہت مانوس تھے اور یزید نے حضرت ابو درداء سے رشتہ بھی مانگا وہ یزید کو بہت پسند کرتے تھے مگر اپنی بیٹی ایسے گھرانے میں بیاہنے کو تیار نہ تھے جہاں کام کاج کے لیے خادم موجود ہو۔ پھر انہوں نے اپنی بیٹی یزید ہی کے ایک جلیس (ساتھی) کے عقد میں دے دی حالانکہ یزید کے یہ ہم جلیس غریب مسلمانوں میں سے تھے (کتاب الزہد امام احمد بن حنبل ص ۱۴۳) اس سے تو ظاہر ہوتا ہے کہ یزید متقی و پرہیز گار آدمی تھا، نیک لوگوں کی مجلس میں بیٹھا کرتا تھا مگر آپ کہتے ہیں کہ امام احمد بن حنبل یزید کی تکفیر کرتے تھے۔ اگر وہ تکفیر کرتے تھے تو انہوں نے کتاب الزہد میں یزید کی تعریف کیوں بیان کی۔

جواب :۔

سائل کا یہ قول غلط اور بے بنیاد ہے کیونکہ امام احمد بن حنبل نے اپنی کتاب الزہد میں یزید کا ایسا کوئی واقعہ ذکر نہیں کیا جس سے ثابت ہوتا ہو کہ یزید، زاہد متقی پرہیز گار اور حضرت ابو درداء کی صحبت میں بیٹھنے والا تھا۔ دیکھیے ایک خارجی (محمود عباسی) اپنی کتاب خلافت معاویہ و یزید میں یزید کی

حمایت اور نصرت کرتے ہوئے یہ واقعہ لکھنے کے بعد کہتا ہے کہ یہ واقعہ پہلے کتاب الزہد میں تھا لیکن اب نہیں ہے یہ محمود عباسی کی صریح غلطی اور سفید جھوٹ ہے کیونکہ حقیقت یہ ہے کہ امام احمد بن حنبل کی کتاب الزھد میں نہ اب یہ عبارت ہے اور نہ پہلے کبھی تھی اور نہ ہی امام احمد بن حنبل یزید کو متقی، زاہد، غریبوں کا ہمدرد اور صحابہ کی مجلس میں بیٹھنے والا سمجھتے ہیں بلکہ امام احمد بن حنبل تو صراحتہً یزید کو لعنتی سمجھتے ہیں اور اس کی تکفیر کرتے ہیں جیسے کہ پہلے گزر چکا ہے۔ یہ عبارت اور واقعہ کتاب الزھد میں ہرگز نہیں ہے جس پر واضح ثبوت یہ ہے کہ یزید نے حضرت ابو درداء کی صحبت اور مجلس نہیں کی اور نہ ہی آپ سے رشتہ مانگا ہے کیونکہ یزید ابھی چار سال سے بھی کم عمر کا تھا کہ حضرت ابو درداء کی وفات ہوگئی تھی چنانچہ ابن کثیر لکھتے ہیں کہ یزید بن معاویہ ۲۷ھ میں پیدا ہوا اس کی ماں کا نام میسون بنت مخول بن انیف کلبی تھا (البدایہ والنہایہ صفحہ ۲۲۶ ج ۸) جب یزید ۲۷ھ میں پیدا اور حضرت ابو درداء کی وفات ۳۱ھ میں ہوگئی تھی تو اس سے ثابت ہوا کہ یہ بات صریح غلط ہے کہ یزید کی ملاقات حضرت ابو درداء سے ہوئی تھی اور وہ آپ کی مجلس میں بیٹھا کرتا تھا اور یہ کہ اس نے آپ سے رشتہ مانگا تھا اور ابو درداء نے بجائے یزید کے اس کے ایک غریب ساتھی کے ساتھ اپنی لڑکی کو بیاہ دیا۔ جب یہ واقعہ عقلاً اور نقلاً غلط ہے تو ایک غلط واقعہ کو امام احمد بن حنبل اپنی کتاب الزھد میں کیسے لا سکتے تھے خوارج اور یزید کے حواریوں کا یہ کہنا کہ پہلے یہ عبارت کتاب الزھد میں تھی پھر نکال دی گئی ہے۔ بنیادی طور پر غلط ہے یا پھر خارجیوں کا کذب اور افتراء ہے امام احمد بن حنبل کے متعلق تو سوچا بھی نہیں جا سکتا کہ آپ ایسی بات کتاب الزھد میں ذکر کریں جبکہ آپ نے یزید کو ملعون اور کافر کہا ہے۔

سوال :-

تم نے کہا ہے کہ امام احمد بن حنبل نے کتاب الزھد میں یزید کا ذکر نہیں کیا۔ یہ درست نہیں ہے کیونکہ امام احمد نے کتاب الزھد صہ ۴۲ امیں یزید کا ذکر کیا ہے اور یہ واقعہ بھی درج کیا ہے۔

جواب :-

سائل کو غلط فہمی ہوئی ہے امام احمد بن حنبل نے جس یزید کا ذکر کیا ہے وہ یزید بن ابی سفیان ہے جو کہ معاویہ کے بھائی ہیں اور یزید ملعون کے چچا ہیں یہ صالح، نیک، متقی، زاھد اور دیانت دار تھے۔ یہ اور ابو درداء دونوں ایک زمانے میں ہی دمشق میں رہائش پذیر ہوئے اور یہ دمشق کے حاکم تھے ان کے اور حضرت ابو درداء کے اچھے خاصے تعلقات تھے۔ حضرت ابو درداء نے ان کو اپنی بیٹی اس وجہ سے نہ دی تھی کہ ان کے گھر میں خادم ہے۔ یزید بن ابی سفیان نے اپنے بعد امیر معاویہ کو اپنا قائم مقام مقرر کیا۔ یزید بن ابی سفیان طاعون عمواس میں ۱۸ھ میں فوت ہوئے۔ الاصابہ صہ ۶۱۹ ج ۳۔ الاستیعاب صہ ۶۱۳ ج ۳)

ابن کثیر نے ایک روایت کے مطابق ان کی وفات ۱۷ھ لکھی ہے کیونکہ وہ لکھتے ہیں کہ یہ طاعون ۱۷ھ میں تھا جس میں یہ فوت ہوئے الذی توفی فیہ ابو عبیدہ و معاذ و یزید بن ابی سفیان و غیرھم من اشراف الصحابۃ اوردہ ابن جریر فی ھذہ السنۃ۔ (البدایہ والنہایہ صہ ۷۵ ج ۷) نیز ابن کثیر یزید بن ابی سفیان کے ترجمہ میں لکھتے ہیں کہ یہ یزید اکبر ہیں ان کو یزید الخیر بھی کہا جاتا ہے۔ یہ فتح مکہ کے دن مسلمان ہوئے۔ جنگ حنین میں حاضر ہوئے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو سو اونٹ اور چالیس اوقیہ (ایک اوقیہ ساڑھے دس تولہ کا ہوتا ہے)

سونا دیا تھا اور ابو بکر صدیق المتوفی ۱۳ھ نے اپنے عہد خلافت میں ان کو شام کے لیے حاکم بنا دیا تھا جب یہ مدینہ منورہ سے چلنے لگے تو حضرت ابو بکر صدیق نے ان کو الوداع کرتے وقت کچھ نصیحتیں بھی فرمائیں ان کے ساتھ ابو عبیدہ عمرو بن عاص اور شرجیل بن حسنہ المتوفی ۱۸ھ بھی تھے اور مشہور یہی ہے کہ طاعون عمواس[1] میں فوت ہو گئے تھے۔ ان سے درج ذیل حدیث مروی ہے۔

مثل الذی یصلی ولا یتم رکوعہ ولا سجودہ مثل الجائع الذی لا یأکل الا التمرۃ والتمرتین لا یغنیان عنہ شیئاً (البدایہ والنہایہ ص۹۵ ج ۷) یعنی جو شخص نماز پڑھتا ہے اور اس میں رکوع سجدہ پوری طرح سے ادا نہیں کرتا اس کی مثال یوں ہی ہے جیسا کہ بھوکا آدمی ایک یا دو کھجوریں کھائے تو وہ اس کو مفید نہیں ہیں اور نہ ہی وہ اس کی بھوک ختم کر سکتی ہیں۔ اسی طرح جو شخص نماز پڑھتا ہے اس میں رکوع اور سجدہ مکمل ادا نہیں کرتا یہ نماز بھی اس کے لیے مفید نہیں ہے اس سے ثابت ہوا کہ جس یزید کے متعلق احمد بن حنبل نے ذکر کیا ہے وہ یزید بن ابی سفیان ہیں جو کہ صحابی ہیں اور یہ یزید خبیث جو کہ امیر معاویہ کا بیٹا ہے

---

[1] عمواس ایک گاؤں کا نام ہے جو بیت المقدس اور رملہ کے درمیان واقع ہے چونکہ طاعون کی ابتداء اس گاؤں سے ہوئی تھی بلذا اس کو طاعون عمواس کہا جاتا ہے۔ اس بیماری سے صرف شام کے علاقہ میں تیس ہزار مسلمان فوت ہو گئے۔

(البدایہ والنہایہ ص۹۳ ج ۷)

مفتی غلام رسول (لندن)

اس کی پیدائش ۲۷ھ ہے۔ اس کے متعلق امام احمد نے نہیں لکھا کہ وہ زاہد اور متقی ہے بلکہ اس کی تو امام احمد نے تکفیر کی ہے اور جو خارجی یزید کے حامی و ناصر ہیں وہ لوگوں کو دھوکا اور فریب دینے کے لیے یزید بن معاویہ کو یزید بن ابی سفیان کی شکل و صورت میں پیش کر کے اور یزید بن ابی سفیان کے فضائل و مناقب یزید خبیث پر چسپاں کر کے اس کی فضیلت ظاہر کرنے کی کوشش کرتے ہیں جو کہ ایک ظاہر فراڈ ہے۔ چنانچہ ابن تیمیہ لکھتے ہیں کہ یزید بن معاویہ اور ہے اور یزید بن ابی سفیان اور ہیں۔ بعض جاہلوں نے دونوں کو ایک سمجھ کر تمیز نہیں کی حالانکہ یزید بن ابی سفیان تو صحابی اور صاحب فضیلت اور منقبت تھے اور یہ یزید خبیث تو خلافت حضرت عثمان میں پیدا ہوا تھا (منہاج السنۃ صفحہ ۲۴۷ ج ۲) ابن تیمیہ کے کلام سے واضح ہوا کہ جس یزید کے متعلق امام احمد بن حنبل نے کتاب الزھد میں ذکر کیا ہے وہ یزید بن ابی سفیان صحابی ہیں۔ بعض جاہل لوگوں نے اپنی جہالت کی وجہ سے یہ گمان کر لیا کہ یزید بن معاویہ جو ہے وہ صاحب فضیلت ہے جو کہ صریح غلط ہے۔

سوال:۔

ابوبکر بن العربی نے لکھا ہے کہ یزید حق پر تھا نیز ابوبکر بن العربی نے امام احمد بن حنبل کی کتاب الزھد کے حوالہ سے لکھا ہے کہ امام احمد کے نزدیک یزید ایک برگزیدہ انسان تھا۔ حتی یدخلہ فی جملۃ الزھاد من الصحابۃ والتابعین الذی یقتدی بقولھم (العواصم من القواصم صفحہ ۲۳۳) حتی کہ امام احمد بن حنبل نے یزید کو زھاد صحابہ اور تابعین میں شمار کیا ہے جن کی اقتدا کی جاتی ہے اور جن کے وعظ سے لوگ

گناہ چھوڑ دیتے ہیں۔ امام احمد نے یزید کو صحابہ کے طبقہ میں شمار کیا ہے اور پھر اس کے بعد تابعین کا ذکر کیا ہے۔ ابو بکر بن العربی کے کلام سے ثابت ہوا کہ یزید حق پر تھا۔

جواب:۔

ابو بکر بن العربی[1] کا یہ قول کہ یزید حق پر تھا غلط ہے۔ ابو بکر بن العربی نے

---

[1] اس کا نام محمد بن عبد اللہ بن محمد بن عبد اللہ بن احمد ہے۔ یہ اندلس کا رہنے والا تھا۔ اپنے باپ کے ساتھ مشرق کا سفر کیا اور شام میں گیا۔ یہاں علم، فقہ، اور علم حدیث حاصل کیا پھر بغداد پہنچا اور وہاں بھی محدثین سے سماع کیا۔ پھر حج کیا اور مصر چلا گیا۔ مصر اور اسکندریہ میں بھی محدثین سے استفادہ کیا پھر واپس وطن آیا یہاں اکر اجتہاد کا دعویٰ کیا۔ ایک تفسیر لکھی۔ مؤطا اور ترمذی کی شرح بھی تصنیف کی اور اشبیلیہ کا قاضی بھی مقرر ہوا۔ اور ابن کثیر لکھتے ہیں کہ اس نے فلسفیانہ عقیدہ اختیار کر لیا تھا جس کی وجہ سے اس کے نظر و فکر گندے ہو گئے تھے اور یہ اسلام اور اہلِ بیتِ رسول کا گستاخ ہو گیا تھا۔ بایں وجہ اس نے امام حسین علیہ السلام کے متعلق توہین آمیز کلمات استعمال کیے اور کہا قتل بسیف جدہ کہ حسین اسلامی شریعت کے رو سے قتل ہوئے ہیں۔ ابن العربی کی اس گستاخی کی وجہ سے محدثین اور علمائے اسلام نے اس کی تضلیل کی ہے۔ ملا علی القاری المتوفی ۱۰۱۴ھ نے اس کو جاہل اور اس کے قول کو باطل کہا ہے (حاشیہ نبراس صہ ۵۵۰)۔ ابن خلدون نے بھی کہا کہ ابن العربی نے یہ بات کر کے بہت سخت غلطی کی ہے۔ بہر صورت ابن العربی نے امام حسین علیہ السلام کے متعلق یہ ہتک آمیز کلمات استعمال کر کے اپنے آپ کو گمراہ ثابت کر دیا ہے (بقیہ اگلے صفحہ پر)

اپنی اس کتاب "العواصم" میں اموی خاندان کی بے جا حمایت کی ہے۔ کبھی یزید کو خلیفہ برحق کہا ہے۔ کبھی اس کو صحابی بنایا ہے اور کبھی تابعی کہا ہے کبھی یزید کو متقی، زاہد، عابد، غریبوں کا ماوٰی و ملجا کہا ہے۔ یہ ابن العربی المتوفی ۵۴۳ھ کی صریح غلطی ہے۔ اسی لیے ابن کثیر نے کہا ہے کہ ابن العربی اگرچہ صاحب علم تھا لیکن اس کا عقیدہ فلسفیانہ تھا۔ چنانچہ لکھتے ہیں وکان یتھم برای الفلاسفة ویقول دخل فی اجوا فھم فلم یخرج منھم کہ فلاسفہ کے اعتقاد سے متہم ہوا ہے اور پھر فلاسفہ کے اندر اس طرح داخل ہوا ہے کہ ان سے باہر نہیں نکل سکا۔ (البدایہ والنہایہ صہ ۲۲۹ ج ۱۲)۔

ابن کثیر کی کلام سے ظاہر ہوا کہ ابن العربی اپنے نظر و فکر کے اعتبار سے فلسفی تھا۔ بایں وجہ اس کا عقیدہ بھی گندا اور خراب تھا بلکہ گمراہ ہو گیا تھا اور اس گمراہی کی وجہ سے وہ اہل بیت کا گستاخ اور بے ادب تھا۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) علماء نے ابوبکر بن العربی اور اسلامی تصوف کے رہنما اور وحدت الوجود کے بانی شیخ الاکبر محی الدین ابن عربی المتوفی ۶۳۸ھ کے درمیان فرق کرنے کے لیے امتیازی نشان یہ رکھا ہے کہ اگر عربی سے "ال" گرا دیا گیا تو شیخ اکبر مراد ہیں۔ اگر "ال" ہو (العربی) تو یہ اہل بیت کا گستاخ ابوبکر مراد ہے۔ گویا کہ گستاخ کو متعین کرنے کے لیے الف لام لایا گیا ہے ۱۲

مفتی غلام رسول

(لندن)

چنانچہ ابن خلدون بھی لکھتے ہیں کہ ابن العربی نے اس سلسلے میں اپنی کتاب "العواصم من القواصم" میں جو یہ لکھا ہے کہ حسین اسلامی شریعت کی رو سے قتل ہوئے سراسر غلط ہے۔ ابن العربی سے یہ غلطی اس لیے ہوئی کہ وہ جنگ کے لیے امام عادل کی شرط بھول گئے۔ بھلا اس زمانے میں ہوا پرستوں سے لڑنے کے لیے امامت و عدالت میں امام حسین سے بڑھ کر کون مستحق ہو سکتا تھا لہٰذا ان کی شہادت ہے نہ کہ بغاوت کی راہ سے قتل ہوئے (مقدمہ ابن خلدون صہ ۳۶ ج ۲) نیز ہم کہتے ہیں کہ قاضی ابوبکر بن العربی چونکہ اندلس میں پیدا ہوا تھا۔ یہاں ہی اس کی اکثر زندگی کا حصہ گزرا اور یہاں یہ قاضی القضاۃ کے منصب پر بھی فائز رہا اور یہ بات ظاہر ہے کہ اندلس کا ماحول عقائد اور اعمال کے لحاظ سے بنو امیہ کے خاندان سے متاثر تھا مشہور ہے "الناس علی دین ملوکھم" کہ لوگ تو اپنے بادشاہوں کے طریقہ پر ہوتے ہیں۔ چنانچہ ۴۱ھ سے لے کر ۱۳۲ھ تک خاندان بنو امیہ کی حکومت رہی اور ۹۳ھ میں اندلس فتح ہوا۔ اس وقت امیہ خاندان کا بادشاہ ولید بن عبدالملک تھا اور اس خاندان کی اندلس میں حکومت ۴۲۸ھ تک رہی ہے جس کی تفصیل یوں ہے کہ ۴۱ھ میں مستقل طور پر حضرت معاویہ برسر اقتدار آئے اور ۶۰ھ میں ان کی وفات ہوئی۔ ان کے بعد ان کا ولی عہد ان کا لڑکا یزید برسر اقتدار آیا اس کی حکومت صرف تین سال سات ماہ بائیس دن رہی اس نے اپنی حکومت میں خصوصی کام یہ کیے۔ امام حسین علیہ السلام اور ان کے ساتھیوں کو کربلا میں ظلماً شہید کروایا۔ اہلِ بیتِ رسول کی توہین کی مدینہ منورہ کو تباہ کیا۔ مکہ مکرمہ پر حملہ کرایا اور کعبہ پر سنگ باری کی۔ شراب اور دیگر محرمات کو حلال کیا اور اس کی ہلاکت ۶۴ھ میں واقع ہوئی اور

اس کے بعد اس کا بیٹا معاویہ بن یزید حاکم بنا۔ اس نے صرف چالیس دن حکومت کی۔ بیمار ہوا، حکومت سے علیحدگی اختیار کی اور سنہ ۶۴ھ میں اس کی موت بھی واقع ہوگئی۔ اور اس کے بعد امیہ خاندان کا سرکردہ آدمی مروان بن حکم بادشاہ بنا جس کی حکومت ۹ ماہ ۱۸ دن رہی۔ یہ سنہ ۶۵ھ میں ہلاک ہوا۔ اس کے بعد عبدالملک بن مروان بادشاہ بنا اس کی حکومت کی مدت ۱۳ سال اور کچھ ماہ ہے اس کی وفات سنہ ۸۶ھ ہے۔ اس کے بعد اس کا بیٹا ولید بن عبدالملک بادشاہ مقرر ہوا۔ اس کی وفات سنہ ۹۶ھ میں ہوئی۔ اس کے بعد سلیمان بن عبدالملک بادشاہ بنا اس کی وفات بھی سنہ ۹۶ھ میں ہوگئی۔ اس کے بعد عمر بن عبدالعزیز خلیفہ ہوگئے آپ کی وفات سنہ ۱۰۱ھ میں ہوئی اس کے بعد ہشام بن عبدالملک بادشاہ ہوا اس کی حکومت کی مدت تقریباً بیس سال تھی۔ ان کے بعد ولید بن عبدالملک بادشاہ بنا۔ یہ سنہ ۱۲۶ھ میں فوت ہوگیا۔ اس کے بعد یزید بن ولید (یزید ناقص) کو بادشاہ بنایا گیا یہ بھی سنہ ۱۲۶ھ میں ہلاک ہوگیا۔ اس کے بعد ابراہیم بن ولید بادشاہ بنا۔ اس نے سنہ ۱۲۷ھ میں حکومت سے علیحدگی اختیار کی اور مروان بن محمد کی بیعت کرلی اور یہ مروان بن محمد اموی خاندان کا عرب میں آخری بادشاہ تھا۔ اور یہ سنہ ۱۳۲ھ میں ہلاک ہوا اور سنہ ۱۳۲ھ میں عباسی حکومت قائم ہوئی اور حکومت عباسیہ کا بانی اور پہلا خلیفہ ابوالعباس سفاح تھا اور ابوالعباس عبداللہ سفاح بن محمد بن علی بن عبداللہ بن عباس بن عبدالمطلب بن ہاشم سنہ ۱۰۴ھ میں پیدا ہوا۔ یہ نہایت تیز فہم، حاضر جواب۔ اور خون ریز تھا۔ ابن عماد حنبلی لکھتے ہیں کہ اس کو خون ریزی کی وجہ سے ہی سفاح کہا جاتا ہے کیونکہ اس نے بنی امیہ کی خونریزی کی ہے (شذرات الذہب، صہ ۱۹۵ ج ۱) بعض نے کہا کہ بوجہ سخی ہونے اور مہمان نواز ہونے اس کو سفاح کہا جاتا ہے کیونکہ عربی زبان

میں سفاح سخی، مہمان نواز، اور جو زبان پر عبور رکھتا ہو پر بولا جاتا ہے لیکن اس معنے کا عبداللہ سفاح پر صادق آنا غیر مناسب ہے کیونکہ اس نے برسر اقتدار آنے کے بعد بنی اُمیہ کی مہمان نوازی خونریزی سے کی تھی لہٰذا اس کو سفاح کہنے کی وجہ جو ابن عماد حنبلی نے ذکر کی ہے وہی درست ہے۔ حضرت امام حسین علیہ السلام کی شہادت کے بعد علویوں کے دو گروہ ہو گئے تھے۔ ایک گروہ تو امام حسین کی اولاد کو خلافت کے مستحق سمجھتے تھے اور دوسرا گروہ محمد بن حنفیہ المتوفی ۸۱ھ کو سب سے زیادہ خلافت کا حق دار مانتے تھے اور تیسرا گروہ عباسیوں کا تھا، یہ تینوں گروہ بنو اُمیہ کے خلاف تھے ان تینوں جماعتوں نے اتحاد کر کے اپنے لیے ایک راہ عمل تجویز کی کہ پوشیدہ طور پر لوگوں کو اپنا ہم خیال بنایا جائے۔ مرکزی چیز تینوں کے نزدیک عقیدت اہل بیت ہونی چاہیے اور لوگوں کو بنی اُمیہ کی حکومت کی کمزوریاں بتائی جائیں اور یہ بھی بتایا جائے کہ خلافت کے مستحق تو اہل بیت رسول ہیں۔ اس تحریک کی ابتداء عبدالملک بن مروان المتوفی ۸۶ھ کے زمانہ میں ہی شروع ہو چکی تھی۔ ان تینوں جماعتوں کے نقیب اپنے اپنے تھے ہر نقیب کو یہ ہدایت تھی کہ وہ صرف اہل بیت رسول کے خلافت کے حق دار ہونے کی دعوت دے۔ ان تینوں جماعتوں سے یتو عباس کے داعی اور نقیب جو تھے وہ بڑے ہوشیار تھے۔ انھوں نے اپنا مرکز ایک غیر معروف گاؤں "حمیمہ" جو دمشق اور مدینہ کے درمیان تھا بنایا ہوا تھا پھر محمد بن حنفیہ کی وجہ سے عباسیوں کی قوت میں اضافہ ہو گیا، کیونکہ محمد بن حنفیہ نے اپنی جماعت کو ان میں شامل کر دیا اور کہا کہ اب میری جماعت کے تمام آدمی محمد بن علی عباسی کے احکام کی اتباع کریں اور ۱۲۴ھ میں محمد بن علی عباسی کا انتقال ہو گیا تو ان کے بیٹے

ابراہیم جانشین ہوئے۔ ابراہیم نے اس تحریک کو وسیع کیا۔ ہر علاقے کے لیے الگ الگ داعی مقرر کیے۔ عراق، خراسان، فارس، شام، حجاز وغیرہ تمام ممالک اسلامیہ میں اپنی تحریک پھیلا دی۔ ابراہیم کو خوش قسمتی سے ایک ایسا آدمی مل گیا جس نے آئندہ چل کر تحریک کو کامیابی تک پہنچا دیا وہ تھا ابو مسلم خراسانی المتوفی ۱۳۷ھ۔ ابراہیم نے عراق، خراسان وغیرہ کے تمام داعیوں کا سربراہ ابو مسلم خراسانی کو مقرر کیا اور ان حالات میں ہی ابراہیم کی وفات ہو گئی ان کا جانشین ان کا بھائی ابو العباس سفاح ہوا۔ سفاح نے بھی ابو مسلم خراسانی کی سرداری کو بحال رکھا اور آہستہ آہستہ ابو مسلم خراسان پر قابض ہو گیا اس کے بعد ابو مسلم، قحطبہ بن شبیب اور دوسرے نقباء نے ماوراء النہر، بلخ، بصرہ، کوفہ وغیرہ پر قبضہ کر لیا اور ابراہیم نے وفات کے وقت ابو العباس سفاح کو وصیت کی تھی کہ تم لوگ کوفہ چلا جانا ہے۔ لہٰذا ابو العباس سفاح کوفہ چلا آیا۔ ۱۲ ربیع الاول بروز جمعہ ۱۳۲ھ ہجری میں سفاح کوفہ کے دار الامارۃ میں داخل ہوا پھر جامع مسجد میں آیا خطبہ دیا اور نماز جمعہ پڑھائی اور لوگوں سے بیعت لی اور کوفہ میں بحیثیت خلیفہ قیام کر لیا۔ جب ابراہیم زندہ تھے تو انہوں نے ابو مسلم خراسانی کو تاکیدی طور پر کہا تھا کہ بنو امیہ اور ان کی حکومت کے جو طرفدار ہیں ان کو ہر صورت میں ختم کرنا ہے اور یہی نظریہ ابو العباس سفاح کا بھی تھا، لہٰذا ابو مسلم، ابو العباس سفاح اور دیگر عباسیوں نے بنو امیہ اور ان کے طرفداروں کا قتل عام شروع کر دیا۔ ابو العباس کا چچا عبداللہ بن علی جب دمشق میں داخل ہوا تو اس نے وہاں قتل عام کا حکم دیا۔ ایک مرتبہ سفاح کا یہ چچا عبداللہ بن علی اور سفاح دونوں فلسطین کے علاقے "نہر ابی فطرس" کے مقام پر کھانا کھا رہے تھے۔ ان کے ساتھ بنو امیہ کے سرکردہ نوے آدمی جو

قیدی تھے وہ بھی کھانا کھانے لگے تھے۔ ایک شاعر شدیف بن میمون آ گیا۔ اس نے چند اشعار پڑھے جن میں بنوامیہ کی مذمت اور ابراہیم کے قید ہونے کا ذکر اور بنوامیہ کے قتل کی ترغیب تھی۔ جب یہ اشعار سفاح نے سنے اسی وقت اپنے غلاموں کو حکم دیا کہ ان بنوامیہ کے تمام افراد کو قتل کر دو فوراً ان کو ذبح کر دیا گیا پھر ان کی لاشوں کو برابر کر کے ان پر دستر خوان بچھایا گیا اور کھانا کھایا گیا۔ اس کے بعد عبداللہ بن علی نے بنوامیہ کے بادشاہوں کی قبروں کو کھدوایا عبدالملک المتوفی ۸۶ھ کی قبر سے اس کی کھوپڑی نکلی، امیر معاویہ المتوفی ۶۰ھ کی قبر سے کچھ بھی نہ نکلا، ہشام بن عبدالملک المتوفی ۱۲۵ھ کی قبر سے اس کا جسم صحیح وسالم نکلا تو عبداللہ بن علی نے اس کی لاش کو کوڑے لگوائے پھر دار پر لٹکایا پھر جلا کر اس کی راکھ ہوا میں اڑا دی۔ پھر ان عباسی حکمرانوں نے بصرہ، کوفہ، مکہ، مدینہ منورہ یمن غرض تمام ممالک محروسہ میں حکم جاری کر دیا جہاں کہیں بنوامیہ سے کوئی نظر آئے اس کو قتل کر دیا جائے۔ اب صورت حال یہ ہوگئی کہ بنوامیہ کا کوئی فرد بھی نہ بچا وہی بچا جو بھاگ کر کسی دور دراز ملک میں چلا گیا۔ بنوامیہ کا ایک شخص عبدالرحمان بن معاویہ بن ہشام المتوفی سنہ ۱۷۲ھ فرار ہو کر مصر و قیروان ہوتا ہوا اندلس پہنچ گیا۔ چونکہ اندلس میں بنوامیہ کا اثر و رسوخ تھا یہ اندلس پہنچا اس نے فراست و تدبر سے ایسی سلطنت قائم کی جس کو دنیا والے رشک کی نگاہوں سے دیکھتے تھے (البدایہ والنہایہ ص ۲۳۹ ج ۸۔ شذرات الذہب ص ۱۸۶ ج ۱۔ ابن اثیر ص ۱۶۱ ج ۵۔ اخبار اندلس ص ۲۹۰) ابن عماد حنبلی لکھتے ہیں کہ عبدالرحمان بن معاویہ کی عمر ۶۲ سال تھی اور اس کی وفات سنہ ۱۷۲ھ میں ہوئی اور اس کو قصر قرطبہ میں دفن کیا گیا۔ اس کے بعد اس کا بیٹا ہشام بادشاہ بنا اس کے بعد حکم بن ہشام المتوفی سنہ ۲۰۶ھ بادشاہ مقرر ہوا، اس کے بعد عبدالرحمان الاوسط

المتوفی ۲۳۵ھ بادشاہ ہوا اس کے بعد سلطان محمد المتوفی ۲۴۹ھ بادشاہ ہوا۔ اس کے بعد منذر بادشاہ ہوا اور اس کے بعد عبداللہ اور اس کے بعد عبدالرحمان ثالث اور اس کے بعد الحکم الثانی پھر ہشام ثانی پھر محمد بن ہشام پھر مستعین باللہ پھر مرتضیٰ عبدالرحمان پھر عبدالرحمان المستظہر باللہ پھر المستکفی باللہ اور بنوامیہ کا آخری تاج دار ہشام بن محمد ہوا ہے۔ اس کی موت ۴۲۸ھ میں ہوئی ہے۔ غرضیکہ ۲۸۵ سال کے عرصہ تک بنوامیہ کی اندلس میں حکومت رہی۔ ان کا اقتدار جب ختم ہوا تو ملک افراتفری کا شکار تھا۔ کچھ عرصہ بعد ۴۶۲ھ میں اندلس پر مرابطین (نقاب پوشوں) نے قبضہ کر لیا جن کا سربراہ یوسف تاشفین تھا۔ یہ خاندان تقریباً اسّی سال تک اندلس پر قابض رہا۔ ان سے درج ذیل حکمران ہوئے۔

تاشفین یوسف المتوفی ۵۰۰ھ علی بن یوسف المتوفی ۵۳۵ھ اسحاق المتوفی ۵۴۲ھ، اور ظاہر ہے کہ اندلس میں تقریباً تین سو سال تک بنوامیہ کی حکومت ہونے کی وجہ سے لوگ ان کے عقائد اور اعمال و افعال سے متاثر تھے۔ ابوبکر بن العربی بھی اندلس میں رہنے اور اہلِ اندلس ہونے کی وجہ سے بنوامیہ کی حکومت کے عقائد سے متاثر تھا۔ ابوبکر بن العربی اگرچہ مرابطین کے زمانہ میں اشبیلیہ کا قاضی رہا ہے۔ لیکن جہاں تک اہلِ اندلس کے عقائد کا تعلق تھا وہ تو ظاہر ہے کہ لوگوں کے دلوں پر بنوامیہ کے حکمرانوں کے اثرات ثبت تھے۔ چنانچہ اصحابِ تاریخ لکھتے ہیں کہ اندلس میں ایسے لوگوں کی کمی نہ تھی جنہیں اموی خلفاء کے ساتھ محبت اور عقیدت نہ ہو۔ (اخبار اندلس صفحہ ۳۹ ج ۳) پھر ابوبکر بن العربی تو علماء سوء سے تھا

(حاشیہ اگلے صفحہ پر)

اس کے خارجی اور ناصبی ہونے میں تو شک نہیں ہو سکتا اس لیے اس نے اموی خاندان کے کسی با اثر فرد سے متاثر ہو کر یا اس کے ایماء پر دنیاوی مفاد کے پیش نظر اس خاندان کی حمایت کرتے ہوئے کہا ہے کہ حسین شریعت کی رو سے قتل ہوئے ہیں۔ یزید کا اس میں کوئی قصور نہیں ہے بلکہ یزید برحق خلیفہ تھا ہماری اس تحقیق اور علامہ ابن خلدون المتوفی ۸۰۸ھ کے کلام سے ثابت ہوا کہ ابن العربی نے اس سلسلہ میں سخت ترین غلطی کی ہے بلکہ ہم کہتے ہیں کہ ابن العربی نے اسلامی شریعت کے ساتھ بغاوت کی ہے۔ ابن العربی کس اسلامی شریعت کی بات کرتا ہے۔ اسلامی شریعت ابن العربی کے گھر کی نہیں ہے بلکہ امام حسین علیہ السلام کے گھر کی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا حسین منی وانا من الحسین (ترمذی صہ ۳۰۷ ج ۲، مسند احمد بن حنبل صہ ۱۷۲ ج ۴، اسد الغابہ صہ ۱۳۰ ج ۵، کنز العمال صہ ۱۰۷ ج ۷) کہ حسین مجھ سے ہے اور میں حسین سے ہوں۔ حسین کی محبت رسول کی محبت ہے۔ حسین کی سیرت رسول کی سیرت ہے۔ حسین کی تعلیم رسول کی تعلیم ہے۔ اب ابن العربی کا یہ کہنا کہ حسین اسلامی شریعت کی رو سے قتل ہوئے حد درجہ کی گستاخی، بے ادبی بلکہ بے دینی ہے۔ یہ صرف حسین پر ہی تنقید نہیں ہے بلکہ نبوت اور رسالت پر ہے۔ لہٰذا ابن العربی اسلامی شریعت کی رو سے

(حاشیہ صفحہ سابقہ) ابن العربی کا یزید کی حمایت کرنا اور اسے ملعون نہ قرار دینے کے متعلق علامہ شبراوی لکھتے ہیں کہ ابن العربی کا یہ قول مردود ہے اور محققین کی تحقیق کے خلاف ہے کیونکہ محققین یزید کو باطل پر سمجھتے ہیں نیز اس کی تکفیر کرتے ہیں اور اس پر لعنت کرتے ہیں۔ (الاتحاف صہ ۶۸)

مفتی غلام رسول (لندن)

صرف اہلِ بیت کا ہی باغی نہیں بلکہ اسلام کا بھی باغی ہے اور پھر ابن العربی
کا یہ کہنا کہ امام احمد نے "کتاب الزھد" میں کہا ہے کہ یزید صحابہ اور تابعین
کے زمرہ میں شامل ہے۔ یہ تو امام احمد پر بہتان اور افتراء ہے۔ امام احمد نے
ایسا کوئی قول کتاب الزھد میں ذکر نہیں کیا۔ بالفرض والتقدیر اگر یزید نیک
اور متقی بھی ہوتا تو امام احمد بن حنبل یزید کو کبھی بھی صحابہ میں شمار نہ کرتے
کیونکہ صحابی وہ ہوتا ہے جو کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ایمان سے دیکھے
اور ایمان پر مرے۔ یزید تو خلافتِ عثمان میں پیدا ہوا ہے یہ کس طرح صحابی
ہو سکتا ہے۔ اس کو صحابی کہنا مسلّمہ اصول کے خلاف ہے جس سے ظاہر ہے
کہ ابن العربی نے یہ عبارت خود بنا کر امام احمد کی طرف منسوب کر دی ہے ساتھ
ہی کتاب الزھد کا حوالہ بھی ذکر کر دیا ہے یہ ابن العربی نے اس لیے کیا ہے
تاکہ خارج اور نواصب کی طرف سے اس کو بنو امیہ خاندان سے وفاداری کا
صلہ مل سکے۔ بہر حال ابن العربی نے یہ کہہ کر امام حسین اسلامی شریعت کی رو
سے قتل ہوئے اور یزید برحق خلیفہ اور صحابی اور تابعی ہے۔ بددیانتی کا ثبوت
دیا ہے اور امام احمد بن حنبل پر بہتان لگایا ہے۔ اگر ابن العربی حضرت عمر بن
عبدالعزیزؒ المتوفی ۱۰۱ھ کے زمانہ میں ہوتا تو عمر بن عبدالعزیزؒ اس کو سو سو
کوڑے لگا کر ایک ایک شمار کرتے۔ حق بات یہ ہے کہ امام حسین علیہ السلام
برحق امام تھے اور کربلا میں اسلام کی سربلندی کے لیے آپ نے اپنی اور اپنے
اعزہ و اقارب کی قربانی دی۔ چنانچہ ابن خلدون لکھتے ہیں کہ امام حسین حق پر
تھے۔ آپ کے مقدر میں شہادت تھی جس کا آپ کو ثواب بھی ملا۔

(مقدمہ ابن خلدون صہ ۳۰۶ ج ۲)

سوال :۔

عبداللہ بن عمر نے یزید کی بیعت کی ہے اور عبداللہ بن عمر صحابی تھے اور صحابی کا بیعت کرنا اس بات کی واضح دلیل ہے کہ یزید حق پر تھا

جواب :۔

سائل کا یہ کہنا کہ عبداللہ بن عمر نے یزید کی بیعت کی ہے۔ جہاں تک عبداللہ بن عمر کی بیعت کرنے یا نہ کرنے کا تعلق ہے تو اس سلسلہ میں چار روایات مروی ہیں۔

پہلی روایت میں ہے کہ جب امیر معاویہ نے یزید کی بیعت کے سلسلہ میں عبداللہ بن عمر سے بات کی تو عبداللہ بن عمر نے کہا کہ تم سے پہلے بھی خلفاء ہوئے ہیں اور ان کے بیٹے بھی تھے تمہارا بیٹا ان سے اچھا نہیں۔ انہوں نے تو اپنے بیٹوں کے متعلق یہ نہیں سوچا جو تم اپنے بیٹے کے متعلق سوچ رہے ہو بلکہ انہوں نے اس کا اختیار مسلمانوں کو دیا ہے کہ اپنی بہتری سوچیں باقی رہا مجھے نصیحت کرنا کہ میں مسلمانوں میں اختلاف پیدا نہ کروں تو میں اختلاف نہ کروں گا وانما انا رجل من المسلمین فاذا اجتمعوا علی امر فانما انا واحد منھم مخرجہ ابن عمر (العواصم من القواصم ص۲۱۶) اور بے شک میں بھی مسلمانوں سے ایک ہوں جب وہ کسی بات پر اتفاق کریں گے تو میں بھی ان کا ہی ساتھ دوں گا۔ پھر ابن عمر باہر نکل آئے۔

اور دوسری روایت میں ہے کہ امیر معاویہ نے اپنے خطبہ میں کہا اگر عبداللہ بن عمر یزید کی بیعت نہیں کرے گا تو میں اس کو قتل کر دوں گا۔ یہ خبر عبداللہ بن صفوان المتوفی ۷۳ھ کو پہنچی تو وہ عبداللہ بن عمر کے پاس آئے اور کہا کہ امیر معاویہ کی یہ بات تمہارے تک پہنچی ہے تو عبداللہ

بن عمر نے کہا کہ پہنچ چکی ہے تو پھر ابن صفوان نے کہا کہ معاویہ سے لڑنے کا ارادہ ہے یا نہیں ؟ قال یا ابن صفوان الصبر خیر من ذالک (العواصم من القواصم صہ ۲۱) ابن عمر نے کہا کہ لڑائی سے تو صبر ہی بہتر ہے۔

اور تیسری روایت میں ہے کہ جب عبداللہ بن عمر کو کہا گیا کہ اس معاملہ میں کیا تم بھی کوئی بات کرو گے فقال لست بصاحبکم۔ پس ابن عمر نے کہا کہ میں تو یہ گفتگو نہیں کر سکتا تو یہ کام عبداللہ بن زبیر کے سپرد کر دو وہ یہ کام سرانجام دیں گے۔ (العواصم من القواصم صہ ۲۲)

یہ تینوں روایات ابوبکر ابن العربی نے اپنی کتاب العواصم میں ذکر کیں ہیں۔ ان روایات سے ثابت ہوتا ہے کہ عبداللہ بن عمر نے یزید کی بیعت نہیں کی۔ اور چوتھی روایت ابن العربی نے بخاری کے حوالے سے ذکر کی ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ ابن عمر نے یزید کی بیعت کی تھی پھر اس بیعت پر وہ ڈٹے رہے۔ ہم اس کو ابن کثیر کے حوالے سے ذکر کرتے ہیں۔ چنانچہ ابن کثیر لکھتے ہیں عن نافع قال لما خلع الناس یزید بن معاویه جمع ابن عمر بنیه واهله کہ نافع سے روایت ہے کہ جب لوگوں نے یزید بن معاویہ کی بیعت کو توڑ دیا تو عبداللہ بن عمر نے اپنے لڑکوں اور اپنے گھر والوں کو جمع کیا۔ حمد و ثناء کے بعد کہا کہ ہم نے اس مرد (یزید) کی بیعت اللہ اور رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کے لیے کی تھی اور تحقیق میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا کہ حضور فرما رہے تھے کہ قیامت کے دن ہر غدار کے لیے ایک علم اور جھنڈا ہوگا اور کہا جائے گا کہ یہ فلاں کا جھنڈا ہے اور بہت بڑی غداری اور خیانت اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرنا ہے اور یہ کہ انسان کسی کی بیعت اللہ اور اس کے رسول کے نام پر کر کے توڑ دے۔ پس تم کو یزید کی بیعت نہیں توڑنی چاہیے اور نہ ہی یزید کے معاملہ میں کسی کو زیادتی کرنی چاہیے۔ اور

جو شخص بیعت توڑے گا اس کے اور میرے درمیان فیصلہ ہوگا (البدایہ والنہایہ ص۲۳۲ ج ۸)۔ اس سے ظاہر ہے کہ ابن عمر نے یزید کی بیعت کر لی جب لوگوں نے اور اہل مدینہ نے یزید کی بیعت کو توڑ دیا تو ابن عمر اس بات پر ڈٹ گئے کہ وہ یزید کی بیعت کو نہیں توڑیں گے جس کی وجہ یہ ہے کہ امیر معاویہ نے جب ابن عمر المتوفی ۷۳ھ، عبدالرحمان بن ابی بکر المتوفی ۵۳ھ، عبداللہ بن زبیر المتوفی ۷۳ھ، امام حسین الشہید ۶۱ھ کو یزید کی بیعت کے لیے کہا تو تمام نے انکار کر دیا۔ فتح الباری[۱] میں ہے کہ پھر معاویہ نے ایک لاکھ درہم حضرت عبداللہ بن عمر کو دیے تو آپ نے وہ لے لیے لیکن عبداللہ بن عمر نے کہا کہ دو آدمیوں کی بیک وقت کیسے بیعت ہو سکتی ہے لہٰذا آپ وقت کا انتظار کرتے رہے۔ حتیٰ کہ امیر معاویہ فوت ہو گئے تو آپ نے یزید کو خط لکھا کہ میں نے تیری بیعت قبول کر لی ہے (فتح الباری ص۶۹ ج ۱۳) امیر معاویہ نے عبدالرحمٰن بن ابو بکر کو بھی ایک ہزار دینار پیش کیے تاکہ وہ بھی یزید کی بیعت کا اقرار کریں

---

[۱] صاحب فتح الباری کی عبارت یہ ہے۔

فارسل الیہ معاویۃ بمائۃ الف درھم فاخذھا فدس الیہ رجلا فقال لہ ما یمنعک ان تبایع فقال ان ذاک لذالک یعنی عطاء ذالک المال لاجل وقوع المبایعۃ ان دینی عندی اذا لرخیص فلما مات معاویہ کتب ابن عمر الی یزید ببیعتہ۔

(فتح الباری ص۶۹ ج ۱۳)

[۲] ابن کثیر نے ایک لاکھ درہم کا ذکر کیا ہے (البدایہ والنہایہ ص۸۹ ج ۸)

مفتی غلام رسول (لندن)

لیکن انہوں نے یہ دینار قبول نہ کیے۔ اور کہا لا ابیع دینی بدنیائی وخرج الی مکۃ فمات بہا قبل ان تتم بیعت الیزید کہ میں دنیا کے بدلے دین نہیں بیچ سکتا اور آپ مکہ کی طرف چلے گئے اور یزید کی بیعت پوری ہونے سے پہلے ہی فوت ہو گئے۔ (الاصابہ فی تمیز الصحابہ صد۴ ج ۲۔ الاستیعاب صد۲۹۳ ج ۲۔ البدایہ والنہایہ صد۸۹ ج ۸)

غرضیکہ امیر معاویہ نے امام حسین علیہ السلام، عبداللہ بن زبیر، عبدالرحمان بن ابی بکر اور عبداللہ بن عمر کو کہا کہ تم یزید کی بیعت کر لو۔ امام حسین، عبداللہ بن زبیر اور عبدالرحمان بن ابو بکر تینوں نے جواب دیا کہ ہم بیعت نہیں کریں گے اور عبدالرحمان نے تو ہزار دینار کو بھی ٹھکرا دیا۔ اور عبداللہ بن عمر نے ایک لاکھ درہم قبول کر لیے لیکن اس وقت بیعت نہ کی بلکہ امیر معاویہ کی وفات کے بعد یزید کی بیعت کا اقرار کر لیا۔ پھر جب لوگوں نے یزید کے کرتوت دیکھے تو لوگوں نے اور اہلِ مدینہ نے یزید کی بیعت کو توڑ دیا۔ اور ابن عمر اپنے اہل وعیال کو کہنے لگے کہ میں ہرگز بیعت نہیں توڑوں گا۔ ابن عمر کی اس بیعت کے متعلق بعض علماء نے کہا کہ یہ ابن عمر کا اجتہادی امر ہے لیکن ہم اس بات کو تسلیم کرنے کے لیے تیار نہیں ہیں کیونکہ ابن عمر کی یہ بیعت مجبوری پر مبنی ہے۔ چنانچہ امیر معاویہ نے ابن عمر کو قتل کی دھمکی دی تھی۔ پھر امیر معاویہ کی وفات کے بعد اس مجبوری میں مزید اضافہ ہو گیا تھا کیونکہ اسی سلسلہ میں آپ ایک لاکھ درہم بھی قبول کر چکے تھے نیز یزید کا بھی خطرہ تھا لہٰذا اس خطرہ کی وجہ سے ابن عمر نے کہا کہ میں بیعت نہیں توڑوں گا۔ جب یہ بیعت مجبوری کے تحت ہوئی تو اس کو اجتہادی امر نہیں کہا جا سکتا۔ کیونکہ اجتہاد نہ تو دنیاوی مفاد کے ماتحت ہوتا ہے اور نہ ہی جبر کے ماتحت ہوتا ہے

یا رسول اللہ میں ان لوگوں سے ہوں فرمایا نہیں۔

حدیث میں دو چیزیں ذکر کی گئی ہیں پہلے لشکر (جو سمندر میں جنگ کرے گا) کے لیے جنت کا ذکر ہے اور دوسرا لشکر جو قسطنطنیہ پر حملہ کرے گا اس کے لیے مغفرت کا ذکر ہے۔ اور سائل کا یہ کہنا کہ یزید جنتی ہے غلط ہے کیونکہ یزید سمندری غزوہ میں شامل نہیں تھا جن کے لیے جنت کی بشارت دی گئی ہے لہٰذا یزید جنتی نہ ہوا۔ اگر یزید بامر مجبوری قسطنطنیہ میں شامل ہوا تھا جن کے لیے مغفرت کا ذکر ہوا ہے تو محدثین نے بوجہ مخصوص اور مشروط ہونے حدیث کے یزید کو "مغفور لهم" سے خارج قرار دیا ہے اور سائل کا یہ کہنا کہ مہلب نے کہا ہے کہ یزید "مغفور لهم" میں داخل ہے تو یہ بھی غلط ہے کیونکہ علامہ قسطلانی المتوفی ۹۲۳ھ نے کہا ہے کہ مہلب نے بلا وجہ بنو امیہ کی حمایت کرتے ہوئے یہ بات کہہ دی ہے چنانچہ لکھتے ہیں هذا جار علی طریق الحمیة لبنی امیة ولا یلزم من دخوله فی ذالک العموم ان لا یخرج بدلیل خاص اذ لا خلاف ان قوله علیه السلام مغفور لهم مشروط بکونه من اهل المغفرة حتی لو ارتد واحد ممن غزاها بعد ذالک لم یدخل فی ذالک العموم اتفاقاً (قسطلانی شرح بخاری ص۱۰۴ ج۵) کہ مہلب نے جو کچھ کہا ہے وہ بنو امیہ کی حمایت کرتے ہوئے کہا ہے اور اس کے اس عموم میں داخل ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ کسی دلیل خاص سے اس سے خارج نہیں ہو سکتا کیونکہ اس پر تمام کا اتفاق ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان "مغفور لهم" مشروط ہے۔ اس شرط کے ساتھ کہ وہ لوگ مغفرت کے اہل ہوں حتیٰ کہ اگر کوئی شخص جنگ کے بعد مرتد ہو جائے تو وہ بالاتفاق اس

بشارت سے خارج ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ مہلب نے حق کو چھوڑ کر بنوامیہ کی بے جا حمایت کرتے ہوئے یزید کو جنتی کہا ہے جو کہ بنیادی طور پر غلط ہے لہٰذا سائل کا مہلب کے قول کو بطور استدلال پیش کرنا صحیح نہیں ہے۔ حافظ ابن حجر عسقلانی المتوفی ۸۵۲ھ نے بھی لکھا ہے کہ مہلب کا علامہ ابن تین اور علامہ ابن منیر نے تعاقب کیا ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ یزید کو دلیل خاص کے ساتھ اس عموم سے خارج نہ کیا جا سکے جبکہ اہلِ علم کا اس پر اتفاق ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قول مغفور لھم مشروط ہے۔ اس کے ساتھ جو کہ مغفرت کے اہل ہیں۔ حتی لو ارتد واحد ممن غزاھا ذالک لم یدخل فی ذالک العموم اتفاقا فدل علی ان المراد مغفور لمن وجد شرط المغفرۃ فیہ (فتح الباری صہ ۱۰۲ ج ۶) حتی کہ اگر کوئی اس غزوہ کے بعد مرتد ہو جائے تو وہ بالاتفاق اس عموم سے خارج ہے۔ پس یہ دلیل ہے کہ مغفور لھم وہ ہو گا جس میں شرطِ مغفرت پائی جائے (یعنی جو مغفرت کے قابل ہو گا اس کے لیے مغفرت ہو گی) حافظ بدرالدین عینی المتوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں کہ یہ لشکر جو قسطنطنیہ پر حملہ آور ہوا تھا وہ یزید کے زیر کمان نہیں بھیجا گیا بلکہ یہ سفیان بن عوف کے زیرِ کمان تھا لانہٗ لم یکن اھلا ان یکون ھؤلاء السادات فی خدمتہ کہ یزید اس کا اہل نہیں تھا کہ بڑے بڑے صحابہ اس کے ماتحت ہوں نیز حافظ بدرالدین لکھتے ہیں کہ اس حدیث کی تشریح میں مہلب کا یہ قول کہ اس میں یزید کی منقبت ہے کہ اس نے مدینہ قیصر (قسطنطنیہ) پر جہاد کیا ہم کہتے ہیں کہ اس میں کونسی منقبت ہے یزید کی، جبکہ یزید کے کرتوت مشہور ہیں۔ اگر تو کہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس جیش (لشکر) کے لیے "مغفور لھم" فرمایا ہے تو ہم

لہٰذا اس کو اجتہادی امر نہیں کہا جائے گا بلکہ ابن عمر کا یہ ذاتی فعل ہے ان کے ذاتی فعل سے نہ تو یزید زاہد اور متقی ثابت ہو سکتا ہے اور نہ ہی خلیفہ برحق بن سکتا ہے۔ جب یہ بیعت جبری ہے اور ابن عمر کا ذاتی فعل ہے تو سائل اس بیعت جبری اور ذاتی فعل کو بطور استدلال پیش نہیں کر سکتا اور نہ ہی اس سے یزید کا خلیفہ برحق ہونا ثابت ہوتا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمر نے ہمیشہ خطرات سے بچنے کی کوشش کی اور اپنی زندگی بچانے کے لیے بڑی احتیاط بھی کی لیکن موت مقرر ہوتی ہے۔

واقعہ یوں ہوا کہ ایک مرتبہ حجاج بن یوسف نے خطبہ دیا اور نماز میں تاخیر کر دی۔ فقال ابن عمر ان الشمس لا تنتظرک۔ پس ابن عمر نے کہا کہ سورج تیری انتظار نہیں کرے گا۔ جس کی وجہ سے حجاج بن یوسف ناراض ہو گیا اور حجاج بن یوسف المتوفی ۹۵ھ نے اپنے ایک فوجی کو اس بات کا اشارہ دے دیا۔ اس فوجی نے ابن عمر کو زہر آلود نیزہ مارا جس کی وجہ سے آپ کی وفات ہو گئی (وفیات الاعیان صہ۳۱ ج ۱)۔

سوال :۔

حدیث بخاری میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قیصر کے شہر قسطنطنیہ پر حملہ کرنے والی مسلمان فوج کو مغفور لھم کہا ہے یعنی وہ بخشے ہوئے ہیں اور ان کے جنتی ہونے کی بشارت دی ہے۔ جن میں یزید شامل تھا چنانچہ مہلب (جو کہ ایک بہت بڑا محدث ہے) نے بھی کہا ہے کہ یزید جنتی ہے اور اس کی خلافت صحیح ہے۔

جواب :۔

یزید نہ جنتی ہے اور نہ ہی اس کو حدیث میں جنتی کہا گیا ہے اور نہ ہی

وہ "مغفورلھم" (یعنی ان کے لیے مغفرت ہے) کی جماعت میں شامل ہے۔ امام بخاری نے جو حدیث ابن اسود سے روایت کی ہے وہ درج ذیل ہے۔

حدثنا اسحاق بن یزید الدمشقی حدثنا یحیی بن حمزہ قال حدثنی ثور بن یزید عن خالد بن معدان ان عمیر بن الاسود العنسی حدثہٗ انہ اتی عبادۃ بن الصامت وھو نازل فی ساحل حمص وھو فی بناء لہ ومعہ ام حرام قال عمیر فحدثنا ام حرام انھا سمعت النبی صلی اللہ علیہ وسلم یقول اوّل جیش من امتی یغزون البحر قد اوجبوا۔ قالت ام حرام قلت یارسول اللہ انا فیھم قال انت فیھم ثم قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم اوّل جیش من امتی یغزون مدینۃ قیصر مغفور لھم فقلت انا فیھم یارسول اللہ قال لا۔ (بخاری ص۴۰۹ ج۱)

ترجمہ۔ امام بخاری اپنی سند کے ساتھ عمیر بن اسود سے روایت کرتے ہیں کہ وہ عبادہ بن صامت المتوفی ۳۴ھ کے پاس آیا کہ جب وہ ساحل حمص پر اترے اور وہ خیمہ میں تھے ان کے ساتھ ام حرام تھیں۔ عمیر نے کہا کہ ام حرام نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا کہ میری اُمت میں سب سے پہلے جو لوگ سمندر میں جنگ کریں گے ان کے لیے جنت واجب ہے۔ اُم حرام کہتی ہیں کہ میں نے عرض کی یارسول اللہ میں انہی میں سے ہوں فرمایا تم انہیں میں سے ہو۔ ام حرام کہتی ہیں کہ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ میری اُمت میں سب سے پہلے جو لوگ قیصر کے شہر (قسطنطنیہ) پر جہاد کریں گے۔ ان کے لیے مغفرت ہے میں نے عرض کی

کہتے ہیں کہ عموم میں داخل ہونے کا یہ مطلب تو نہیں ہے کہ وہ دلیل خاص سے بھی خارج نہ ہو سکے کیونکہ اس میں اہل علم کا اتفاق ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد "مغفور لھم" مشروط ہے کہ وہ اہلِ مغفرت سے بھی ہوں (یعنی مغفرت کے قابل بھی ہوں) حتیٰ کہ اگر کوئی ان مجاہدوں میں سے اس کے بعد مرتد ہو جائے تو وہ اس عموم میں داخل نہیں ہوگا۔ پس یہ دلیل ہے اس پر کہ مغفور وہ ہے جس میں مغفرت کی شرط بھی پائی جائے (عمدۃ القاری صـ ۱۹۹ ج ۱۴)
اس سے ثابت ہوا کہ حدیث قسطنطنیہ میں یزید کے لیے کسی قسم کی کوئی منقبت اور خوبی نہیں ہے کیونکہ مہلب نے صرف اور صرف بنو امیہ کی حمایت کرنے کی ناجائز کوشش کی ہے۔ یزید کو امیر لشکر نہیں بنایا گیا تھا بلکہ یہ لشکر[1] سفیان بن عوف کی قیادت میں بھیجا گیا تھا چنانچہ علامہ ابن اثیر المتوفی ۶۳۰ھ لکھتے ہیں کہ امیر معاویہ نے ایک لشکر جرار بلاد روم کی طرف سفیان بن عوف کی قیادت میں روانہ کیا اور اپنے بیٹے یزید کو اس لشکر میں شامل ہونے کا حکم دیا تو یزید حیلے بہانے بنا کر بیٹھ گیا اور حضرت امیر معاویہ نے بھی یزید کی باتوں میں آ کر یزید کو رخصت دے دی اور اتفاق یوں ہوا کہ لشکر مصیبت کا شکار ہو گیا۔ لشکر پر قحط اور بیماری مسلط ہو گئی۔ یزید کو پتہ چلا تو وہ یہ شعر پڑھنے لگا جن کا ترجمہ درج ذیل ہے۔

مجھے پرواہ نہیں کہ ان لشکروں پر بخار و تنگی کی بلائیں فرقدونہ (نام مقام) میں آ پڑیں جبکہ میں دیر مران میں اونچی مسند پر تکیہ لگائے اُم کلثوم کو اپنے پاس

---

[1] ابن کثیر لکھتے ہیں کہ یہ جنگ ۴۹ھ میں ہوئی تھی (البدایہ والنہایہ صـ ۳۲ ج ۸)
مفتی غلام رسول (لندن)

لیے بیٹھا ہوں، ام کلثوم بنت عبداللہ بن عامر، یزید کی بیوی تھی۔ یہ اشعار معاویہ تک پہنچے تو انہوں نے قسم کھائی کہ اب میں یزید کو اس جہاد میں سفیان بن عوف کے پاس روم کی سرزمین میں ضرور بھیجوں گا تاکہ اسے بھی ان مصائب کا حصہ ملے جو وہاں لشکریوں کو مل رہا ہے۔ (تاریخ کامل ابن اثیر صـ۱۹۶ ج ۳)

ابن خلدون نے بھی اسی طرح لکھا ہے اور یہ بھی لکھا ہے کہ جب امیر معاویہ نے قسم کھائی تو یزید کو ایک جماعت کثیرہ کے ساتھ بھیجا جس میں ابن عباس، ابن عمر، ابن زبیر، اور ابوایوب انصاری بھی تھے۔ مجاہدین نے میدان جنگ میں پہنچ کر نہایت تیزی کے ساتھ لڑائی شروع کر دی اور لڑتے اور بھڑتے قسطنطنیہ تک پہنچے۔ رومیوں نے قسطنطنیہ کی دیوار کے پیچھے معرکۃ الآراء جنگ لڑی، ابوایوب[1] انصاری شہید ہوگئے اور قسطنطنیہ کی شہر پناہ کی دیوار کے نیچے دفن کیے گئے (ابن خلدون صـ۱۳ ج ۳) اس سے ظاہر ہے کہ لشکر کی قیادت سفیان بن عوف نے کی تھی، یزید کو ان صحابہ کے ساتھ روم میں

---

[1] ابن کثیر لکھتے ہیں کہ واقدی نے کہا ہے کہ ابوایوب انصاری ۵۲ھ میں روم میں فوت ہوئے اور قسطنطنیہ میں دفن ہوئے اور رومی لوگ قحط کے زمانے میں ان کی قبر پر جا کر بارش کے لیے دعا کرتے ہیں، کہتے ہیں کہ دعا قبول ہوتی ہے اور بعض نے کہا ہے کہ دیوار قسطنطنیہ کے پیچھے دفن ہوئے ہیں۔ اور وہاں کے لوگ ان کی قبر کی عزت کرتے ہیں اور ابوزرعہ دمشقی نے کہا ہے ان کی وفات ۵۵ھ میں ہوئی ہے۔

(البدایہ والنہایہ صـ۵۹ ج ۸)

مفتی غلام رسول (لندن)

بھیجا گیا وہ بھی گیا تو با دلِ ناخواستہ گیا ایسے مجاہد کی مغفرت کیسے ہو گی۔
غرضیکہ پہلے تو طلب نے سخت ترین غلطی کی ہے، بے جا یزید کی منقبت اور فضیلت ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ یزید قسطنطنیہ گیا ہی نہیں۔ اگر گیا ہے تو با دل ناخواستہ گیا ہے۔ ایسا مجاہد جو جہاد کو پسند ہی نہ کرے بلکہ مجاہدین کے ساتھ مضحکہ خیز رویہ اختیار کرے مغفرت تو درکنار اس کے لیے طبقات دوزخ کے تمام دروازے کھلے ہوئے ہوتے ہیں۔ اگر خارجی اور یزید کے حامی اور ناصر اصرار کریں کہ وہ "مغفور لھم" کے عموم میں داخل ہے تو ہم کہتے ہیں کہ بڑے بڑے محدثین کے قول کے مطابق دلیل خاص کے ساتھ وہ "مغفور لھم" سے خارج ہے۔

سوال:۔
آپ بار بار کہہ رہے ہیں کہ حدیث قسطنطنیہ مشروط اور مخصوص ہے اب سوال یہ ہے کہ وہ کونسی احادیث ہیں جو کہ اس کی تخصیص کرتی ہیں۔

جواب:۔
تخصیص کرنے والی احادیث صحیحہ متعدد ہیں جو کہ درج ذیل ہیں۔
بخاری میں ہے کہ ابوہریرہ نے روایت کی ہے کہ میں نے صادق و مصدوق صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ھلکتہ امتی علی ایدی غلیمۃ من قریش (بخاری ص۱۰۴۶ ج ۲)، کہ میری اُمت کی ہلاکت چند قریشی لڑکوں کے ہاتھوں ہوگی۔ اور ابن کثیر نے ابوہریرہ سے اس طرح روایت کی ہے کہ ابوہریرہ نے منبر رسول پر کھڑے ہو کر یوں کہا ویل للعرب من شر قد اقترب ویل لھم من امارۃ الصبیان یحکمون فیھم بالھوی و یقتلون بالغضب (البدایہ والنہایہ ص۱۱۲ ج ۸)۔

اس حدیث سے ظاہر ہے کہ امت کی تباہی و بربادی کا باعث چند قریشی لڑکے ہوں گے اور فتح الباری میں ایک روایت میں ہے کہ ان لڑکوں کی ایک صفت بے وقوفی اور بدعقلی بیان کی گئی ہے۔ اور یہ ظاہر ہے کہ بے وقوف اور بدعقل لڑکے سے نیک عمل نہیں ہو سکتا بلکہ وہ بدعمل کرتا ہے اسی لیے ابو سعید خدری کی روایت جو اس ضمن میں وارد ہوئی ہے اس میں ان لڑکوں کو صبیان کے لفظ سے تعبیر کر کے ان کی عملی صورت یہ بیان کی گئی ہے۔

یکون خلف من بعد ستین سنۃ اضاعوا الصلوٰۃ واتبعوا الشہوات فسوف یلقون غیا (البدایہ والنہایہ ص ۲۳۰ ج ۸) کہ ۶۰ھ کے بعد ایسے خلف (نالائق) ہوں گے۔ نمازوں کو ضائع کریں گے اور اپنی خواہشوں کی پیروی کریں گے تو وہ عنقریب غی وادی جہنم میں ڈال دیے جائیں گے۔ حضرت ابن عباس المتوفی ۶۸ھ سے مروی ہے کہ غی جہنم میں ایک وادی ہے جس کی گرمی سے جہنم کی دوسری وادیاں پناہ مانگتی ہیں یہ ان لوگوں کے لیے ہے جو زنا کے عادی اور اس پر مصر ہوں اور جو شراب کے عادی ہوں اور جو سود خور سود کے خوگر ہوں اور جو والدین کے نافرمانی کرنے والے ہوں اور جو جھوٹی گواہی دینے والے ہوں حافظ ابن حجر عسقلانی نے صبیان اور غلیمہ کی تشریح کرتے ہوئے لکھا ہے کہ میں کہتا ہوں کہ صبی اور غلیمہ (چھوٹا لڑکا) کا لفظ تصغیر کے ساتھ کبھی ضعیف العقل، ضعیف التدبیر، اور ضعیف الدین کے لیے بھی بولا جاتا ہے۔ اگرچہ وہ جوان بھی ہو اور یہاں یہی مراد ہے بہر حال حدیث بخاری نے جن لڑکوں کے ہاتھوں اُمت کی تباہی و بربادی کی خبر دی ہے۔ ان کا کردار بھی حدیث میں متعین کر دیا گیا ہے کہ وہ امت کو اس لیے تباہ کریں گے کہ وہ خود بھی

دین، عقل، تدبیر اور کردار کے لحاظ سے برباد اور تباہ حال ہوں گے جو خود تباہ ہوتا ہے وہ دوسرے کو بھی تباہ کر دیتا ہے۔ قاری محمد طیب دیوبندی لکھتے ہیں کہ یہ تباہی چونکہ ساری اُمت کی ہوگی اور ساری امت اس کی زد میں آئے گی۔ اور ظاہر ہے کہ جب تمام امت تباہ ہوگی تو اس کا اجتماعی اور اتفاقی شیرازہ بکھر جائے گا جبکہ اس اجتماعی اور اتحادی حفاظت کے لیے اسلام نے حکومت کا نظام قائم کیا ہوا ہے تو اب تمام امت کی اجتماعی بربادی کا معنے یہ ہوا کہ حکومت ہی تباہ ہو جائے گی تو گویا کہ حدیث میں چند قریشی لڑکوں کے ہاتھوں حکومت اسلامیہ کی تباہی کی خبر دی گئی ہے جیسے کہ فتح الباری میں یہ روایت ہے کہ ابن بطال المتوفی ۴۴۹ھ کہتے ہیں کہ حدیث ابوہریرہ میں ہلاکت امت کی مراد ابوہریرہ ہی کی دوسری روایت سے کھل جاتی ہے جس کو ایک اور سند سے علی بن معبد اور ابن ابی شیبہ المتوفی ۲۳۵ھ نے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں اللہ کے ساتھ امارت صبیان (لڑکوں کی حکومت) سے پناہ مانگتا ہوں۔ صحابہ نے سوال کیا یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) امارت صبیان سے کیا مراد ہے فرمایا اگر تم ان کی اطاعت کرو گے تو ہلاک ہو گے یعنی دین کے بارہ میں اور اگر ان کی نافرمانی کرو گے تو وہ تمہیں ہلاک کر ڈالیں گے یعنی تمہاری دنیا کے بارہ میں جان لے کر یا مال چھین کر یا دونوں لے کر (فتح الباری صد ج ۱۳) اس سے ظاہر ہے کہ اگر تم لوگ ان کھلنڈروں کی اطاعت کرو گے تو تمہارا دین تباہ ہوگا اور اگر تم ان کی نافرمانی کرو گے تو یہ تمہیں تباہ و برباد کر دیں گے۔ بہرصورت یہ چند قریشی کھلنڈر لڑکے تمہیں دین و دنیا میں تباہ کر دیں گے اور ان کے ہاتھوں تمہارا نظامِ حکومت بھی تباہ ہوگا اب سوال یہ ہے کہ

وہ چند قریشی لڑکے کس وقت ہوئے جنہوں نے حکومتِ اسلامیہ کو تباہ کیا
تو اس کا جواب ابن ابی شیبہ کی روایت میں ملاحظہ کیجیے ۔ وہ فرماتے ہیں
کہ ابوہریرہ بازاروں میں چلتے پھرتے کہتے تھے اللھم لا تدرکنی سنۃ
ستین ولا امارۃ الصبیان (فتح الباری صـ۱ ج ۱۳) اور ابن کثیر کی روایت
میں ہے ومن امارۃ الصبیان (البدایہ والنہایہ صـ۲۳ ج ۸) کہ اللہ
سن ۶۰ھ کا زمانہ مجھ پر نہ گزرے اور نہ امارت صبیان (لڑکوں کی حکومت)
مجھے پائے اور ابو سعید خدری کی روایت میں ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی
اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا (من بعد ستین سنۃ) کہ سن ۶۰ھ
کے بعد ایسے نالائق ہوں گے جو کہ نمازوں کو ضائع کریں گے ۔ جیسے کہ پہلے
گزر چکا ہے ۔ اس سے ثابت ہوا کہ ان لڑکوں کی حکومت کے فتنے
سن ۶۰ھ میں شروع ہو جائیں گے ۔ یہاں وجہ سن ۶۰ھ کا ذکر ابوہریرہ کے قول
میں بھی ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قول (ابو سعید خدری والی
روایت) میں بھی ہے ۔ فرق صرف یہ ہے کہ ابوہریرہ کے قول میں سن ۶۰ھ
کے شروع کا ذکر ہے اس لیے ایک روایت میں ان کے قول میں راس
الستین کا لفظ آیا ہے جس کا معنیٰ یہ ہے کہ سن ۶۰ھ کے شروع پر جو واقعات
ظاہر ہونے والے تھے ابوہریرہ نے ان کی طرف اشارہ کیا ہے کہ بڑوں کی
حکومت ختم ہو جائے گی اور چھوٹوں کی حکومت شروع ہو جائے گی اور
نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے قول میں بعد ستین کا لفظ وارد ہوا ہے جس کا معنے ہے
کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سن ۶۰ھ شروع ہونے کے بعد جو حوادثات اور
واقعات رونما ہوں گے ان کی طرف اشارہ فرمایا ہے ۔ اب دونوں روایتوں کا
حاصل یہ ہے کہ سن ۶۰ھ کے شروع پر تو حکومت تبدیل ہوگی اور اس شروع

کے بعد خواہ وہ سنہ ۶۰ھ ہی کا دور ہو حکومت کی تباہی شروع ہو جائے گی جس کے ساتھ اُمت کی اجتماعی صورت بھی تباہ ہو جائے گی۔ اب اس حکومت کی نوعیت وکیفیت یہ ہو گی جو اس کا ساتھ دے گا اس کا دین ضائع ہو گا اور جو اس کا ساتھ نہ دے گا اس کی دنیا ضائع ہو گی۔ بہر صورت دونوں قولوں کے مطابق یہ بات متعین ہو گئی کہ چند قریشی لڑکوں کے ہاتھوں یہ اسلامی حکومت تباہ وبرباد ہو گی۔ اب آخری سوال یہ رہا کہ سنہ ۶۰ھ میں وہ کون لڑکے برسرِ اقتدار آئے جن کی وجہ سے دنیا اسلام کی تباہی وبربادی ہوئی تو اس کا جواب یہ ہے کہ حافظ ابن حجر عسقلانی نے اس کا مصداق بھی متعین کر دیا ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں۔ وفی ھذا اشارۃ الی ان اول الاغیلمۃ کان فی سنۃ ستین یزید وھو کذالک فان یزید بن معاویہ استخلف فیھا وبقی الی سنۃ اربع وستین فمات (فتح الباری ص ۱۰ ج ۱۳) اور اس میں اشارہ اس طرف ہے کہ ان نوعمر لڑکوں میں پہلا نوعمر لڑکا سنہ ۶۰ھ میں یزید تھا اور وہ ایسا ہی تھا (جیسا کہ حدیث میں خبر دی گئی ہے) کیونکہ یزید[1] بن معاویہ ہی اس میں سربراہ (بادشاہ) بنایا گیا اور سنہ ۶۴ھ تک باقی رہا پھر

---

[1] یزید بن معاویہ سنہ ۲۷ھ میں پیدا ہوا اس کی ماں کا نام میسون بنت محول بن انیف کلبی تھا اور سنہ ۴۱ھ میں امیر معاویہ تمام دنیائے اسلام کے بادشاہ بن گئے۔ اور سنہ ۵۶ھ میں امیر معاویہ نے اپنے نالائق بیٹے کے لیے لوگوں سے بیعت لینے کی کوشش شروع کر دی۔ حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں کہ امیر معاویہ نے کوفہ کے گورنر مغیرہ بن شعبہ کو معزول کرنے کے ارادے سے دمشق میں طلب کیا تو مغیرہ بن شعبہ کچھ دیر سے پہنچے امیر معاویہ نے تاخیر کی وجہ پوچھی تو کہا میں کوفہ میں کوشش (بقیہ اگلے صفحہ پر)

یزید مرگیا اب یقین ہوگیا کہ جس حکومت سے ابوہریرہ المتوفی ۵۸ھ پناہ

(بقیہ صفحہ سابقہ) کر رہا تھا کہ آپ کے بعد لوگ آپ کے بیٹے یزید کو بادشاہ بنالیں مغیرہ بن شعبہ نے امیر معاویہ کو مشورہ دینے کے بعد یزید کو کہا بان یسأل من ابیہ ان یکون ولی العھد فسأل ذالک من ابیہ فقال من امرک بھذا فقال المغیرۃ فاعجب ذالک معاویہ من المغیرۃ وردہ الی عمل الکوفۃ وامرہ ان یسعی فی ذالک۔ (البدایہ والنہایہ ص۷۹ ج۸) کہ تم اپنے باپ کو کہو کہ تمہیں وہ اپنا ولی عہد مقرر کرے۔ چنانچہ یزید نے باپ سے یہ مطالبہ کر دیا۔ پس باپ نے کہا کہ تم کو کس نے یہ کہا ہے۔ یزید نے کہا کہ مجھے مغیرہ نے کہا ہے۔ پس معاویہ مغیرہ سے خوش ہوگئے اور کوفہ میں واپس مغیرہ کو لوٹا دیا۔ اور یہ بھی حکم دیا کہ اس معاملہ میں کوشش جاری رکھو۔

جب مغیرہ بن شعبہ دمشق سے کوفہ پہنچے اور لوگوں نے پوچھا کہ معاویہ کے ساتھ کیسے معاملات رہے تو مغیرہ بن شعبہ نے کہا کہ میں معاویہ کو ایسی دلدل میں پھنسا آیا ہوں کہ قیامت تک بھی اس سے نہیں نکل سکتے۔ نیز مغیرہ بن شعبہ نے یہ کوشش شروع کر دی کہ اہلِ کوفہ یزید کو ولی عہد تسلیم کرلیں اور مغیرہ بن شعبہ نے اپنے بیٹے موسیٰ کے ہمراہ عمائدین کوفہ کا ایک وفد بھی دمشق بھیجا۔ امیر معاویہ نے اس وفد کی بڑی قدر و منزلت کی۔ اس وفد کو انعامات سے نوازا گیا۔ اس وفد کے آنے سے امیر معاویہ کے خیال کو مزید تقویت ملی۔ اب انہوں نے زیاد بن ابوسفیان کو بصرہ مروان بن حکم کو مدینہ منورہ اور سعید بن عاص کو مکہ میں لکھا کہ میں اپنے بیٹے یزید کو اپنے بعد خلیفہ نامزد کرتا ہوں تم لوگوں کو اس کی بیعت پر آمادہ کرو، امیر معاویہ کی یہ کوشش تادمِ مرگ جاری رہی۔ آخر کار امیر معاویہ ۲۲ رجب ۶۰ھ (بقیہ اگلے صفحہ پر)

مانگتے تھے اور ۶۰ھ کے جن نوخیز لڑکوں کی بدعملی اور شہوت نفسانی ابو سعید خدری کی روایت میں مذکور تھی ۔ وہ یہی حکومت تھی جس کا پہلا بادشاہ اور سربراہ یزید تھا جو چونتیس ۳۴ سالہ جوان تھا۔ عمر کے لحاظ سے اگرچہ بالغ تھا لیکن عقل و تدبیر اور دین کے لحاظ سے نابالغ اور بچہ تھا۔ اس نے اپنے تقریبًا چار سالہ دورِ حکومت میں اپنے ارد گرد بے وقوف نوجوانوں کا ٹولہ جمع کر لیا تھا اور عمر رسیدہ لوگوں کو حکومت سے نکال باہر کیا تھا یہاں تک کہ عوام اور حکومت کو تباہ و برباد کر دیا تھا۔ چنانچہ بدرالدین عینی المتوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں وادنھم

(بقیہ صفحہ سابقہ) میں فوت ہو گئے اور یزید ان کی جگہ چونتیس ۳۴ سال کی عمر میں بادشاہ بنا اور لوگوں سے بیعت لینا شروع کر دی اور مدینہ کے گورنر کو لکھا کہ بلا تاخیر امام حسین سے بیعت لو۔ مدینہ منورہ کے گورنر ولید بن عقبہ نے امام حسین علیہ السلام سے بات کی کہ یزید نے کہا ہے کہ آپ اس کی بیعت کریں۔ لیکن امام حسین نے صاف جواب دے دیا کہ میں ہرگز ہرگز یزید کی بیعت نہیں کروں گا۔ اور پھر امام حسین علیہ السلام بمعہ اہل بیت ۴ شعبان ۶۰ھ کو مکہ مکرمہ چلے گئے پھر وہاں سے مقام کربلا میں تشریف لے گئے وہاں آپ کو اور آپ کے اعزہ و اقارب کو یزید لعین کے حکم سے شہید کیا گیا۔ یزید نے جس دنیاوی حکومت کے لیے امام حسین علیہ السلام کو شہید کیا۔ اور عالم اسلام کو تباہ و برباد کیا۔ اس بدنام حکومت نے یزید کا ساتھ نہ دیا۔ یزید نے صرف تین سال سات ماہ اور ۲۲ دن ظالمانہ حکومت کی۔ زیادہ اس کو غضب خداوندی نے مہلت ہی نہیں دی۔ اسی دوران مہلک اور موذی مرض میں مبتلا ہو گیا اور ملک شام کے مقام حوران میں ۶۴ھ کو مر گیا۔ ۱۲

مفتی غلام رسول (لندن)

یزید علیہ ما یستحق وکان غالبًا ینزع الشیوخ من امارة البلدان الکبار ویولیہا الاصاغر من اقاربہ (عمدۃ القاری صـ۳۳۴ ج ۱۱) اور ان صبیان (نوخیز لڑکوں) میں کا پہلا یزید ہے۔ اس پر وہی پڑے جس کا وہ مستحق ہے اور اکثر احوال وہ شیوخ واکابر کو بڑے بڑے شہروں کے ذمہ دارانہ عہدوں سے برطرف کر کے اپنے نوعمر عزیز واقارب کو یہ (کلیدی عہدے) سپرد کرتا جاتا تھا (شہیدِ کربلا اور یزید صـ۱۶۱) اس سے صاف واضح ہے کہ حکومتِ اسلامیہ کی تباہی وبربادی کی ذمہ داری یزید علیہ ما علیہ پر عائد ہوتی ہے جس نے اپنے ساتھ نوجوان بدمعاشوں اور بیوقوفوں کا ٹولہ ملا کر حکومت وملتِ اسلامیہ کو تباہ وبرباد کیا۔ حافظ ابن حجر اور علامہ عینی اور دیگر محدثین نے ان احادیث صحیحہ میں صبیانی حکومت (کھلنڈروں کی حکومت) کا مصداق یزید کا نام لے کر متعین کر دیا ہے لیکن اس کے علاوہ احادیث میں صراحتہ بھی یزید کا نام مذکور[1] ہے اگرچہ محدثین نے ان احادیث میں جن میں

---

[1] علامہ شبراوی لکھتے ہیں کہ بعض روایات میں یزید کا نام مذکور ہے اور بعض میں مذکور نہیں ہے اور جن روایات میں نام ذکر نہیں ہے اس کی وجہ یزید اور اموی حکومت کا خوف اور ڈر ہے۔ چنانچہ لکھتے ہیں ورواہ غیر ابی یعلیٰ بدون تسمیة یزید لانھم کانوا یخافون من تسمیتہ ولھذا اروی ابن ابی شیبہ وغیرہ عن ابی ھریرۃ انہ قال اللّٰھم لا تدرکنی سنة ستین ولا امرۃ الصبیان وکانت ولایتہ یزید فیہا۔ (اتحاف صـ۶۵) علامہ شبراوی کے کلام سے معلوم ہوا جن احادیث کے اندر یزید کا نام مذکور ہے وہ بھی صحیحہ ہیں لیکن محدثین نے اموی حکومت کے خوف کی وجہ سے یزید کا نام ذکر نہیں کیا۔ مفتی غلام رسول (لندن)

یزید کا نام ذکر ہے کلام کی ہے لیکن پھر بھی احادیث صحیحہ کی تشریح و توضیح کے اعتبار سے ان کا ذیلی طور پر ذکر کرنا نہایت موزوں ہے۔ چنانچہ ابن کثیر نے لکھا ہے کہ ابو عبیدہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی کہ آپ نے فرمایا لا یزال امر ھذہ الامۃ قائما بالقسط حتی یکون اول من یثلمہ رجل من بنی امیہ یقال لہ یزید اور حضرت ابوذر سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا کہ آپ نے فرمایا اول من یغیر سنتی رجل من بنی امیۃ کہ میری امت کا حکم عدل کے ساتھ قائم رہے گا یہاں تک کہ پہلا وہ شخص جو اسے تباہ کرے گا بنی امیہ سے ہوگا جسے یزید کہا جائے گا یا وہ مرد بنی امیہ سے ہوگا جو میرے طریقے کو بدل دے گا (البدایہ والنہایہ ص ۲۳۱ ج ۸)۔

ان روایات میں یزید کا نام صراحتہً ذکر ہے کہ یہی اسلامی احکام اور سنت رسول کو تبدیل کرنے والا ہے اور امت اسلامیہ کی تباہی و بربادی کا باعث یہی ہے۔ بایں وجہ محدثین نے یزید کا نام لے کر حدیث "مغفور لھم" سے اس کو خارج قرار دیا ہے۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ ۶۰ھ میں یزید کی حکومت قائم ہوئی اور ۶۴ھ میں اس کا خاتمہ ہوا۔ ان تین سال کچھ ماہ کی مختصر مدت میں یزید نے جو کارنامے انجام دیے وہ یہ کہ ۶۱ھ میں مقام کربلا میں عمرو[1] بن سعد اور

---

[1] عمرو بن سعد۔ یہ سعد بن ابی وقاص المتوفی ۵۵ھ کا بیٹا تھا اور مقام کربلا میں یزیدی فوج کا سپہ سالار تھا۔ تمام سے پہلے لڑائی شروع کرنے کے لیے اس نے تیر چلایا تھا۔ مختار ثقفی نے اس کو قتل کرنے کے لیے ابو عمرہ کو متعین کیا۔ ابو عمرہ نے قتل کر کے اس کا سر مختار ثقفی کے سامنے پیش کیا اس وقت مختار (بقیہ اگلے صفحہ پر)

عبیداللہ[1] بن زیاد کو حکم دے کر امام حسین اور اہلِ بیت رسول کو شہید کروادیا

(بقیہ صفحہ سابقہ) کے پاس عمرو بن سعد کا لڑکا حفص بیٹھا ہوا تھا۔ مختار نے حفص کو کہا کہ تو نے یہ سر پہچانا ہے کس کا ہے۔ حفص نے کہا پہچان لیا ہے نیز حفص نے یہ کہا کہ اب تو زندگی بے لطف ہے تو مختار نے کہا اس کو بھی قتل کر دو اس کو بھی قتل کیا گیا پھر مختار نے کہا کہ امام حسین کے بدلے ہم نے عمرو بن سعد کو قتل کیا ہے اور علی اکبر کے بدلے حفص کو قتل کیا ہے۔ ابن کثیر نے عمرو بن سعد کا نام عمر بن سعد لکھا ہے یعنی عمرو کے ساتھ واؤ نہیں لکھی بلکہ عمر لکھا ہے۔ ان دونوں کو ۶۶ھ یا ۶۷ھ میں قتل کیا گیا۔

(شذرات الذہب ص۷۴ ج ا۔ البدایہ والنہایہ ص۲۷۴ ج ۳)۔

مفتی غلام رسول (لندن)

[1] عبیداللہ بن زیاد رشتہ کے لحاظ سے یزید بن معاویہ کا چچا زاد بھائی ہے۔ یہ زیادہ تر ابن زیاد کے نام سے مشہور ہے۔ یعنی زیاد کا بیٹا اور زیاد کے والد کا نام ابوسفیان ہے جو کہ امیر معاویہ کے والد ہیں۔ ابن کثیر لکھتے ہیں کہ ایام جاہلیت میں ابوسفیان نے سمیہ (لونڈی) کے ساتھ زنا کیا تھا جس سے زیاد پیدا ہوا تھا۔ (البدایہ والنہایہ ص۲۸ ج ۸) بعض مؤرخین لکھتے ہیں کہ سمیہ، حارث ثقفی کی لونڈی تھی۔ یہ ابوسفیان کے ساتھ لگ گئی ابوسفیان نے اس کے ساتھ زنا کیا جس سے زیاد پیدا ہوا۔ سمیہ نے ابوسفیان کو کہا کہ وہ زیاد کو اپنا بیٹا تسلیم کرے مگر ابوسفیان نے انکار کر دیا۔ لیکن حضرت عمر فاروق کے سامنے حضرت علی کی موجودگی میں ابوسفیان نے اقرار کیا کہ زیاد اسی کا بیٹا ہے اور ۴۴ھ میں حضرت معاویہ نے زیاد کو دمشق بلایا۔ زیاد جب دمشق آیا تو حضرت معاویہ نے تمام لوگوں کے سامنے اسے اپنا بھائی تسلیم کر لیا اور حکم دیا کہ آج کے بعد زیاد کو زیاد بن ابی سفیان کہا جائے اور اسے خراسان کے علاوہ (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

اور خاندانِ نبوت کی توہین کی اور ۶۳ھ میں فتنہ حرہ کا واقعہ پیش آیا جس میں

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) فارس، جزیرہ اور سجستان کی حکومت بھی دے دی۔
اسی زیاد کا بیٹا عبیداللہ ہے۔ ابن کثیر لکھتے ہیں کہ عبیداللہ کی ماں کا نام مرجانہ ہے۔
اور عبیداللہ ۳۳ھ میں پیدا ہوا تھا اور ۵۵ھ میں حضرت معاویہ نے اس کو بصرہ کا گورنر بنا دیا تھا۔ اسی بدبخت نے یزید کے حکم کے ساتھ مقام کربلا میں امام حسین کو شہید کروایا۔ ابن کثیر نے یہ بھی لکھا ہے کہ ابن زیاد کے سامنے جب امام زین العابدین کو پیش کیا گیا تو وہ کہنے لگا کہ ان کو بھی قتل کردو تو سیدہ زینب نے زین العابدین کو اپنے سینے سے لگا لیا اور فرمایا اگر تم اس کو قتل کرنا چاہتے ہو تو پہلے مجھے قتل کرو۔ اللہ تعالیٰ کو آپ کی فرزند کی منظور تھی لہٰذا یہ شیطان (ابن زیاد) امام زین العابدین کے قتل سے رک گیا اور یہ بدبخت زیادہ ظالم تھا، قدرت خداوندی نے اس سے بھی امام حسین کا بدلہ لیا وہ اس طرح کہ ۶۷ھ میں مختار ثقفی نے ابراہیم بن مالک اُشتر کو عبیداللہ بن زیاد کے مقابلے میں روانہ کیا۔ اب یہی ایک بدبخت شخص باقی رہ گیا تھا جو حادثہ کربلا کا براہ راست ذمہ دار تھا۔ اور اس شیطان کے پاس حصین بن نمیر بھی تھا جس نے حضرت علی اصغر کو تیر مارا تھا۔ ابن زیاد موصل شہر میں فوجی تیاری میں مصروف تھا کہ اسے خبر ملی کہ ابراہیم بن مالک اُشتر عظیم لشکر کے ساتھ آگیا ہے۔ اب ابن زیاد کے لیے بھاگنے کا کوئی راستہ نہ رہا لہٰذا وہ شامی فوج کو لے کر ابراہیم کے مقابلہ میں آگیا۔ لڑائی شروع ہوگئی۔ ابراہیم کا حملہ سخت تھا۔ شامیوں کے قدم نہ جم سکے۔ بھاگنے شروع ہوگئے اور ابراہیم کا مقابلہ براہ راست ابن زیاد کے ساتھ ہوگیا۔ ابراہیم نے ابن زیاد کو قتل کر دیا۔
ابن کثیر لکھتے ہیں وکان ذالک یوم عاشورا قلت وھو (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

صحابہ کرام اور اولاد صحابہ اور اہلِ مدینہ کو قتل کیا گیا اور ان کے تباہ و برباد کرنے میں کوئی کمی نہ چھوڑی، مسجد نبوی کی توہین کی گئی جیسے کہ قدرے تفصیل کے ساتھ پہلے گزر چکا ہے۔ پھر سنہ ۶۴ھ میں یوم مکہ کا ظہور ہوا جس میں بیت اللہ کی بے حرمتی کی گئی منجنیق کے ذریعے کعبہ پر پتھر برسائے گئے غلاف کعبہ کو جلایا گیا اور حرام کو حلال کر دیا گیا، غرضیکہ بے شمار مصائب ہیں جو یزید علیہ اللعنۃ

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) الیوم الذی قتل فیہ الحسین کہ ابن زیاد جس دن قتل ہوا تھا وہ دس محرم کی تاریخ تھی، یہ وہی تاریخ ہے جس تاریخ کو امام حسین علیہ السلام کی شہادت ہوئی تھی۔ پھر ابراہیم نے اس کا اور حصین بن نمیر وغیرہ کا سر مختار کے پاس بھیجا۔ مختار خوش ہوا اور ابن کثیر امام ترمذی کے حوالہ سے صحیح حدیث روایت کرتے ہیں کہ جب عبید اللہ ابن زیاد کا سر مختار ثقفی کے سامنے پھینکا گیا تو ایک سانپ رونما ہوا جو عبید اللہ بن زیاد کے منہ میں داخل ہو کر ناک سے نکلا یوں ہی بار بار داخل ہوتا تھا اور نکلتا تھا۔ (الکامل فی التاریخ صفحہ ۲۶۵ ج ۴ - البدایہ والنہایہ صفحہ ۲۸۶ ج ۸)۔ غرض اس طرح اللہ تعالےٰ نے حسین علیہ السلام کے قاتلوں سے انتقام اور بدلہ لیا اور قریب قریب ہر وہ شخص نہایت ذلت سے مارا گیا جو قتل حسین علیہ السلام میں شریک تھا۔ دنیا میں ان ظالموں کو سزا مل گئی لیکن ابھی قیامت کی سزا باقی ہے۔ ۱۲

مفتی غلام رسول

(لندن)

نے عوام مسلمانوں پر بالخصوص اہلِ بیت نبوی پر کیے ہیں۔ پھر امام حسین علیہ السلام کے قتل پر راضی اور خوش ہوا اور اہلِ بیت کی توہین کی اور مدینہ منورہ میں عورتوں کی بے عزتی کی۔ مسجد نبوی میں گھوڑوں کو دوڑایا۔ حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں اور بلاشبہ یزید نے شدید ترین غلطی کی جو مسلم بن عقبہ سے کہا کہ وہ مدینہ (منورہ) کو تین دن تک مباح الدم قرار دے دے یہ (مجرمانہ) غلطی تھی جس کے ساتھ یہ اور اضافہ ہوا کہ ایک بڑی تعداد صحابہ اور اولاد صحابہ کی قتل ہو گئی اور یہ پہلے گزر چکا ہے کہ اس نے حضرت حسین علیہ السلام اور ان کے ساتھیوں کو عبید اللہ بن زیاد کے ہاتھ سے قتل کرایا نیز (مدینہ منورہ کے) ان تین دنوں میں بڑے بڑے مفاسد رونما ہوئے جن کو نہ بیان کیا جا سکتا ہے اور نہ ہی ان کی کیفیت بتلائی جا سکتی ہے۔ انہیں اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے۔ یزید نے تو مسلم بن عقبہ کو مدینہ منورہ میں بھیج کر یہ چاہا تھا کہ اس کا ملک مضبوط ہو جائے اور اس کی حکومت دیرپا ہو جس کا کوئی شریک و سہیم نہ ہو لیکن اللہ تعالیٰ نے اس کے منصوبوں کو تباہ و برباد کیا اور جو کچھ یزید چاہتا تھا وہ نہ ہونے دیا اس طرح اس کو پچھاڑا جس طرح اس نے جابروں کو پچھاڑا ہے اور قصاص کے پنجوں سے اس کو پکڑا اور ظالم بستیوں کے تیرے رب کی پکڑ ایسی ہی سخت ہوتی ہے۔ اس کی گرفت بے انتہا الم انگیز اور شدید ہوتی ہے (البدایہ والنہایہ صـ۲۲۲ ج ۸) یہ تھے وہ واقعات و حالات جن کے پیش نظر امام احمد بن حنبل نے یزید کی تکفیر کی اور امام شافعی اور ان کے متبعین نے صراحتہً یزید کو لعنتی قرار دیا اور فقیہ الکیا الہراسی الشافعی نے امام ابو حنیفہ اور امام مالک کا قول تصریح اور تلویح کے ساتھ ذکر کیا اور علامہ قسطلانی نے کہا کہ ہم یزید کے لعنتی ہونے میں شک نہیں کرتے اور علامہ عبد العلی بحر العلوم نے کہا کہ

ہم یزید کے ایمان میں اشتباہ کرتے ہیں۔ علامہ آلوسی بغدادی المتوفی سنہ ۱۲۷۰ھ لکھتے ہیں۔

وقد جزم بکفرہ وصرح بلعنہ جماعۃ من العلماء منھم الحافظ ناصر السنۃ ابن الجوزی وسبقہ القاضی ابویعلی وقال العلامۃ التفتازانی بل لا نتوقف فی شانہ بل فی ایمانہ لعنۃ اللّٰہ علیہ وعلی انصارہ واعوانہ وممن صرح بلعنہ الجلال السیوطی علیہ الرحمۃ (روح المعانی ص۷۳ ج ۲۶) علماء کی ایک جماعت نے یزید کے کفر پر جزم (یقین) اور اس پر لعنت ہونے کی تصریح کی ہے ان میں حافظ ابن جوزی اور ان سے پہلے قاضی ابویعلی ہیں اور علامہ تفتازانی نے کہا ہے کہ ہم اس کی شان (اس کے لعنتی ہونے) میں شک نہیں کرتے بلکہ اس کے ایمان میں بھی اللہ کی لعنت اس پر اور اس کے معاونین اور اس کے مددگاروں پر ہو۔

علامہ ابوالوردی نے اپنی تاریخ میں ذکر کیا ہے کہ جب اہل بیت رسول کو قیدی بنا کر شام میں لایا گیا تو یزید نے جب قافلہ کو دیکھا تو کہنے لگا۔ ؎

فقد اقتضیت من الرسول دیونی

کہ میں نے رسول اللہ سے اپنے قرضے وصول کر لیے ہیں۔ آخر میں علامہ آلوسی اپنا فیصلہ لکھتے ہوئے فرماتے ہیں کہ میں تو کہتا ہوں کہ یزید خبیث لم یکن مصدقا برسالۃ النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کی تصدیق کرنے والا نہیں تھا۔ اس نے حرم کعبہ اور حرم مدینہ منورہ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد پاک کی توہین کی اس کی تمام

برائیاں مسلمانوں پر واضح تھیں لیکن یہ مجبور تھے۔ انہوں نے صبر کا راستہ اختیار کیا اور اس بات کے منتظر رہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات اس خبیث سے انتقام لے اور میں صرف یزید پر ہی لعنت نہیں کرتا بلکہ ابن زیاد، ابن سعد اور ان کی جماعت پر (بھی) اللہ کی لعنت کرتا ہوں۔

اب سائل کا مہلب کے حوالہ سے یہ کہنا کہ یزید جنتی ہے بنیادی طور پر غلط ہے۔ کیونکہ مہلب نے یہ بات اموی خاندان کی حمایت کی بنا پر کی ہے جو کہ غیر معتبر ہے۔ یزید کو قسطنطنیہ کی جنگ میں امیر لشکر نہیں بنایا گیا تھا۔ اگر بعد میں وہ جنگ میں شریک ہوا تو اس کی یہ شرکت بطور سزا کے ہے۔ بطورِ جہاد کے نہیں ہے کیونکہ حضرت معاویہ نے یزید کو اپنی قسم پوری کرنے کے لیے بھیجا تھا ورنہ یزید تو جانے کے لیے ہرگز تیار نہیں تھا جیسے کہ پہلے گزر چکا ہے۔ اگر بالفرض مان بھی لیا جائے کہ وہ اپنی مرضی سے گیا تھا تو پھر مغفور لھم کے عموم سے ان احادیث نبویہ نے اس کو

خارج کر دیا ہے جن میں صبیانی حکومت کا ذکر ہوا ہے لہٰذا جب احادیث مخصص موجود ہیں تو مغفور لھم مخصوص کا یہ مطلب ہوا کہ اس بشارت میں وہ لوگ داخل ہیں جو بشارت کے اہل ہیں اور یزید اس بشارت کا اہل ہی نہیں تھا اور نہ ہے۔ لہٰذا وہ حدیث "مغفور لھم" سے خارج ہے اب بات واضح تر ہو گئی کہ ان احادیث نبویہ نے جن میں صبیانی حکومت کا ذکر ہے یزید کو "مغفور لھم" سے خارج کر دیا ہے نیز ان مخصص احادیث کی تائید ان احادیث صحیحہ سے ہو گئی جن میں اہل مدینہ پر ظلم کرنے والوں کو ملعون قرار دیا گیا ہے۔ لہٰذا ہر صورت میں یزید کے لیے نہ مغفرت ہے اور نہ جنت ہے۔ بلکہ اس سے جو افعال خبیثہ صادر ہوئے وہ اس کے لیے

باعث ارتداد ہوئے اسی وجہ سے حافظ ابن حجر عسقلانی، علامہ بدرالدین عینی، علامہ قسطلانی اور دیگر شارحینِ حدیث نے "مغفور لھم" کی تشریح کرتے ہوئے کہا ہے حتیٰ لو ارتد واحد ممن غزاھا بعد ذالک الخ (فتح الباری صہ ۱۰۲، عمدۃ القاری صہ ۱۹۱، قسطلانی شرح بخاری صہ ۱۴۴) کہ اگر ان سے کوئی مرتد ہو جائے تو وہ "مغفور لھم" میں داخل نہ ہوگا۔ اب محدثین کا ارتداد کا ذکر کرکے یزید کو مغفور لھم سے خارج کرنا اس کے مرتد ہونے کی دلیل ہے۔ لہٰذا یزید کسی صورت میں بھی نہ جنتی ہے اور نہ ہی مغفور لھم میں داخل ہے۔ علامہ وحید الزمان (غیر مقلد) تیسیر الباری شرح صحیح بخاری صہ ۹۶ جز ۱۱ میں لکھتے ہیں کہ میں کہتا ہوں سبحان اللہ۔ اس حدیث سے یہ کہاں سے نکلتا ہے کہ یزید کی خلافت صحیح ہے۔ اس نے امام حسین کو قتل کرایا اہلِ بیت کی اہانت کی۔ جب سر مبارک امام کا آیا تو مردود کہنے لگا کہ میں نے بدر کا بدلہ لے لیا۔ بعدہ مدینہ منورہ پر چڑھائی کی حرم محترم میں گھوڑے باندھے مسجد شریف اور قبر شریف کی توہین کی ان گناہوں کے بعد کوئی یزید کو مغفور لھم اور بہشتی کہہ سکتا ہے؟ قسطلانی نے کہا ہے کہ یزید امام حسین کے قتل سے خوش اور راضی تھا، اور اہلِ بیت کی اہانت پر بھی۔ اور یہ امر متواتر ہے، اس لیے ہم اس کے باب میں توقف نہیں کرتے بلکہ اس کے ایمان میں ہم کو کلام ہے۔ اللہ تعالیٰ کی لعنت اس پر اور اس کے مددگاروں پر۔ اس سے ظاہر ہوا کہ یزید نہ جنتی ہے اور نہ ہی مغفور لھم کے عموم میں داخل ہے، بلکہ احادیث نبویہ کے ساتھ اس عموم سے خارج ہے نیز حدیث زیر بحث (حدیث قسطنطنیہ) کے راوی شامی ہیں، کسی حدیث میں شامی راویوں کا جمع ہو جانا بھی محل اعتراض ہے۔ مثال کے طور پر رفع یدین کے مسئلہ میں

روایت اسماعیل بن عیاش عن صالح بن کیسان بایں وجہ محل اعتراض ہے کہ اس میں شامی راوی جمع ہو گئے ہیں۔ چنانچہ اصحابِ فن لکھتے ہیں کہ اگر یہ روایت شامیوں سے ہو تو غیر معتبر ہے اور اگر غیر شامیوں سے ہو تو پھر معتبر ہے۔ (نور الفرقدین ص۳۶) لہٰذا حدیث قسطنطنیہ بھی شامی راوی جمع ہونے کی وجہ سے محل اعتراض ہے۔ اسی وجہ سے ان راویوں پر بھی جرح کی گئی ہے۔ اس حدیث کا پہلا راوی اسحاق بن یزید دمشقی اس وجہ سے مجروح ہے کہ محدث ابو زرعہ المتوفی ۲۶۴ھ اس پر اعتماد نہیں کرتے تھے اور اس سے حدیث نہیں لکھتے تھے۔ اس حدیث کا دوسرا راوی یحییٰ بن حمزہ دمشقی ہے اس کے متعلق یحییٰ بن معین المتوفی ۲۳۰ھ فرماتے ہیں انہ کان قدریا یہ قدری مذہب رکھتا تھا یعنی تقدیر کا منکر تھا۔ اس حدیث کا تیسرا راوی ثور بن یزید ہے یہ حمص کا رہنے والا تھا یہ بھی قدری تھا اسی وجہ سے اہل حمص نے اس کو شہر سے نکال دیا تھا نیز یہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے ساتھ دشمنی بھی رکھتا تھا کیونکہ اس کا دادا جنگِ صفین میں حضرت علی کے ہاتھوں مارا گیا تھا یہ کہتا تھا کہ میں علی کو دوست نہیں رکھ سکتا کیونکہ انہوں نے میرے دادا کو قتل کیا ہے۔ امام احمد بن حنبل المتوفی ۲۴۱ھ بھی فرماتے ہیں کہ ثور بن یزید قدریہ یعنی تقدیر کا منکر تھا اسی وجہ سے لوگوں نے اس کے گھر کو جلا دیا تھا اور شہر سے نکال باہر کیا تھا۔ (میزان الاعتدال ص۳۸۴، تہذیب التہذیب ص۳۴، تقریب التہذیب ص۴۷) اس سے ثابت ہوا کہ اس حدیث زیر بحث کے راوی مجروح ہیں اور یہ حدیث ضعیف ہے۔ سائل اس کو اس وجہ سے بھی یزید کے جنتی ہونے پر بطور استدلال پیش نہیں کرسکتا۔ بہر حال یزید اپنے افعالِ خبیثہ اور کرتوتوں کی وجہ سے نہ جنتی ہے

اور نہ ہی خلیفہ برحق ہے۔

سوال:۔

نبراس جو شرح عقائد کی شرح ہے اس میں ہے کہ یزید کی تکفیر کرنا یا اس پر لعنت کرنا قواعد شرع کے خلاف ہے۔ لہٰذا اس پر نہ لعنت کرنی چاہیے اور نہ ہی اس کو کافر کہنا چاہیے۔

جواب:۔

صاحب نبراس کی یہ بات درست نہیں ہے کیونکہ یزید کی تکفیر امام احمد بن حنبل اور آپ کے تابعداروں (متبعین) نے کی ہے۔ نیز علامہ آلوسی اور قاضی ثناء اللہ پانی پتی اور دیگر علماء نے بھی یزید کو کافر کہا ہے اور علامہ الکیا الہراسی الشافعی کے قول کے مطابق امام مالک اور امام ابو حنیفہ نے یزید پر لعنت کے جواز کا قول کیا ہے اور ابن جوزی، علامہ تفتازانی، جلال الدین سیوطی اور دیگر محققین نے یزید پر لعنت کے جائز ہونے کے متعلق بھی لکھا ہے تو اب کیا صاحب نبراس کے قول کے مطابق ان ائمہ اور علماء حضرات نے قواعد شرعیہ کے خلاف کیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ان ائمہ مجتہدین اور علماء کے مقابلے میں صاحب نبراس کی تحقیق کیا حیثیت رکھتی ہے بلکہ ان ائمہ حضرات اور علماء کے ساتھ صاحب نبراس کا تقابل تو دور کی بات ہے کیونکہ صاحب نبراس تیرہویں صدی کے علماء سے ہیں ان کا تقابل تو تیرہویں صدی کے علماء سے بھی درست نہیں ہے۔ دیکھیے علامہ آلوسی اور قاضی ثناء اللہ پانی پتی دونوں تیرہویں صدی کے علماء میں سے ہیں جو کہ یزید پر لعنت کے قائل ہیں لیکن جو علمی مقام ان دونوں کا ہے وہ صاحب نبراس کا نہیں ہے۔ سنیئے صاحب نبراس کا نام مولانا حافظ عبدالعزیز ہے۔ یہ کوٹ ادو ضلع مظفرگڑھ پاکستان میں پیدا ہوئے۔ قرآن پاک اپنے والد محمد بن حامد سے حفظ کیا پھر ملتان

میں حافظ محمد جمال چشتی کے حلقہ درس میں داخل ہوئے۔ یہ بچپن میں نہایت غبی تھے۔ ان کا سیرت نگار لکھتا ہے کہ انہوں نے سخت محنت کی اور استاد صاحب کی دعا نے بھی ساتھ دیا تو علم کی دولت ملی۔ چند کتابیں تصنیف کیں جن میں شرح عقائد نسفیہ کی شرح نبراس بھی ہے۔ یہ ۱۲۰۹ھ میں پیدا ہوئے اور ان کی وفات بارہ سو انتالیس ۱۲۳۹ھ ہے اور ان کی کل عمر تیس سال تھی اور یہ ۱۳ صدی ہجری میں ہوئے ہیں۔ ظاہر ہے جب مولانا پہلے غبی تھے پھر استاذ کی دعاؤں سے علم ملا۔ اور کچی عمر میں ہی فوت ہو گئے۔ اتنی عمر میں نہ انسان کا علم پختہ ہوتا ہے اور نہ ہی تجربہ وسیع ہوتا ہے۔ اور نہ ہی اتنے معلومات وسعت رکھتے ہیں برخلاف علامہ آلوسی اور قاضی ثناء اللہ پانی پتی کے۔ وہ بھی اگرچہ تیرہویں صدی ہی کے ہیں لیکن ان کا علمی مقام بہت بلند ہے۔ چنانچہ علامہ بدرالدین حلبی المتوفی ۱۳۶۱ھ علامہ آلوسی کے متعلق لکھتے ہیں کہ یہ اہل عراق کے متاخرین اہل تفسیر سے ہیں اور یہ مفسرین سلف کے اقوال نہایت حسن وخوبی سے نقل کرتے ہیں۔ آپ کی کتاب تفسیر روح المعانی آپ کے علم پر دلالت کرتی ہے۔ جس میں تین طریقوں سے تفسیر کی گئی ہے۔ ایک طریقہ سلف کا دوسرا متکلمین کا اور تیسرا صوفیا کا۔ آپ تفسیر میں بلاغت اور ادب کی بنا پر علم بیان کے امیر سمجھے جاتے ہیں۔ آپ کو حدیث کا علم وسیع تھا اور منقولات میں بھی وسعت کے ساتھ معلومات کے مالک تھے۔ آپ کو اپنے زمانے کا زمخشری کہا گیا ہے۔ آپ کی وفات ۱۲۷۰ھ ہے۔ علامہ آلوسی زیر بحث مسئلہ کے متعلق لکھتے ہیں۔ میں تو کہتا ہوں کہ لم یکن مصدقا برسالة النبی صلی اللہ علیہ وسلم کہ یزید خبیث نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا تصدیق کرنے والا نہیں تھا اور قاضی ثناء اللہ پانی پتی بارہویں

اور تیرہویں صدی کے علماء سے ہیں۔ آپ نے شاہ ولی اللہ محدث دہلوی المتوفی ۱۱۷۶ھ سے علم حاصل کیا اور شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی المتوفی ۱۲۳۹ھ ان کو بیہقی وقت کہا کرتے تھے اور حضرت مرزا مظہر جان جاناں المتوفی ۱۱۹۵ھ کے مرید اور خلیفہ تھے اور مظہر جان جاناں ان کو علم الہدیٰ کہا کرتے تھے ان کی تفسیر مظہری مشہور تفسیر ہے۔ آپ کی وفات ۱۲۲۵ھ ہے آپ بھی زیر بحث مسئلہ کے متعلق لکھتے ہیں۔ ثم کفر یزید و من معه بما انعم الله علیهم وانتصبوا لعداوة آل النبی صلی الله علیه وسلم وقتلوا حسیناً رضی الله عنه ظلماً وکفر یزید بدین محمد صلی الله علیه وسلم حتی انشد ابیاتاً حین قتل حسیناً رضی الله عنه۔ یعنی یزید اور اس کے ساتھیوں نے اللہ کی نعمتوں کے ساتھ کفر کیا انہوں نے آل نبی کے ساتھ دشمنی کرنا اپنا نصب العین بنایا اور حسین کو ظلماً شہید کیا اور یزید (جلیت) نے دین محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کفر کیا۔ حتیٰ کہ یزید نے حسین کے قتل کے بعد یہ اشعار پڑھے جن کا مضمون یہ ہے کہ میرے آباؤ اجداد کہاں ہیں وہ آکر دیکھ لیں کہ میں نے آل محمد اور بنی ہاشم سے بدلہ لے لیا ہے۔ نیز قاضی ثناء اللہ پانی پتی لکھتے ہیں کہ یزید نے شراب کو حلال کیا اور ان یزیدیوں نے آل محمد کو منبر پر گالیاں دیں۔ آخر کار اللہ تعالیٰ نے ان سے انتقام لیا۔ اب ان سے کوئی بھی باقی نہیں ہے (تفسیر مظہری صفحہ ۲۷) اب جبکہ قاضی ثناء اللہ اور علامہ آلوسی اور دیگر محققین واضح طور پر یزید کو کافر کہہ رہے ہیں تو کیا انہوں نے قواعد شرعیہ کے خلاف کیا ہے کیا ان محققین کو قواعد شرعیہ کا علم نہیں تھا خود صاحب نبراس کی یہ حالت ہے کہ وہ کسی مسئلہ کو بھی قواعد شرعیہ کے ساتھ ہم آہنگ نہیں کر سکتے

جہاں کہیں وہ شرح عقائد نسفیہ کی عبارت کی تشریح کرنے کی کوشش کرتے ہیں وہاں ان پر محشی (حاشیہ لکھنے والا) علامہ برخوردار ملتانی برس پڑتا ہے اور قواعد شرعیہ کے مطابق ان کی تردید کرتا ہے۔ اس سے ظاہر ہوا کہ صاحب نبراس کی تحقیق غلط ہے۔ لہٰذا سائل کا صاحب نبراس کی عبارت کو بطور استدلال پیش کرنا درست نہیں ہے۔

سوال:۔

یزید کو اس بنا پر کافر کہنا کہ وہ قتلِ حسین پر راضی ہوا تھا یہ درست نہیں ہے کیونکہ صاحب نبراس لکھتے ہیں کہ قتلِ حسین پر راضی ہونا یزید کی تکفیر کا باعث تب ہو سکتا ہے جبکہ یہ معاملہ دینی ہو یہ تو معاملہ دنیاوی تھا۔ چنانچہ صاحب نبراس کی عبارت درج ذیل ہے۔ واما للعلاقۃ الدنیویۃ فلا کما قررہا المحققون "ثابت ہوا یزید کی تکفیر یا اس کو لعنتی کہنا صحیح نہیں ہے۔

جواب:۔

صاحب نبراس کی یہ بھی صریح غلطی ہے کیونکہ امام حسین امام عادل تھے اور یزید دین کا باغی تھا اور امام حسین کا معاملہ یزید کے ساتھ دنیاوی معاملہ نہیں تھا بلکہ دینی تھا۔ چنانچہ ابن خلدون لکھتے ہیں کہ امام حسین کے مقدر میں شہادت تھی جس کا انہیں ثواب ملا۔ کیونکہ آپ حق پر تھے (مقدمہ ابن خلدون ص۳۶ ج ۲)، نیز لکھتے ہیں کہ بھلا اس زمانے میں ہوا پرستوں سے لڑنے کے لیے امامت وعدالت میں امام موصوف (حسین) سے بڑھ کر کون مستحق ہو سکتا تھا لہٰذا ان کی شہادت ہوئی نہ کہ بغاوت کی راہ سے قتل ہوئے (مقدمہ ابن خلدون ص۳۶ ج ۲) ابن تیمیہ لکھتے ہیں کہ اہلِ سنت کا مسلک یہ ہے کہ

امام حسین شہید ہوئے تھے آپ کی شہادت مراتب میں بلندی کا باعث ہے آپ کو شہید کرنے والے اللہ کے عذاب اور اس کی لعنت کے مستحق ہیں (منہاج السنۃ صہ٢٤٩ ج ٢)، جب امام حسین شہید ہیں اور شہادت کا تعلق دین سے ہے، تو اس سے ظاہر ہے کہ یزید کے ساتھ امام حسین کا جو تنازع تھا جس میں امام حسین کربلا میں شہید ہوئے وہ دنیاوی امر نہیں تھا بلکہ دینی امر تھا، امام احمد بن حنبل اور قاضی ثناء اللہ پانی پتی علامہ آلوسی اور دیگر محققین یزید کو کافر کہتے تھے اور کافر کے ساتھ جنگ کرنا دینی امر ہے دنیاوی نہیں ہے قاری محمد طیب دیوبندی بھی لکھتے ہیں کہ حضرت امام حسین کا معاملہ جو یزید کے ساتھ تھا جس سلسلہ میں واقعہ کربلا ہوا اور امام حسین کی شہادت ہوئی اس کا تعلق عقیدہ اور دین سے ہے دنیا سے نہیں ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں۔ اب خلاصہ بحث یہ نکلا کہ یزید کی شنیع حرکات اور اس کے فاسقانہ افعال نصوص فقہیہ اور نصوص تاریخیہ سے واضح ہیں جن کی رو سے یزید کا مسئلہ محض تاریخی نظریہ نہیں رہتا بلکہ حدیث و فقہ کی رو سے ایک عقیدہ کا مسئلہ بن جاتا ہے اسی طرح امام حسین کا اہلِ بیت صحابی ہونا اور آپ کے ساتھ محبت رکھنا بھی ایک عقیدہ ہے۔ امام حسین کی طرف اس سلسلہ میں دنیاوی اقتدار کی نسبت کرنا گندے ذہن کی منصوبہ بندی ہے۔ (شہیدِ کربلا اور یزید صہ١٨٩) علامہ شبلی لکھتے ہیں وما کان امتناع الامام الحسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ عن مبایعتہ یزید ابن معاویہ طمعاً فی خلافتہ او امارتہ انما کان حرصامنہ علی الحفاظ علی کلمۃ التوحید واعلاء شان الدین الحنیف شانہ فی ذالک شان ابیہ الامام علی کرم اللہ وجہہٗ (زینب صہ١٥٧)، یعنی امام حسین کا یزید کی بیعت سے

انکار اس وجہ سے نہیں ہے کہ آپ کو خلافت اور امارت کا طمع د لالچ تھا بلکہ آپ نے یہ کام کلمہ توحید اور دین حنیف (اسلام) کی سربلندی کے لیے کیا آپ اس معاملہ میں اپنے والد ماجد حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے نقشِ قدم پر چلے ہیں۔

اس سے ظاہر ہے کہ امام حسین علیہ السلام کا یزید کی بیعت کا انکار کرنا اور اس سلسلہ میں آپ کی شہادت کا ہو جانا یہ دنیوی امر پر مبنی نہیں تھا بلکہ دینی تھا کیونکہ امام حسین کا مقصد محض اسلام کی سربلندی تھی جس کے لیے امام حسین نے مقام کربلا میں اپنی اور اپنے اعزہ و اقارب اور اپنے ماننے والوں کی قربانی دی۔ جب اہلِ سنت کا عقیدہ ہی یہ ہے کہ امام حسین کی شہادت دینی امر پر مبنی ہے تو جناب صاحب نبراس کا بلا دلیل یہ کہہ دینا کہ حسین اور یزید کا معاملہ دنیاوی تھا یہ صرف اہلِ سنت کے عقیدہ ہی کے خلاف نہیں ہے بلکہ یہ تو صاحب نبراس نے خوارج کا نظریہ پیش کیا ہے

نیز حسین کے ساتھ جیسے کہ دینی لحاظ سے محبت ضروری ہے۔ اسی طرح دنیا کے لحاظ سے بھی ضروری ہے۔ چنانچہ حدیث پاک میں آتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ من احبھما فقد احبنی ومن ابغضھما فقد ابغضنی (البدایہ والنہایہ ص۳۶ ج ۸) کہ جو حسن اور حسین کے ساتھ محبت رکھتا ہے پس بے شک وہ میرے ساتھ محبت رکھتا ہے اور جو ان کے ساتھ بغض رکھتا ہے وہ میرے ساتھ بغض رکھتا ہے۔ اور امام حاکم نے روایت کی ہے کہ حضور نے فرمایا حسن اور حسین میرے بیٹے ہیں۔ جو ان سے محبت رکھتا ہے وہ مجھ سے محبت رکھتا ہے

اور جو مجھ سے محبت رکھتا ہے وہ اللہ سے محبت رکھتا ہے اور جو اللہ سے محبت رکھتا ہے وہ جنت میں داخل ہوا، اور جو حسن اور حسین سے بغض رکھتا ہے وہ مجھ سے بغض رکھتا ہے۔ اور جو مجھ سے بغض رکھتا ہے وہ اللہ سے بغض رکھتا ہے اور جو اللہ تعالیٰ سے بغض رکھتا ہے وہ جہنم میں داخل ہوا۔ یہ نصوص مطلقہ ہیں جن میں تصریح ہے کہ حسین کے ساتھ کسی قسم کا بغض نہ رکھنا چاہیے نہ دینی اور نہ دنیاوی۔ پھر حسین دوسرے لوگوں کی طرح نہیں ہے کہ جن کی دنیاوی عداوت باعث کفر نہ بنے بلکہ حسین اور اہل بیت کے ساتھ دنیاوی عداوت رکھنا سبب کفر ہے اس لیے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بالخصوص ان کے ساتھ بغض وعداوت کرنے سے روکا ہے بلکہ بغض وعداوت رکھنے والے کے لیے جہنم میں داخل ہونے کے متعلق فرمایا ہے۔ علامہ شبلنجی فرماتے ہیں کہ امام طبرانی المتوفی ۳۶۰ھ نے اوسط میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ آپ نے معاویہ بن سفیان سے کہا ایاک وبغضنا فان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال لا یبغضنا ولا یحسدنا احد ذید عن الحوض یوم القیامۃ بسیاط من النار۔ (السیدۃ زینب ص۲) کہ تو ہمارے ساتھ بغض رکھنے سے بچ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہمارے ساتھ کوئی بغض نہیں رکھے گا مگر قیامت کے دن حوض کوثر سے اس کو آگ کے کوڑوں کے ساتھ دفع کیا جائے گا۔ اس سے ظاہر ہے کہ حضرت علی نے حضرت معاویہ کو کہا ہے کہ ہمارے ساتھ دشمنی وغیرہ نہ کرو۔ اب سوال یہ ہے کہ جس دشمنی سے حضرت علی نے امیر معاویہ کو منع کیا ہے یہ دینی دشمنی ہے یا دنیاوی؟ اگر تم کہو کہ دینی دشمنی سے منع کیا ہے تو ظاہر ہے کہ یہ غلط ہے، کیونکہ حضرت معاویہ تو مسلمان تھے وہ حضرت علی

سے دینی دشمنی کیسے کر سکتے تھے۔ اگر دنیاوی دشمنی مراد ہے تو پھر حضرت علی نے حضرت معاویہ کو صرف منع ہی نہیں کیا بلکہ عذاب کی دھمکی بھی سنائی ہے اور عذاب کی دھمکی دنیاوی دشمنی پر دینا اس بات کی واضح دلیل ہے کہ اہلِ بیت کے ساتھ دنیاوی دشمنی بھی باعث عذاب بن جاتی ہے اور بعض دفعہ یہ کفر کا باعث بھی بن جاتی ہے کیونکہ اہل بیت کے احکام دوسرے لوگوں کی طرح نہیں ہیں بلکہ اہلِ بیت کے لیے وہ خصوصیات ہیں جن سے یہ دوسروں سے ممتاز ہیں۔ جیسے کہ ہم نے حسب ونسب جلد اول میں ذکر کیا ہے۔ لہٰذا صاحب نبراس کا یہ کہنا کہ عداوت دنیاوی سے کفر لازم نہیں آتا یہ غلط ہے وہ عام لوگوں کا حکم ہے اہل بیت کا یہ حکم نہیں ہے۔ اہل بیت رسول کے احکام علیحدہ ہیں۔ اس سے ثابت ہوا کہ امام حسین کا یزید کی بیعت سے انکار کرنا پھر امام حسین کا کربلا میں شہید ہو جانا یہ عداوت دینی امر پر مبنی تھی۔ صاحب نبراس کا یہ کہنا کہ یہ دنیاوی عداوت تھی غلط ہے بلکہ یہ دینی عداوت تھی جس کی وجہ سے یزید کافر ہوا۔

سوال:۔

صاحب نبراس نے لکھا ہے کہ امام حسین نے شہادت سے پہلے یزیدیوں کو کہا تھا کہ مجھے دمشق لے چلو میں یزید کی بیعت کر لوں گا لیکن انہوں نے امام حسین کو موقع نہیں دیا۔ بلکہ شہید کر دیا۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ یزید حق پر تھا۔

جواب:۔

یہ بھی صاحب نبراس کی صریح غلطی ہے اور سفید جھوٹ ہے۔ کیونکہ امام حسین علیہ السلام نے کبھی بھی کسی موقعہ پر یہ نہیں کہا کہ میں یزید کی بیعت کرتا ہوں یا کروں گا۔ دیکھیے نبراس کے جو محشی ہیں انہوں نے صاحب نبراس پر

اعتراض بایں الفاظ کیا ہے وانا ما وقفت علی ھذا اللفظ کہ میں اس عبارت پر واقف نہیں ہو سکا۔ اور ابن کثیر لکھتے ہیں کہ عقبہ بن سمعان نے روایت کی ہے لقد صحبت الحسین من مکۃ الی حین قتل واللہ ما من کلمۃ قالھا فی موطن الا وقد سمعتھا وانہ لم یسئال ان یذھب الی یزید فیضع یدہ فی یدہ (البدایہ والنہایہ صد ۱۷۵ ج ۸) کہ میں نے امام حسین کا مکہ سے لے کر وقت شہادت تک ساتھ دیا اور آپ کے تمام کلمات کو سنا ہے اور میں نے ہرگز یہ نہیں سنا کہ آپ نے فرمایا ہو کہ مجھے یزید کے پاس لے چلو تاکہ میں اس کی بیعت کر لوں۔ ابن کثیر ایک دوسرے مقام پر لکھتے ہیں کہ حسین نے جب کربلا میں یزیدیوں کے ساتھ گفتگو کی تو یزیدی کہنے لگے کہ تم یزید کی بیعت کر لو اور یزید کی بات مان لو تو آپ نے فرمایا معاذ اللہ "انی عذت بربی وربکم من کل متکبر لا یومن بیوم الحساب" (البدایہ والنہایہ صد ۱۷۹ ج ۸) بے شک میں ہر متکبر سے جو قیامت پر ایمان نہیں لاتا اپنے اور تمہارے پروردگار کی پناہ لے چکا ہوں یعنی میں یزید کی بیعت کرنے کے لیے ہرگز ہرگز تیار نہیں ہوں۔ علامہ شبلی لکھتے ہیں کہ امام حسین علیہ السلام نے یہ بھی فرمایا کہ میں اہل بیت نبوت و رسالت سے ہوں۔ یزید اس کا اہل نہیں ہے کہ میں اس کی بیعت کر لوں (زینب صد ۱۵۶) نیز علامہ شبلی لکھتے ہیں کہ ابن زیاد نے عمر بن سعد کو خط لکھا کہ تم امام حسین کو کہو کہ وہ یزید کی بیعت کا اقرار کر لیں ورنہ تم ان کا پانی بند کر دو عمرو بن سعد نے حضرت امام حسین علیہ السلام سے اس کے متعلق بات کی۔ آپ نے انکار فرما دیا تو عمرو بن سعد نے پانچ سو سواروں کو دریائے فرات پر متعین کر دیا اور کہا کہ امام حسین اور ان کے ساتھیوں کو پانی ہرگز نہ لینے دیا جائے۔ یزیدی

فوج سے ایک آدمی عبداللہ بن ابی الحصین ازدی نے کہا (امام) حسین کیا تم پانی کی طرف نہیں دیکھتے تمہیں ایک قطرہ بھی پانی کا نہیں دیا جائے گا۔ یہاں تک کہ تم پیاسے موت سے ہمکنار ہو گے۔ جب امام پاک علیہ السلام نے یہ بات سنی تو آپ نے فرمایا اللھم اقتلہ عطشًا اے اللہ اس کو پیاسا مار۔ اللہ تعالیٰ نے امام حسین کی دعا کو قبول فرمایا، یہ عبداللہ بیمار ہو گیا اور جب بھی یہ پانی پیتا تھا تو قے کر دیتا اور پھر پیتا اور پھر قے کرتا نہ ہی اس کی پیاس بجھتی اور نہ ہی یہ پانی کو چھوڑتا یہاں تک کہ اس طرح یہ مر گیا۔ پانی بند ہونے کے بعد امام حسین نے بیعت سے انکار کیا تو دوبارہ عمر بن سعد نے امام سے اس بارے میں گفتگو شروع کر دی اور کہا کہ آپ یزید کی بیعت کر لیں تو آپ نے جواباً فرمایا کہ بیعت تو میں کسی صورت میں بھی نہیں کر سکتا۔ البتہ یہ صورت ہو سکتی ہے کہ تم مجھے اپنی حالت پر چھوڑ دو تو میں واپس مکہ چلا جاتا ہوں یا کسی دوسرے علاقہ میں چلا جاتا ہوں اور وہاں جا کر انتظار کروں گا کہ دوسرے لوگ یزید کے ساتھ کیا سلوک کرتے ہیں لیکن عمر بن سعد نے ابن زیاد کو وقتی طور پر روکنے کے لیے یا اس کے غصہ کو ٹھنڈا کرنے کے لیے اپنی طرف سے کہہ دیا کہ امام حسین یزید کے پاس جائیں گے نبضع یدہ فی یدہ تاکہ اس کی بیعت کریں اور علامہ شبلی لکھتے ہیں والواضح

ان عمر بن سعد، قد تجوز فی نقل کلام الامام الحسین عامدًا لغرض یاملہ، ھو ان یلقی عن عاتقہ عباء قتال الحسین وصحبہ وما تیبع ذلک من وخز الضمیر وسوء العاقبۃ فی الدنیا والأخرۃ۔

اور صاف بات یہ ہے کہ عمرو بن سعد نے امام حسین کی کلام کو (ابن زیاد کے سامنے) غلط صورت میں پیش کر دیا تاکہ وہ امام حسین کے قتل کی ذمہ داری سے

بچ سکے اور یہ کہ اپنے ضمیر کی ملامت اور دنیا و آخرت کے برے انجام سے محفوظ رہ سکے نیز علامہ شبلی لکھتے ہیں کہ بنو امیہ خاندان کے حامیوں (یعنی خارجیوں) نے عمرو بن سعد کا غلط قول امام حسین کی طرف نسبت کر دیا اور ان خارجیوں نے کہنا شروع کر دیا کہ امام حسین نے کہا تھا کہ میں یزید کی بیعت کر لوں گا تاکہ وہ لوگوں کو کہہ سکیں کہ امام حسین نے تو یزید کی بیعت کے لیے اقرار کر لیا تھا حالانکہ امام حسین نے نہیں کہا تھا کہ میں یزید کے ہاتھ میں ہاتھ رکھ دوں گا۔ نیز علامہ شبلی فرماتے ہیں کہ ہماری اس بات کی تائید وہ روایت کرتی ہے جو عقبہ بن سمعان نے بیان کی ہے کہ میں نے مدینہ سے لے کر مکے تک اور مکہ سے لے کر عراق (کربلا) تک حسین کا ساتھ دیا ہے اور آپ کے شہید ہونے تک میں آپ کے ساتھ رہا ہوں۔ آپ نے کبھی بھی کسی کے سامنے یہ نہیں فرمایا کہ میں اپنا ہاتھ یزید کے ہاتھ میں رکھ دوں گا (تنبیہ صفحہ ۱۴۴)

علامہ شبلی کے کلام کا خلاصہ یہ ہے کہ کربلا میں عمرو بن سعد نے جب بار بار اصرار کے ساتھ امام حسین کو کہا کہ آپ یزید کی بیعت کر لیں تو آپ نے فرمایا میں ہرگز یزید کی بیعت نہیں کروں گا البتہ یہ صورت ہو سکتی ہے کہ تم لوگ مجھے اپنی حالت پر چھوڑ دو یا تو مکہ مکرمہ چلا جاؤں یا پھر کسی دوسری جگہ جا کر میں انتظار کروں گا کہ یزید کے ساتھ لوگ کیا سلوک کرتے ہیں۔ عمرو بن سعد نے جب یہ بات سنی تو اس نے ابن زیاد کا غصہ ٹھنڈا کرنے کے لیے ابن زیاد کو لکھ دیا کہ میں نے امام حسین سے بات کی ہے وہ کہتے ہیں کہ میں یزید کے پاس جا کر اس کی بیعت کر لوں گا۔ اس نے یہ بات غلط طور پر ابن زیاد کو اس لیے بتلائی تاکہ وہ قتل حسین میں براہ راست ملوث نہ ہو اور کسی طرح وقت گزر جائے لیکن ابن زیاد اور شمر نے اس کو مجبور کر دیا کہ وہ یا تو بیعت کا اقرار لے یا حسین کو قتل کرے۔ آخر کار اس نے

حسین کو شہید کرا دیا۔ اب ظاہر ہے کہ یہ الفاظ فیضع یدہ فی ید کا۔ عمرو بن سعد کے تھے اور امیہ خاندان کے حامی لوگوں (خارجیوں) نے امام حسین کی طرف نسبت کر دیے اور مشہور کر دیا کہ امام حسین نے یزید کی بیعت کا اقرار کر لیا ہے حالانکہ امام حسین نے کبھی بھی یزید کی بیعت کا نہ اقرار کیا ہے اور نہ کہا ہے کہ میں دمشق جا کر یزید کی بیعت کر لیتا ہوں۔ ہماری اس بات کا ثبوت عقبہ بن سمعان کی روایت کرتی ہے جس کو حافظ ابنِ کثیر کے حوالہ سے ہم پہلے بھی ذکر کر چکے ہیں کہ عقبہ بن سمعان کہتے ہیں کہ میں نے مکہ سے لے کر کربلا تک بلکہ آپ کے شہید ہونے تک آپ کا ساتھ دیا۔ آپ نے کسی موقعہ پر بھی نہیں فرمایا کہ میں یزید کے ہاتھ پر ہاتھ رکھوں گا۔ اس سے ظاہر ہوا کہ امام حسین نے کبھی بھی یہ نہیں فرمایا کہ میں یزید کی بیعت کر لوں گا یا کرتا ہوں۔ یہ صاحب نبراس کی غلطی ہے یا اس نے یہ خوارج کا ایک جھوٹا قول ذکر کر دیا ہے۔ چونکہ صاحب نبراس اتنے وسیع معلومات نہیں رکھتے تھے اور علم بھی کچا تھا۔ لہٰذا انہوں نے نبراس کے متعدد مقامات میں کچھ مسائل جو مسلک اہلِ سنت والجماعت کے خلاف ہیں، لکھ دیے ہیں۔ لہٰذا صاحبِ نبراس کا یہ کہنا کہ امام حسین علیہ السلام نے یزید کی بیعت کے لیے کہا تھا بہت حد تک غلط ہے۔ جب صاحبِ نبراس نے متعدد مسائل میں غلطی کی ہے تو ان کی بات غیر معتبر ہے۔

سوال :۔

آپ کہتے ہیں کہ صاحب نبراس کی تحقیق غلط ہے۔ امام غزالی نے بھی احیاء العلوم کے اندر لکھا ہے کہ یزید پر لعنت نہ کرنی چاہیے۔

جواب :۔

امام غزالی کا ذکر صاحبِ نبراس نے بھی کیا ہے۔ چنانچہ لکھتے ہیں

وانکر ذالک بعض العلماء ومنھم الامام الغزالی وقالوا لم یثبت ھذا اصلا (نبراس صد ۵۵۲) کہ اس کا بعض اہل علم نے انکار کیا ہے جن میں سے امام غزالی بھی ہیں اور انہوں نے کہا ہے کہ یہ ثابت نہیں ہوا یعنی علامہ تفتازانی نے کہا تھا کہ یزید قتل حسین پر راضی ہوا تھا اور اس پر لعنت ہو اس کے متعلق یہ لوگ جن میں امام غزالی بھی ہے کہتے ہیں کہ یہ بات اصلاً ثابت نہیں ہوئی۔ نبراس کا محشی (حاشیہ لکھنے والا) کہتا ہے کہ اگر ان لوگوں کے نزدیک یہ بات ثابت نہیں ہوئی تو کیا حرج ہے۔ دوسرے لوگوں کے نزدیک ثابت ہو چکا ہے (کہ یزید قتل حسین پر راضی تھا) اور یہی حق ہے قال اللہ تعالیٰ وفوق کل ذی علم علیم۔ (نبراس حاشیہ نمبر ۲ صد ۵۵۲) اور اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا اور ہر صاحب علم پر ایک علم والا ہے۔ محشی (حاشیہ لکھنے والے) کی عبارت سے ثابت ہوا کہ حق یہی ہے کہ یزید قتل حسین پر راضی تھا اور یہ بھی حق ہے کہ اس پر لعنت کرنا جائز ہے فالحق احق ان یتبع (نبراس صد ۵۵۲ حاشیہ نمبر ۱) اور حق ہی اس لائق ہے کہ اس کی اتباع کی جائے۔ اگر امام غزالی وغیرہ کے نزدیک یہ بات ثابت نہیں ہوئی تو ان سے جو زیادہ علم والے ہیں ان کے نزدیک یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ یزید پر لعنت جائز ہے۔ ان کا قول ہی حق ہے جب علامہ تفتازانی کا قول حق ہوا تو ظاہر ہے کہ امام غزالی وغیرہ کا قول باطل ہوا[1]۔ نیز امام غزالی شافعی

---

[1] علامہ شبراوی نے بھی لکھا ہے کہ غزالی کا قول مردود ہے (الاتحاف صد ۶۸) جناب مفتی احمد یار نعیمی نے جو تفسیر نعیمی میں لکھا ہے کہ یزید پلید پر نام لے کر لعنت کرنا جائز نہیں ہے وہ بھی مردود ہے کیونکہ مفتی احمد یار خاں کی بات علامہ شبراوی کے قول کے مطابق خلاف تحقیق ہے۔

مفتی غلام رسول

المسلک ہیں، شوافع سے الکیا الہراسی شافعی لکھتے ہیں کہ ولنا قول واحد المنصوص بہ (حاشیہ نبراس ص۵۵۱) کہ ہمارا شوافع کا اس معاملہ میں قول تصریح ہے یعنی ہم یزید پر صراحتہً لعنت کرنے کے قائل ہیں۔ جب شوافع سے ایک عظیم فقیہہ ذمہ داری سے امام شافعی کا مذہب نقل کر رہا ہے تو پھر تمام شوافع کا مذہب یہ ہوا کہ یزید پر لعنت کرنا جائز ہے۔ اگر امام غزالی شوافع سے اختلاف کرتے ہیں تو ان کا قول اپنے امام اور دیگر شوافع کے مقابلہ میں مرجوح اور باطل ہوگا۔ اسی وجہ سے صاحب نبراس نے جب احیاء العلوم کا حوالہ ذکر کیا ہے تو محشی (حاشیہ لکھنے والے) نے حاشیہ نمبر ۵ صفحہ ۵۵۱ میں اس کی مکمل تردید کرتے ہوئے کہا ہے کہ یزید نے تو وہ کام کیا ہے جو کفار کرتے ہیں پھر فقیہہ الکیا الہراسی کا قول ذکر کرکے بلکہ یزید کے کرتوت ذکر کرکے محشی نے ثابت کر دیا ہے کہ امام غزالی اور دیگر لوگ جو یزید پر لعنت کرنے کا انکار کرتے ہیں ان کا قول باطل ہے اور حق یہی ہے کہ اس پر لعنت کرنا جائز ہے۔ بہر صورت صاحب نبراس کی یزید کے معاملہ میں جتنی تحقیق ہے وہ غلط اور باطل ہے۔ نبراس کے محشی نے قدم بقدم صاحبِ نبراس کی حاشیہ پر تردید کر دی ہے۔ علاوہ ازیں متعدد مسائل میں صاحبِ نبراس نے غلطی کی ہے جن کی محشی نے بھی نشان دہی کر دی ہے۔ غرضیکہ محققین نے جو یزید کی تکفیر کی ہے اور اس پر لعنت کی ہے وہ قواعد شرع کے مطابق ہے کیونکہ یزید نے شرع محمدی کے قوانین کی دھجیاں بکھیری تھیں۔ امام حسین کو قتل کرایا اور پھر کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بدر کا بدلہ لیا ہے۔ نیز وہ قتل حسین پر راضی ہوا، اہلِ بیت کی توہین کی اور شراب کو حلال کیا، اہل مدینہ پر ظلم کیا مکہ مکرمہ پر حملہ کرکے کعبۃ اللہ کی بے حرمتی کی جس کی

وجہ سے علماء محققین نے یزید کی تکفیر کی اور امام حسین نے کبھی بھی عمر و بن سعد وغیرہ کو نہیں کہا کہ مجھے یزید کے پاس لے چلو میں بیعت کر لوں گا بلکہ امام نے تادم شہادت یزید کی بیعت سے انکار کیا اور کرتے رہے۔ یہاں تک کہ آپ کی شہادت ہو گئی۔ بایں وجہ ائمہ مجتہدین نے یزید پر لعنت کے جواز کا قول کیا اور امام احمد بن حنبل نے اور دیگر محققین اہلِ سنت والجماعت نے یزید کو کافر کہا اور ان لوگوں کی تحقیق ہی حق پر مبنی ہے۔ امام غزالی اور صاحب نبراس وغیرہ نے جو کہا کہ یزید کی تکفیر اور اس پر لعنت نہ کرنی چاہیے وہ صرف غلط ہی نہیں بلکہ باطل ہے۔

سوال:۔

یہ کہنا کہ امام حسین علیہ السلام حق پر تھے اور یزید غلطی پر تھا یا یزید لعنتی ہے یا کافر ہے یہ تو ایک نظریاتی اور تاریخی مسئلہ ہے لہٰذا اس مسئلہ کو زیر بحث لانے کی کیا ضرورت ہے۔

جواب:۔

سائل کو غلط فہمی ہوئی ہے یہ مسئلہ نظریاتی یا صرف تاریخی نہیں ہے جس کی کوئی حقیقت ہی نہ ہو بلکہ یہ مسئلہ مسلمانوں کے نزدیک فقہی کلامی اور عقیدے کا مسئلہ ہے۔ عقیدہ دین ہوتا ہے اور نظریہ تو انسان کی اپنی رائے ہوتی ہے۔ نیز عقیدہ خدا اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم اور خبر سے بنتا ہے۔ مسلمانوں کو خدا اور رسول نے حکم دیا ہے کہ امام حسین اور دیگر اہلِ بیت رسول سے محبت رکھو۔

قرآن پاک میں ہے۔

قل لا اسئلکم علیہ اجرًا الا المودۃ فی القربیٰ

فرمادیجئے اے لوگو میں تم سے اس (ہدایت و تبلیغ) کے بدلے کچھ اجرت وغیرہ نہیں مانگتا سوائے قرابت کی محبت کے، حضرت ابن عباس فرماتے ہیں جب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی تو حضور کی بارگاہ میں عرض کیا گیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہ آپ کے قریبی لوگ کون ہیں جن کی محبت ہم پر فرض کی گئی ہے۔ فرمایا علی فاطمہ اور ان کے دونوں بیٹے (شرح مواہب لدنیہ صد ۳ ج ۷، درمنثور صد ۷ ج ۶، صواعق محرقہ صد ۱۶۸) حضرت امام حسن علیہ السلام نے ایک مرتبہ اپنے خطبہ میں ارشاد فرمایا۔ جو مجھے پہچانتا ہے وہ تو مجھے پہچانتا ہے اور جو نہیں پہچانتا وہ جان لے کہ میں رسول اللہ کا بیٹا حسن ہوں پھر یہ آیت تلاوت فرمائی واتبعت ملۃ آبائی ابراھیم (آخر تک) پھر فرمایا میں اہل بیت نبوت سے ہوں جن کی محبت و دوستی اللہ عزوجل نے تم پر فرض فرمائی اور اس بارے میں اس نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ آیت نازل فرمائی قل لا اسئلکم علیہ اجرا الا المودۃ فی القربی (صواعق محرقہ صد ۱۶۸)

حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے لوگو! خدا تعالیٰ سے محبت رکھو کیونکہ وہ تمہارا رب ہے اور تمہیں نعمتیں عطا فرماتا ہے اور مجھے محبوب رکھو اللہ تعالیٰ کی محبت کی وجہ سے اور میرے اہل بیت کو محبوب رکھو میری محبت کی وجہ سے۔

(مشکوٰۃ صد ۵۷۳)

حضرت اسامہ بن زید المتوفی ۵۴ھ سے روایت ہے کہ اسامہ نے کہا کہ میں نے حضور کو دیکھا کہ آپ حسن و حسین کو لیے ہوئے فرما رہے تھے یہ دونوں میرے بیٹے ہیں اور میری بیٹی کے بیٹے ہیں، اے اللہ میں ان کو محبوب رکھتا ہوں پس تو بھی ان کو محبوب رکھ اور اس کو بھی محبوب رکھ جو

ان کو محبوب رکھے۔ حضرت جابر فرماتے ہیں میں نے حجۃ الوداع میں عرفہ کے روز حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا آپ اونٹنی قصویٰ پر سوار تھے اور فرما رہے تھے

یا ایھا الناس انی ترکت فیکم ما ان اخذ تم بہ لن تضلوا کتاب اللہ وعترتی اھل بیتی (مشکوٰۃ صـ۵۶۹) اے لوگو! میں نے تمہارے درمیان دو چیزیں چھوڑی ہیں۔ اگر تم اس کو مضبوطی سے پکڑے رہو گے تو کبھی گمراہ نہیں ہو گے اور وہ چیز اللہ کی کتاب اور میری عترت اہل بیت ہے۔ ابو سعید خدری المتوفی ۷۴ھ سے روایت ہے کہ حضور نے فرمایا قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے جس کسی نے بھی ہمارے اہل بیت سے بغض رکھا اللہ تعالیٰ اس کو جہنم میں داخل کرے گا۔ (الصواعق المحرقہ صـ۱۴۲)، حضرت سلمان فارسی المتوفی ۳۶ھ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا فرماتے تھے حسن و حسین دونوں میرے بیٹے ہیں جس نے ان دونوں کو محبوب رکھا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کو جنت میں داخل فرمایا اور جس نے ان دونوں سے بغض رکھا اس نے مجھ سے بغض رکھا اور جس نے مجھ سے بغض رکھا اس نے اللہ سے بغض رکھا اور جس نے اللہ سے بغض رکھا اللہ نے اس کو دوزخ میں داخل کیا۔ (المستدرک صـ۱۶۶ ج ۳)

ظاہر ہے کہ اہل بیت کے ساتھ محبت و عقیدت رکھنا واجب اور فرض ہے۔ فرزدق شاعر المتوفی ۱۱۰ھ امام زین العابدین علیہ السلام کی تعریف کرتے ہوئے کہتا ہے کہ یہ اس پاکیزہ جماعت کا ایک فرد ہیں جن کی محبت دین اور جن کا بغض کفر ہے اور جن کی نزدیکی نجات اور پناہ میں آنا ہے اگر متقی لوگوں کا شمار کیا جائے تو ان سب کے امام یہی ہیں اگر کوئی کہے۔ تمام روئے زمین پر سب سے بہتر کون ہے تو کہا جائے گا یہی ہیں ؎

کوئی شخص اہلِ بیت نبوی کے ساتھ بغض اور عداوت رکھتا ہے تو اس سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو تکلیف اور اذیت پہنچتی ہے اور حضور کو اذیت اور تکلیف پہنچانا صریح کفر ہے۔ علامہ شبلی لکھتے ہیں کہ ابولہب کی لڑکی نے اسلام لانے کے بعد جب ہجرت کی تو کسی نے کہا کہ تو تو دوزخی کی بیٹی ہے۔ تجھے یہ ہجرت نفع نہیں دے گی۔ حضور کو اس کی اطلاع دی گئی تو فرمایا مابال اقوام یوذوننی فی نسبی و ذوی رحمی الا من آذی نسبی و ذوی رحمی فقد آذانی ومن آذانی فقد آذی اللہ (اخرجہ البیہقی وابن مندہ وابن ابی عاصم والطبرانی) (السیرہ صہ۱۹۱)

کہ لوگوں کو کیا ہوا ہے مجھے میرے نسب اور رشتہ داروں کے معاملہ میں تکلیف پہنچاتے ہیں خبردار جس نے مجھے میرے نسب اور رشتہ داروں کے معاملہ میں تکلیف دی اس نے مجھے تکلیف دی اور جس نے مجھے تکلیف دی اس نے اللہ کو تکلیف دی۔ نیز علامہ شبلی لکھتے ہیں۔ ولذالک کان من ادب السلف الصالح ان لا یقرءوا فی الصلوٰۃ بسورۃ اللہب حفاظا علی قلب رسول اللہ ونفسہ مع انہا قرآن منزل (السیرۃ صہ۲۰) اسی وجہ سے کہ حضور کو تکلیف نہ پہنچے) سلف صالحین کا طریقہ رہا ہے کہ وہ نماز میں سورۃ لہب (جس سورت میں ابولہب کا دوزخی ہونا بیان کیا گیا ہے) نہیں پڑھتے تاکہ حضور کا قلب مبارک اور آپ کی ذات ہر قسم کی تکلیف سے محفوظ رہے۔

بہرحال امام حسن و امام حسین اور اہلِ بیت رسول کی محبت فرض اور عین ایمان ہے جو کہ عقائد میں شامل ہے۔ یہ مسئلہ صرف نظریاتی نہیں ہے بلکہ اس کی بنیاد تو کتاب و سنت پر ہے اسی طرح یزید پر لعنت کے جواز کا مسئلہ بھی

مقدم بعد ذکر اللہ ذکرھم

فی کل بدء مختوم بہ الکلم

اللہ کے ذکر کے بعد ان کا ہی تو ذکر ہے ہر کلام کی ابتداء اور انتہا یہی ہیں

امام شافعی فرماتے ہیں ؎

یا اھل بیت رسول اللہ حبکم

فرض من اللہ فی القرآن انزلہٗ

اے اہلِ بیت رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) تم سے محبت رکھنا اللہ نے قرآن میں، جس کو اتارا ہے، فرض قرار دیا ہے۔

کفاکم من عظیم القدر انکم

من لم یصل علیکم لا صلاۃ لہٗ

تمہاری عظمت وشان کے لیے یہی بات کافی ہے کہ جس نے تم پر درود نہیں پڑھا اس کی نماز ہی نہیں۔ شیخ اکبر محی الدین ابن عربی المتوفی ۶۳۸ھ فرماتے ہیں کہ اہلِ بیت کے ساتھ کسی مخلوق کو برابر نہ کرو کیونکہ اہلِ بیت ہی اہلِ سیادت ہیں، ان کی دشمنی انسان کے لیے حقیقی نقصان ہے اور ان کی محبت والفت عبادت ہے۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی المتوفی ۱۱۷۶ھ فرماتے ہیں کہ میں نے ارواح اہلِ بیت نبوت کو خطیرۃ القدس میں باتم وجہ واجمل وضع مشاہدہ کیا ہے اور سمجھا کہ ان کو اچھا نہ جاننے والا بڑے خطرے میں ہے۔ امام ربانی مجدد الف ثانی المتوفی ۱۰۳۴ھ فرماتے ہیں محبت اہلِ بیت سرمایہ اہلِ سنت است کہ اہلِ بیت کی محبت تو اہلِ سنت کا سرمایہ ہے (مکتوبات ص۳۶ ج ۲) اس سے ظاہر ہے کہ مومن ہونے کے لیے اہلِ بیت کی محبت اور عقیدت لازم ہے اور ان کے ساتھ بغض وعداوت رکھنا بے ایمانی کا سبب ہے اگر

عقائد سے تعلق رکھتا ہے۔ امام احمد بن حنبل و دیگر محققین نے یزید کی تکفیر کی ہے
اور اس پر لعنت کے جواز کا ثبوت قرآن و حدیث سے فرمایا ہے۔ لہذا یہ
معتقدات سے ہوا۔ جب حسین کا حق پر ہونا اور یزید کا باطل پر ہونا عقائد سے
ہے تو پھر سائل کا یہ کہنا کہ اس مسئلہ کو زیر بحث لاتے کا کیا فائدہ ہے تو
اس کا جواب ظاہر ہے کہ جب یہ عقائد سے ہے تو اس کو زیر بحث لانا ضروری ہے
تاکہ مسلمان بحیثیت مسلمان اپنے عقیدے پر قائم رہیں۔

خلاصہ یہ ہے کہ امام حسین علیہ السلام حق پر تھے اور یزید غلطی پر تھا
یزید نے اہل بیت نبوی کی توہین اور گستاخی کی اور کہا کہ میں نے حسین کو قتل
کر کے بدر کا بدلہ لیا ہے اور قتل حسین پر راضی ہوا اور جب امام زین العابدین
اور سیدہ زینب اور دیگر اہل بیت خواتین کو قیدی بنا کر دمشق میں یزید کے
پاس لے جایا گیا تو یزید سیدہ زینب کے ساتھ گستاخی سے پیش آیا یہاں
تک کہ ایک شامی نے یزید کو کہا کہ مجھے یہ لڑکی (فاطمہ بنت علی) دی
جائے جیسا کہ پہلے البدایہ والنہایہ کے حوالہ سے گزر چکا ہے۔ یہ بات بھی یقیناً
یزید کے ایماء پر ہوئی جیسے کہ یزید نے سیدہ زینب کو خود کہا کہ اگر چاہوں
تو اپنی مرضی کر سکتا ہوں لیکن سیدہ زینب نے جواباً کہا کہ تم یہ ہرگز نہیں کر سکتے
گویا کہ یہ معاملہ سیدہ زینب کی جرأت مندی کی وجہ سے ٹل گیا ورنہ کیا معلوم
یہ یزید خبیث کیا کرتا۔ حضرت سیدہ زینب اپنے باپ علی کی طرح بہت بہادر
اور جرأت مند تھیں۔ علامہ احمد علی شلبی اپنی کتاب (زینب) میں لکھتے ہیں کہ
سیدہ زینب ۵ھ میں پیدا ہوئیں۔ آپ کی والدہ فاطمۃ الزہرا خاتون جنت
ہیں اور آپ کے والد حضرت علی المرتضیٰ ہیں۔ آپ کا اسم گرامی زینب ہے
جب آپ پیدا ہوئیں تو اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ میں

موجود نہیں تھے ۔جب حضور سفر سے واپس تشریف لائے تو آپ فاطمۃ الزہرا ر کے گھر تشریف لے گئے ۔حضرت زینب کو حضور نے گود میں لیا پھر دہن مبارک میں کھجور چبا کر لعاب مبارک زینب کے منہ میں ڈالا اور حضرت علی نے اپنی بچی کا نام رکھنے کے متعلق دریافت کیا تو حضور نے فرمایا مجھے اس نام رکھنے میں وحی کا انتظار ہے ۔یہاں تک کہ جبریل علیہ السلام تشریف لائے انہوں نے حضور کی بارگاہ میں سلام پیش کرنے کے بعد فرمایا سم ھذہ المولود نح زینب کہ اس بچی کا نام زینب رکھیے لہٰذا آپ کا نام زینب رکھا گیا اور آپ کے متعدد لقب ہیں ان میں ایک عقیلہ ہے اور علامہ شبلی کہتے ہیں کہ سیدہ جب بولا جائے تو مراد آپ کی ذات ہی ہوتی ہے ۔حضرت زینب کی پرورش کا آغاز حضور صلی اللہ علیہ وسلم ،حضرت علی ،حضرت فاطمۃ الزہرا کے زیر سایہ ہوا ۔ایک دن بچپن کے عالم میں حضرت زینب قرآن پاک پڑھ رہی تھیں ،عدم التفات کی وجہ سے سر سے کپڑا اتر گیا تو سیدۃ النساء نے دیکھا تو آپ نے دوپٹہ سر پر ڈال کر فرمایا بیٹی قرآن پاک ننگے سر نہیں پڑھتے ۔جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم حجۃ الوداع کے لیے تشریف لے گئے تو سیدہ زینب پانچ سال کی تھیں یہ بھی ساتھ تھیں یہ حضرت زینب کا پہلا سفر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھا جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال مبارک ہوا تو آپ کی عمر تقریباً چھ سال تھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد چھ ماہ ہی گذرے تھے کہ والدہ پاک سیدہ فاطمۃ الزہرا کی وفات ہوگئی پھر آپ کی تربیت حضرت علی نے فرمائی ۔یہی وجہ تھی کہ حضرت زینب علم و شجاعت کے اندر اپنے والد ماجد کی طرح تھیں ۔آپ حق گو بے باک تھیں اور عظمت و عصمت اور عبادت و شب بیداری میں خاتون جنت کی طرح تھیں حقیقت یہ ہے کہ علم و فضل میں کوئی عورت بھی ان کی ہمسری کا دعویٰ نہیں کرسکتی ۔

روایت میں ہے کہ یحییٰ مزنی کہتے ہیں کہ میں مدینہ منورہ میں حضرت علی علیہ السلام

کے پڑوس میں رہتا تھا میں نے آپ کی صاحبزادی حضرت سیدہ زینب کو نہ دیکھا ہے اور نہ ہی آپ کی آواز سنی ہے۔ جب سیدہ زینب حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ انور کی زیارت کے لیے تشریف لے جائیں تو رات کو تشریف لے جاتیں۔ آپ کے دائیں طرف آپ کے بھائی حسن ہوتے اور بائیں طرف حسین ہوتے اور آگے شیر خدا مولی مرتضیٰ ہوتے۔ پس جب روضہ انور پر پہنچتے اگر وہاں روشنی وغیرہ ہوتی تو اس کو بھی ختم کر دیتے۔ (سیدہ زینب صـ ۱۱۶)

آپ جب سن شعور کو پہنچیں تو آپ کا نکاح حضرت عبداللہ بن جعفر طیار کے ساتھ کیا گیا۔ آپ کے خاوند حضرت عبداللہ مال دار تھے لہٰذا حضرت زینب علیہا السلام کی زندگی خوشگوار ماحول میں گزر رہی تھی۔ آپ کے خاوند آپ کی بہت عزت کیا کرتے تھے۔ فرمایا کرتے تھے زینب بہترین گھر والی ہے۔ حضرت عبداللہ بن جعفر بہت سخی تھے اور زینب بھی بہت فیاض اور سخی تھیں۔ جو سائل آتا اپنا دامن بھر کے لے جاتا۔ حضرت زینب صبر و رضا کا مجسمہ تھیں۔ بچپن ہی میں حضرت زینب کے نانا پاک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور والدہ پاک حضرت خاتونِ جنت وصال پا چکے تھے۔ پھر والد ماجد کی شہادت اپنی آنکھوں سے دیکھی پھر ۴۹ھ میں اپنے بھائی جان حضرت امام حسن علیہ السلام کی شہادت کا صدمہ سہنا پڑا۔ پھر ۶۰ھ میں جب امام حسین علیہ السلام نے یزید کی بیعت کا انکار کر دیا اور یزید لعین آپ کو بیعت کے لیے مجبور کرنے لگا تو مدینہ منورہ کو چھوڑ کر مکہ مکرمہ تشریف لے جانے لگے تو دیگر اہل بیت کے ساتھ حضرت سیدہ زینب بمعہ اپنے بچوں کے اپنے بھائی جان کے ساتھ شریکِ سفر ہوئیں۔ حضرت عبداللہ بن جعفر طیار اگرچہ خود کربلا میں تشریف نہیں لے گئے لیکن سیدہ زینب اور اپنے بچوں کو سیدنا حسین علیہ السلام

کے ساتھ جانے کی اجازت دے دی پھر جب امام حسین نے مکہ سے کوفہ کا عزم فرمایا پھر بھی سیّدہ زینب اپنے بھائی امام حسین کے ساتھ ہی رہیں اور دس محرم ۶۱ھ کو کربلا کا واقعہ جو درپیش آیا وہ سیّدہ زینب کے سامنے ہی پیش آیا۔ حضرت سیّدہ زینب نے صبر و استقلال اور شجاعت اور بہادری کا جو ثبوت پیش کیا کائنات میں اس کی مثال نہیں مل سکتی۔

روایت میں ہے کہ کربلا میں سیّدہ زینب کا خیمہ حضرت امام حسین کے قریب ہی تھا۔ ایک رات کو حضرت زینب کی طبیعت پریشان ہو گئی۔ نصف شب کو اپنے بھائی حسین کے خیمہ میں تشریف لائیں تو امام نے پوچھا بہن اس وقت کیوں چلی آئیں۔ حضرت زینب نے جواب دیا بھائی جان میں دیکھ رہی ہوں مصائب سے ہم گھر گیا ہے آپ کو غمگین دیکھ کر میرا کلیجہ پھٹا جاتا ہے ابن کثیر لکھتے ہیں کہ سیّدہ زینب نے یہ بھی فرمایا کہ کاش میری زندگی میں یہ دن نہ آتا میں اپنی ماں، باپ اور بھائی حسن علیہ السلام کے ساتھ ہی مر جاتی۔

حضرت امام حسین نے فرمایا میری بہن ایسا نہ کہو مجھے فخر ہے کہ میں نے تم جیسی ہمشیرہ پائی۔ حضرت زینب نے فرمایا لیکن ایسی بہن جو بالکل مجبور و بے کس ہے جو اپنے بھائی کی کچھ مدد نہیں کر سکتی۔ اس غم سے میرے دل کے ٹکڑے ہو رہے ہیں حضرت امام حسین نے فرمایا میری بہن صبر، صبر تم کو معلوم ہونا چاہیے کہ میرے باپ مجھ سے بہتر تھے۔ میری والدہ مجھ سے افضل تھیں۔ میرے بھائی نیک اور سعید تھے۔ وہ سب سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کرتے رہے اور میں بھی اسی کی پیروی کر رہا ہوں۔ یہ دنیا فانی ہے جو دنیا میں پیدا ہوتا ہے اس کے مقدر میں ایک دن موت ہے۔ میرا وقت بھی قریب ہے ہر مصیبت کو صبر و شکر کے ساتھ برداشت کرنا۔ اللہ تعالیٰ صبر کا

اجر دے گا میری وصیت یاد رکھنا شاید کل میں زندہ نہ رہوں تم اہل بیت میں سے
سب سے بڑی ہو سب کو تسلی دینا سیدہ زینب اپنے بھائی کی یہ باتیں سن
کر بے قرار ہو گئیں ۔ بے ساختہ آنسو جاری ہو گئے ۔ فرمایا میرا کلیجہ پھٹ رہا ہے
حضرت امام حسین نے فرمایا بہن اس قدر بے قرار ہو گئی ہو تم صبر کرو دل کو
پتھر کر لو سیدہ زینب نے فرمایا پتھر ہی کر لوں گی ۔ میرے بھائی میرے لیے
دعا کرو ۔ اللہ تعالیٰ مجھے صبر عطا فرمائے ۔ فرمایا خدا صبر دے گا ۔ حضرت زینب نے
فرمایا میں تو صبر کرتی ہوں لیکن آنکھوں پر تو اختیار نہیں ہے ۔ حضرت حسین نے فرمایا
میں جانتا ہوں ، رو لینا لیکن لوگوں کے سامنے نہ رونا حضرت زینب نے فرمایا جہاں تک ہو سکے گا ضبط کروں گی ۔ امام حسین نے
فرمایا اب رات زیادہ ہو گئی ہے اپنے خیمہ میں چلی جاؤ ۔ حضرت زینب اپنے خیمہ میں
چلی گئیں ۔ حضرت امام حسین نے دعا فرمائی اے پروردگار میں تیرے نام اور
تیری رضا و خوشنودی کے لیے اپنا سب کچھ قربان کرنے کو تیار ہوں لیکن
میرے ساتھ میرے کچھ دوست میرے کہنے پر میرا ساتھ
چھوڑنے کے لیے تیار نہیں ہیں ۔ ان کی قربانی دینا بھی درست ہے اللہ انہیں
جنت عطا فرما ۔ اے اللہ میں جانتا ہوں کہ میرا امتحان شروع ہو گیا ہے ۔ مجھے ہمت
دے کہ بچوں کی محبت اس مقصد میں حائل نہ ہو ۔ میرا حوصلہ بلند کر ۔ مجھے
جرأت دے کہ میں ہر مصیبت اور غم کو خندہ پیشانی سے برداشت کروں ۔
اس کے بعد آپ کی طبیعت کو کچھ سکون ہو گیا (معرکہ کربلا ص ۳۵۹) یہ بھی روایات
میں ہے کہ امام حسین کے دوست اور آپ کے عزیز و اقارب اور آپ کے
جگر کے ٹکڑے ایک ایک کر کے آپ کے سامنے شہید ہو گئے ۔ امام حسین
کا دل غم سے بھر گیا تو آپ نے فرمایا یا اللہ مجھے ان لوگوں میں تنہا نہ چھوڑ جنہوں
نے منکر ہو کر تیغ پائی وہ اپنے درمیان ہمیں غلام بنانا چاہتے ہیں اور اپنے

بُرے افعال سے یزید کو راضی کرنا چاہتے ہیں، میرا کوئی بھائی زندہ نہیں رہا سب شہید ہو گئے ہیں۔ اب میں اکیلا رہ گیا ہوں جس میں کچھ خون نہیں ہے۔ آپ نے ہتھیار لگائے خیمہ سے باہر آئے۔ اب حضرت زینب جانتی تھیں۔ اب میرے بھائی تنہا رہ گئے ہیں اس لیے اب ضرور میدانِ جنگ میں تشریف لے جائیں گے حضرت امام نے اپنی بہن کو غمناک دیکھ کر فرمایا بہن ایک مسافر کیلیے اس قدر غم نہ کرو، میری قسمت میں شہادت لکھی ہوئی ہے اور تمہاری قسمت میں غم لکھا ہوا ہے۔ میں نے بھی صبر کیا تم بھی صبر کرو۔ حضرت زینب نے کہا بھائی جان اس دشتِ کربلا میں ہمارا کیا حال ہوگا۔ امام حسین نے فرمایا بہن خدا پر نظر کرو وہی سب کا محافظ اور نگہبان ہے، تمہاری بھی نگہبانی کرے گا۔ حضرت سیدہ زینب نے کہا بھائی جان آپ پر آپ کے دوست، عزیز و فرزند سب قربان ہو گئے ہیں ہم کو بھی اجازت دو ہم بھی آپ پر قربان ہو جائیں فرمایا، بہن میں نے اس قدر داغ اور صدمے اٹھائے ہیں۔ اب زیادہ کی گنجائش نہیں ہے۔ اب مجھے ہی جانا ہے۔ امام حسین اپنی بہن سے باتیں کر رہے تھے کہ اچانک خیمہ کے اندر کسی کے گرنے کی آواز آئی تو سیدہ زینب گھبرا کر خیمہ میں تشریف لے گئیں کیا دیکھتی ہیں کہ خیمہ میں زین العابدین جو بیمار تھے کھڑے ہونے کی کوشش کر رہے ہیں مگر کمزوری اور بیماری کی وجہ سے گر پڑے ہیں۔ حضرت سیدہ زینب نے زین العابدین کو اٹھا کر پوچھا میرے چاند کیا بات ہے۔ زین العابدین نے کہا پھوپھی جان سب اپنا حق ادا کر گئے میں خیمہ میں بیمار پڑا ہوں، میں بھی اپنا فرض ادا کرنا چاہتا ہوں۔ حضرت زینب نے فرمایا میرے چاند تمہارا کیا مطلب ہے۔ زین العابدین نے کہا پھوپھی جان مجھے بھی ہتھیار لگاؤ، میں نے بھی میدانِ جنگ میں جانا ہے۔ حضرت زینب

نے فرمایا بیٹا تم کھڑے تو ہو نہیں سکتے، زین العابدین نے کہا مجھے گھوڑے پر بٹھا دو اور گھوڑے کو میدانِ جنگ کی طرف ہانک دو۔ اگر میرے بابا میرے سامنے شہید ہوئے تو مجھے بہت پریشانی ہوگی۔ زین العابدین یہ باتیں کر رہے تھے کہ امام حسین خیمہ میں تشریف لے آتے ہیں فرمایا بیٹا زندہ رہنے کی کوشش کرو، زین العابدین نے حسرت بھری نظروں سے امام کو دیکھا اور عرض کیا کہ کیا میں زندہ رہوں گا، امام حسین نے فرمایا بیٹا تم زندہ رہو گے بقائے نسل کے لیے تمہارا زندہ رہنا ضروری ہے، زین العابدین نے کہا کہ "ابا جان" غم سے میرا سینا پھٹ نہیں جائے گا، حضرت امام حسین نے فرمایا بیٹا تم امام کی اولاد ہو اور تم نے منصب امامت سنبھالنا ہے۔ ضبط و صبر کرو، زین العابدین نے کہا ابا جان میں کیسے برداشت کروں گا کہ میری زندگی میں آپ میدانِ جنگ میں تشریف لے جائیں۔ امام حسین نے فرمایا خدا کو بھی یہ منظور ہے کہ تم زندہ رہو اور یہ بھی خیال رکھو کہ تم خاندانِ اہلِ بیت کے ہو تمہارا وجود اسلام کے لیے سرمایہ فخر ہے تم میرے فرزند ہو میں راہِ حق پر سر دے رہا ہوں اگر کسی وقت ضرورت پڑ جائے تو راہ حق میں قربان ہو جانا۔ زین العابدین نے کہا "ابا جان" میرے دل میں قرار کیسے آئے گا تو امام حسین نے آپ کے سینے پر ہاتھ رکھ کر فرمایا خدا صبر و قرار دے گا، زین العابدین امام حسین اور سیدہ زینب باتیں کر رہے تھے کہ حضرت شہر بانو بھی تشریف لے آئیں، فرمایا بیٹے میری آرزو تھی کہ علی اکبر اور علی اصغر کی طرح تم بھی آقا حسین پر قربان ہو جاؤ لیکن تم تو بہت کمزور ہو گئے ہو بیٹا صبر کرو، ہم پہلے ابن خلکان کے حوالہ سے لکھ چکے ہیں کہ حضرت زین العابدین کی والدہ ماجدہ حضرت شہر بانو تھیں، حضرت شہر بانو حضرت امام حسین کی بہت فرمانبردار اور باوفا بیوی تھیں، علامہ ابن کثیر لکھتے ہیں کہ

جب امام حسین نے شب عاشورہ کو نماز عشا پڑھنے کے بعد اپنے ساتھیوں سے کہا کہ لوگو! دشمن کی فوجیں کثرت کے ساتھ جمع ہو گئی ہیں دشمن میرے خون کا پیاسا ہے۔ وہ میری جان لینا چاہتا ہے۔ تم میرے ساتھ اپنی جانیں ہلاکت میں نہ ڈالو تو آپ کے اس کہنے پر آپ کے ساتھی کہنے لگے کہ جب تک زندگی ہے آپ کے ساتھ رہیں گے اور آپ کے ساتھ ہو کر دشمنوں سے لڑیں گے۔ آپ حق پر ہیں حق کے لیے لڑ رہے ہیں ہم بھی حق پر سر کٹا دیں گے۔ ہم یہ گوارا نہیں کر سکتے کہ رسول اللہ کے بیٹے کو تنہا چھوڑ کر چلے جائیں۔ قیامت کے دن ہم خدا اور اس کے رسول کو کیا منہ دکھائیں گے۔ اس کے بعد آپ کے تمام ساتھی اپنے اپنے خیموں میں چلے گئے اور امام حسین اپنے خیمہ میں تشریف لے گئے تو شہر بانو نے کہا کہ آپ کی طبیعت زیادہ پریشان کیوں ہے۔ امام حسین نے فرمایا، پریشانی اس لیے ہے کہ جو معاملات مجھ پر نازل ہونے والے تھے وہ تو ہونے والے ہیں لیکن جو لوگ میرے ساتھ آئے وہ بھی مبتلائے مصیبت ہو جائیں گے مجھے ان کا فکر ہے میں نے ان کو بار بار کہا ہے کہ وہ چلے جائیں لیکن وہ جانے کو تیار نہیں ہیں پھر امام حسین نے حضرت شہر بانو کو فرمایا تم نے شہزادی ہو کر میری بہت خدمت کی ہے مجھے تمہارے احسانات کا اعتراف ہے تم نے میرے ساتھ تکالیف بھی برداشت کیں۔ اب بات یہ ہے کہ میری شہادت کا وقت قریب آگیا ہے۔ میں یہ چاہتا ہوں کہ تم میرے بچوں کو جو تمہارے بھی لخت جگر ہیں لے کر یہاں سے چلی جاؤ۔ بہتر یہ ہے کہ تم ایران جا کر کسی مناسب جگہ قیام کر لو حضرت شہر بانو نے جب امام سے یہ سنا تو عرض کیا ایسا نہ کہیے اس سے مجھے تکلیف ہو رہی ہے۔ میرا سہاگ میری دنیا کی مسرت آپ کے دم سے ہے۔ مجھے اپنی زندگی میں اپنے قدموں سے جدا نہ کریں۔ اگر مجھے

اس وقت آپ نے اپنے قدموں سے جدا کر دیا تو دنیا کیا کہے گی۔ میں آپ سے ایک لمحہ بھی جدا ہونے کے لیے تیار نہیں ہوں میں اپنے آپ کو اور اپنے بچوں کو آپ پر قربان کرنے کے لیے تیار ہوں۔ حضرت شہر بانو نے بڑی بڑی تکلیفیں اٹھائیں لیکن اپنے مالک و آقا حسین علیہ السلام کے ساتھ وفاداری کا حق ادا کر دیا۔ حضرت امام حسین نے مقامِ کربلا میں جو وصیت فرمائی تھی اس میں آپ نے حضرت سیّدہ زینب کو فرمایا میری پیاری ہمشیرہ تم نے میری بڑی خدمت کی ہے۔ افسوس یہ ہے کہ میں تم کو تمہاری خدمت کا صلہ نہیں دے سکا۔ تم نے میرے ساتھ وہ کیا جو شاید ہی کسی بہن نے اپنے بھائی کے ساتھ کیا ہو تم نے اپنے جگر گوشوں کو مجھ پر قربان کر دیا۔ حضرت زینب نے رو کر کہا میرے بھائی کاش میں خود بھی تم پر قربان و نثار ہو جاتی۔ حضرت حسین نے فرمایا میں جانتا ہوں کہ تمہارے دل میں یہ تمنا تھی لیکن یہ مناسب نہیں تھا۔ اچھا میں تم سے کچھ کہنا چاہتا ہوں۔ تمہیں معلوم ہے کہ شہر بانو نوشیرواں کے خاندان سے ہے شہزادی ہے۔ اس نے تمہارے پاس رہ کر کبھی اپنے کو شاہی خاندان سے نہیں سمجھا۔ میرے بعد اس کی دلجوئی کرنے والا کوئی نہ ہو گا میری پیاری بہن اس کا دل میلا نہ ہونے دینا۔ اس نے اپنا سب کچھ میرے اوپر قربان کر دیا ہے۔ وہ بڑی صابرہ ہے۔ پھر آپ اپنے تمام اہلِ بیت کی عورتوں سے مخاطب ہوئے۔ فرمایا میں جانتا ہوں تمہارے دلوں کو کس قدر اذیت پہنچ رہی ہے۔ افسوس میرے اختیار میں نہیں ہے کہ میں تمہارے دلوں کے درد کو دور کر سکوں۔ میں مسافر ہوں اور سچ تو یہ ہے کہ تمام لوگ ہی مسافر ہیں اور یہ دنیا مسافر خانہ ہے۔ ایک نہ ایک دن سب کو یہاں سے سفر کرنا ہے۔ میرے بعد تم سب بھی وہیں آؤ گے جہاں میں جا رہا ہوں اور میرے

اور تمہارے عزیز واقارب جا چکے ہیں۔ شہر بانو تم شہزادی تھی لیکن میری شریک حیات بن کر تم نے وہ آرام نہ پایا جو تم کو اپنے گھر ایران میں میسر تھا۔ حضرت شہر بانو نے جواب دیا میرے آقا میں نے آپ کے پاس رہ کر خدا کو پالیا مجھ پر آپ کے جو احسانات ہیں میں کبھی بھی ان سے سبکدوش نہیں ہو سکتی۔ یہ سن کر امام حسین نے فرمایا کہ مجھے یہ کہتے ہوئے سکون ملا ہے کہ تم نے مجھے خوش رکھنے کے لیے خود بڑی بڑی تکلیفیں اٹھائیں۔ اب میں تم سے ہمیشہ کے لیے رخصت ہو رہا ہوں۔ میری تمنا تو یہ تھی کہ تم یہاں سے اپنے لوگوں میں چلی جاتی یا مکہ معظمہ میں جا کر آرام سے رہتیں لیکن تم نے اسے گوارا نہیں کیا اور اس سے تمہاری محبت اور شرافت ظاہر ہوگئی ہے۔ میں تم سے یہ وصیت کرتا ہوں کہ میری بہن زینب دکھیا ہے اس نے اپنے بچوں کو مجھ پر قربان کیا ہے۔ اب اسے بھی کوئی تسلی دینے والا اور اس کی دلجوئی کرنے والا باقی نہیں رہا ہے اگر کسی وقت وہ سخت بات کہہ دیا کریں تو تم درگزر کر دینا۔ حضرت شہر بانو نے عرض کیا۔ حضور میں سیدہ زینب کی آگے بھی عزت کرتی ہوں اور آئندہ بھی کرتی رہوں گی۔ یہ سن کر امام حسین علیہ السلام نے فرمایا کہ خدا تمہیں جزائے خیر عطا فرمائے۔ اب میرے دل کو اطمینان ہو گیا ہے۔ آج جمعہ کا روز ہے دوپہر ڈھلنے کو ہے اب میں تم سے رخصت ہوتا ہوں۔ رخصت کا لفظ سنتے ہی سب اہلِ بیت کے افراد رونے لگے۔ امام حسین نے فرمایا خدا سے صبر وضبط کی دعا مانگو۔ میں جانتا ہوں کہ میرے بعد تم پر کیا کیا مصیبتیں نازل ہوں گی ظالم تمہیں کس قدر ستائیں گے لیکن تم نے ہر مصیبت پر اور ہر ظلم پر صبر کرنا ہوگا۔ بس اب صبر کرو۔ یہ کہہ کر امام حسین وہاں سے چلے خیمے کے باہر آپ کا گھوڑا کھڑا تھا جس کا نام ذوالجناح تھا۔ آپ گھوڑے پر سوار ہونے لگے کہ

حضرت زینب نے کہا کہ بھائی جان تشریف لانا آپ آ گئے فرمایا کیا بات ہے حضرت زینب اور حضرت شہر بانو پریشان تھیں حضرت زینب نے کہا بیٹی سکینہ کو پیاس نے ستا رکھا ہے بولا نہیں جاتا حضرت امام حسین نے دیکھا کہ حضرت شہر بانو نے حضرت سکینہ کا سر گود میں لیا ہوا ہے حضرت امام حسین نے دیکھا حضرت سکینہ بالکل مرجھا گئی ہیں۔ وہ حسرت بھری نگاہوں سے امام حسین کی طرف دیکھنے لگیں۔ ان کا حلق، زبان اور لب، اس قدر خشک ہو گئے ہیں کہ بڑی مشکل سے بولتی تھیں۔ امام حسین نے پوچھا بیٹی کیا حال ہے۔ حضرت سکینہ نے آہستہ آواز سے کہا پیاس امام حسین نے تسلی دہ لہجے میں کہا کہ بیٹی ہم تمہارے لیے پانی لینے جا رہے ہیں۔ حضرت سکینہ نے رک رک کر کہا نہ جانا بابا جان کیونکہ چچا جان گئے تھے۔ دشمنوں نے انہیں شہید کر ڈالا۔ امام حسین نے فرمایا بیٹی تمہارے لیے پانی لانا ضروری ہے یہ کہہ کر حضرت امام حسین خیمہ سے باہر تشریف لائے ذوالجناح پر سوار ہوئے اور میدانِ کارزار کی طرف چلے۔ اس وقت سورج بھی ڈھلنے والا تھا اور گرمی بھی شدت سے پڑ رہی تھی۔ آپ دشمن کے لشکر کے قلب کے سامنے پہنچے، شمر نے جب دیکھا کہ امام حسین آ گئے ہیں تو کہنے لگا لو آخری سپاہی حسین بھی آ گئے۔ اب جنگ کا خاتمہ سمجھو۔ امام حسین اس قدر بہادر تھے کہ بڑے بڑے دلیروں پر آپ کی دھاک بیٹھی ہوئی تھی۔ انہیں میدانِ جنگ میں دیکھ کر سب خائف و ترساں ہو گئے۔ کسی نے مقابلہ میں آنے کی جرأت نہ کی تو امام حسین نے فرمایا میرے بچوں کو پیاس نے نڈھال کر دیا ہے۔ اب میں پانی لینے کے لیے جا رہا ہوں۔ اگر کسی کو جرأت ہے تو روکو۔ یہ کہہ کر امام حسین دریائے فرات کی طرف چل پڑے تو عمر و بن سعد نے اپنے فوجیوں کو کہا کہ امام حسین کو ہرگز ہرگز پانی نہ لینے دیا جائے۔ کوفیوں نے تیر

برسانے شروع کر دیے لیکن پھر بھی امام حسین دریائے فرات کے کنارے تک پہنچ گئے وہاں جو یزیدی پانی کی حفاظت پر متعین تھے انہوں نے آپ پر حملہ کیا لیکن آپ نے تلوار کو بلند کر کے اس سختی سے حملہ کیا کہ دشمن پیچھے ہٹتا چلا گیا۔ آپ کا گھوڑا دریا میں داخل ہو گیا۔ آپ نے یزیدیوں کو کہا دیکھو میں پانی میں کھڑا ہوں۔ اگر چاہوں تو پانی پی سکتا ہوں۔ لیکن میں نہیں پیوں گا۔ مجھے تو پانی کی ضرورت ہی نہیں ہے۔ میں تو صرف بچی کے لیے پانی لینے آیا ہوں۔ اب عمرو بن سعد اور شمر وغیرہ اپنے فوجیوں کو کہہ رہے تھے کہ تم تمام مل کر حسین پر حملہ کرو۔ تمام نے آپ پر حملہ کیا اور امام حسین تیر لگنے کی وجہ سے زخمی ہو گئے لیکن یزیدی فوجی کافی حد تک مر رہے تھے۔ اسی اثناء میں شمر نے باآواز بلند کہا اے لوگو! حسین کے خیمہ پر حملہ کر دو۔ لوگ امام حسین کے خیموں کی طرف دوڑ پڑے امام حسین بھی اپنے خیموں کی طرف واپس دوڑے تو راستے میں ہی لڑائی شروع ہو گئی اور حرم اہلِ بیتِ اطہار خیموں کے دروازے پر کھڑے کھڑے لڑائی کی طرف دیکھ رہی تھیں اور حضرت سکینہ کہہ رہی تھیں کہ ابا جان پانی کب لائیں گے تو حضرت زینب نے کہا کہ وہ پانی لانے کی کوشش کر رہے ہیں لیکن یزیدی ان سے لڑ رہے ہیں۔ امام حسین نے کئی یزیدی فوجیوں کو قتل کر ڈالا۔ پھر آپ اپنے خیمے کے دروازے پر تشریف لائے اور فرمایا میری بہن زینب ہر نفس نے موت کا ذائقہ چکھنا ہے یاد رکھو کہ میرے شہید ہونے کے بعد بلند آواز سے نہ رونا۔ صبر و ضبط سے کام لینا۔ تم خاندانِ رسالت سے ہو کوئی بات ایسی نہ کرنا جو شریعتِ اسلام کے خلاف ہو۔ اسی اثناء میں حضرت سکینہ نے امام عالی مقام حسین کو دیکھ کر کہا بابا جان پانی نہیں لائے۔ امام حسین نے جواب دیا میں نے پانی لانے کی کوشش تو کی لیکن لا نہ سکا۔ میری

بھی صبر کرو ہم پانی اس وقت پئیں گے جب خدا پلائے گا۔ حضرت سکینہ نے کہا کہ ابا جان بس تو میں بھی جب ہی پیئوں گی جب خدا پلائے گا پھر امام نے گھوڑے سے اتر کر سکینہ کے سر پر ہاتھ رکھا۔ انہیں گود میں لے کر پیار کیا اور پھر گھوڑے پر سوار ہو کر میدانِ جنگ کی طرف چلے گئے۔ لیکن اس کے بعد حضرت سکینہ نے پانی نہیں مانگا اور نہ ہی اس کے متعلق بات کی۔ اب شمر اور عمرو بن سعد نے اپنے فوجیوں کو کہا دلیرو پیچھے مت ہٹو آگے بڑھ کر ان پر حملہ کرو۔ اب لڑائی زور و شور سے شروع ہو گئی۔ امام حسین کی تلوار نے کئی یزیدیوں کو قتل کیا اور شمر اور عمرو بن سعد نے جنگ کے دائرہ کو تنگ کر دیا۔ امام حسین نے یزیدی فوج کی لاشوں کے ڈھیر لگا دیے لیکن آپ خود بھی زخمی ہو گئے۔ بدن کا کوئی حصہ زخموں سے خالی نہ رہا۔ ابن کثیر لکھتا ہے کہ ۳۳ زخم نیزوں کے اور ۳۴ زخم تلواروں کے لگے تھے کہ سنان بن انس نخعی نے ایسا نیزہ مارا جس کے صدمہ سے آپ گر پڑے۔ اس وقت شمر حضرت امام حسین کے بالکل قریب آ گیا۔ حضرت امام نے پوچھا شمر آج کیا دن ہے۔ شمر لعنتی نے جواب دیا آج جمعہ کا روز ہے اور یومِ عاشورہ یعنی دس محرم ہے۔ امام حسین نے فرمایا وقت کیا ہے۔ شمر نے جواب دیا وقت ڈھل چکا ہے۔ آپ نے سر سجدہ میں رکھ دیا۔ سنان بن انس بدبخت نے آپ کا سر کاٹ کر جسم مبارک سے جدا کر دیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ یہ غمناک واقعہ ۱۰ محرم ۶۱ھ بروز جمعہ کو پیش آیا اور حافظ ابن کثیر لکھتا ہے کہ عمرو بن سعد نے امر عشرۃ فرسان فداسوا الحسین بحوافر خیولھم حتی الصقوہ بالارض یوم المعرکۃ۔ (البدایہ والنہایہ ص۱۸۹ ج ۷، تاریخ طبری ص۳۶۷ ج ۷)۔ دس سواروں کو حکم دیا کہ وہ امام حسین کے جسم پر گھوڑے دوڑا کر اس کو

پامال کر دیں۔ انہوں نے گھوڑوں کے قدموں کے ساتھ امام حسین کے جسم پاک کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔ یہاں تک کہ وہ ٹکڑے زمین کے ساتھ چپاں ہو گئے اور تاریخ ابن خلدون میں بھی ہے کہ عمر و بن سعد نے دس سواروں کو حکم دیا کہ وہ امام حسین علیہ السلام کے جسدِ اطہر کو پامال کر ڈالیں (ابن خلدون ص۱۳۳ ج ۵) آخر میں شمر لعین اپنے چند سواروں کو لے کر امام حسین کے خیمے میں جا پہنچا حضرت سیدہ زینب نے فرمایا یہاں کیا لینے آئے ہو تو کہنے لگا (امام) حسین کا مال و اسباب لوٹنے کے لیے آیا ہوں۔ سیدہ زینب نے فرمایا کہ ہم کو نہ پہلے دنیاوی دولت کی ضرورت تھی اور نہ اب ہے۔ جو تم چاہتے ہو اٹھا لو۔ شمر لعین نے جو کچھ تھا اٹھا لیا اور خواتین اہلِ بیت سے زیور بھی لے لیے یہاں تک بے غیرتی اور بے رحمی کی کہ حضرت سکینہ کے کانوں میں جو بالیاں تھیں وہ بھی لے لیں۔ پھر اس خیمہ میں پہنچا جہاں حضرت زین العابدین بیمار پڑے تھے۔ پوچھا تم کس کے بیٹے ہو۔ حضرت زین العابدین نے جواب دیا میں اس کا بیٹا ہوں جس کو تم نے بے گناہ شہید کیا ہے[1]۔ شمر لعین نے کہا کیا تم حسین کے

---

[1] مختار ثقفی نے جب اعلان کیا کہ جو لوگ قتل حسین میں شریک تھے انہیں ہرگز ہرگز معاف نہیں کیا جائے گا تو جو لوگ کربلا میں امام حسین کے مقابلے میں گئے تھے انہوں نے بھاگنا شروع کر دیا۔ چنانچہ " شمر ذی الجوشن " بھی بھاگ کھڑا ہوا۔ حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں یہ کوفہ سے بھاگ کر کلبانیہ میں چھپ گیا ابھی کلبانیہ میں ہی تھا کہ مختار ثقفی کا مقرر کردہ گورنر ابو عمرہ ایک فوجی دستہ لے کر کلبانیہ پہنچ گیا اور شمر پر حملہ کر دیا۔ اور شمر بھی اپنے ساتھیوں کو لے کر مقابلہ کرنے لگا۔ خونریز جنگ ہوئی۔ شمر کے ساتھی مارے گئے۔ ابو عمرہ نے اسے گرفتار کر لیا اور کہا کہ تو وہ (بقیہ بر صفحہ آئندہ)

بیٹے ہو فرمایا ہاں میں امام حسین کا بیٹا ہوں۔ یہ سنتے ہی شمر لعین نے تلوار میان سے نکالی اور کہا کہ کیا تم ابھی زندہ ہو۔ حضرت زین العابدین نے کہا میں ابھی زندہ ہوں وہ بھی اس لیے کہ میں بیمار ہوں ورنہ تم مجھے میدانِ جنگ میں دیکھتے شمر لعین نے کہا اب میں تجھے قتل کر دوں گا۔ حضرت سیدہ زینب نے جرأت سے کام لیتے ہوئے کہا اگر تم میرے بیٹے کو قتل کرنا چاہتے ہو تو پہلے مجھے قتل کر دو۔ اللہ تعالیٰ کو امام زین العابدین کی زندگی منظور تھی لہٰذا یہ شیطان رک گیا پھر تمام خواتین اہلِ بیت کو قیدی بنا کر اونٹوں پر سوار کیا گیا۔ ایک اونٹ پر سیدہ زینب، حضرت سکینہ اور حضرت زین العابدین کو بٹھایا گیا۔ نیز امام زین العابدین کو جو کہ بیمار تھے زنجیروں میں جکڑ دیا۔ شہداء کے لاشے ابھی میدان کربلا میں بے گور و کفن پڑے تھے جب یہ قافلہ اہلِ بیت امام حسین اور دیگر شہداء کے پاس سے گزرا تو سیدہ زینب نے کہا۔ اے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ دیکھیے اپنے بیٹے حسین کے جسم مبارک کی طرف وہ خون میں

(بقیہ صفحہ سابقہ) شقی القلب انسان ہے جس نے وحشیانہ حرکتیں کیں اور امام حسین کو بے دردی سے شہید کیا شمر معافی مانگنے لگا اور کہنے لگا کہ میں بے قصور ہوں یہ تمام ظلم ابن زیاد اور عمر بن سعد نے کیا ہے۔ ابو عمرہ نے کہا او! شیطان تو تو وہ ہے جس نے ابن زیاد کو کہا کہ ہر صورت میں امام حسین کو قتل کرنا چاہیے۔ اب تم بدلہ دینے کے لیے تیار ہو جاؤ۔ ابو عمرہ نے شمر کو قتل کیا اور اس کی لاش کو بھوکے کتوں کے سامنے ڈال دیا۔

(البدایہ والنہایہ صد ۲۷۰ ج ۸، معرکہ کربلا صد ۵۸۵)

مفتی غلام رسول (لندن)

آغشتہ چٹیل میدان میں پڑا ہوا ہے۔ ان کا جسم پارہ پارہ کر دیا گیا ہے آپ کی بیٹیاں رسیوں میں جکڑی ہوئی ہیں۔ آپ کے بیٹے عابد بیمار کو زنجیریں پہنا دی گئی ہیں آپ کی اولاد کو قتل کر کے گرم ریت پر بچھا دیا گیا ہے۔ اور ان پر خاک اڑ رہی ہے۔ اے میرے نانا پاک یہ آپ کی اولاد پاک ہے جن کی ہتک کی جا رہی ہے۔ ذرا اپنے بیٹے حسین کی طرف تو دیکھیے ان کا سر کاٹ دیا گیا ہے۔ جب یہ قافلہ کوفہ میں داخل ہوا تو دیکھنے کے لیے ہزاروں کوفی جمع ہو گئے۔ کوفیوں کا ہجوم دیکھ کر سیدہ زینب نے فرمایا لوگوں اپنی نظریں نیچی رکھو یہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی لٹی ہوئی اولاد ہے۔ اس کے بعد سیدہ زینب نے کوفیوں کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا اے کوفیو، مکارو، اے بے وفاؤ، اپنی زبان سے پھر جانے والو، خدا کرے تمہاری آنکھیں ہمیشہ روتی رہیں، تمہارے دلوں میں کھوٹ اور کینہ ہے اور تمہاری فطرت میں جھوٹ اور دغا ہے تم نے عذر کیا میرے بھائی حسین سے رشتہ بیعت جوڑا اور پھر خود توڑا تم نے جو کچھ آگے بھیجا ہے وہ بہت بُرا ہے۔ تم نے رسول اللہ کے فرزند کو قتل کیا ہے خدا کا قہر تمہارا انتظار کر رہا ہے۔ آہ کوفہ والوں تم نے ایک بہت بڑا گناہ کیا ہے جو چہرے بگاڑ دینے اور مصیبت میں مبتلا کر دینے والا ہے۔ آخر کار عمرو بن سعد کوفہ میں اس طرح داخل ہوا کہ اس کے ساتھ ایک ہزار سوار تھے جن کے ساتھ امام حسین اور دیگر شہداء اہل بیت کے سر تھے۔ ان کے پیچھے اہل حرم تھیں۔ ابن کثیر لکھتے ہیں ویقال انہ کان معہ رؤس بقیۃ اصحابہ وھو المشھور ومجموعھا اثنان وسبعون راسا (البدایہ والنہایہ صفحہ ۱۹۰ ج ۸) کہ خولی بن یزید لعین جب ابن زیاد کے پاس امام حسین کا سر مبارک لے کر گیا تھا تو اس کے

ساتھ تمام شہداء کربلا کے سر تھے جو کہ کل بہتر تھے اور یہی مشہور ہے۔ امام زین العابدین اب تک بیمار تھے۔ بڑی بڑی زنجیریں ہاتھ پاؤں میں ڈال دی گئی تھیں۔ آپ تو کمزوری کی وجہ سے زنجیروں کا بوجھ برداشت نہیں کر سکتے تھے۔ حضرت سیدہ زینب زین العابدین کی تکلیف دیکھ کر بہت ہی پریشان تھیں لیکن رسول اللہ کی بیٹی ہونے کے لحاظ سے بے صبری کا اظہار بھی نہیں کرسکتی تھیں۔ دوسرے دن کوفہ کے گورنر ابن زیاد لعین نے دربار منعقد کیا۔ اسیران اہلِ بیت کو اس کے سامنے پیش کیا گیا۔ حضرت سیدہ زینب بہت خستہ حالت میں تھیں۔ ابن زیاد نے پوچھا یہ عورت کون ہے۔ جواب دیا گیا کہ یہ حسین کی بہن زینب بنت علی ہیں۔ اس نے کہا خدا نے تم لوگوں کو ذلیل کیا ہے۔ سیدہ زینب نے کہا تم غلط کہتے ہو۔ خدا کا شکر ہے جس نے اپنے رسول کے ذریعے (جن کی ہم اولاد ہیں) ہمیں عزت بخشی۔ ان شاء اللہ تم لوگ رسوا اور ذلیل ہوگئے۔ اب ابن زیاد کی نظر زین العابدین پر پڑی۔ پوچھا لڑکے تم کون ہو۔ انہوں نے جواب دیا علی بن حسین۔ ابن زیاد نے عمر بن سعد سے پوچھا اسے کیوں نہیں قتل کیا۔ اس نے جواب دیا۔ بیمار ہے۔ ابن زیاد نے کہا اسے میرے سامنے قتل کرو۔ حضرت سیدہ زینب نے جب یہ سنا تو فرمایا کیا تو ابھی تک ہمارے خون سے سیر نہیں ہوا۔ اگر تم اس میرے بیمار بچے کو قتل کرنا چاہتے ہو تو اس کے ساتھ مجھے بھی مار ڈالو۔ یہ کہہ کر سیدہ زینب حضرت زین العابدین سے چمٹ گئیں۔ ابن زیاد کو کچھ خیال آگیا اور اس نے حکم دیا کہ اس لڑکے کو عورتوں کے ساتھ رہنے دیا جائے (البدایہ والنہایہ صہ ۱۹۳ ج ۸) چند دن بعد ابن زیاد نے شہداء کے سروں اور اسیران اہلِ بیت کو فوج اور

شمر کے پہرے میں یزید کے پاس دمشق روانہ کر دیا۔ کوفہ سے دمشق تک کے طویل سفر کی صعوبتیں برداشت کرنے کے بعد اسیرانِ اہلِ بیت اس طرح یزید کے دربار میں پیش کیے گئے کہ پہلے امام حسین اور دیگر شہداء کے سر پیش کیے گئے اور خواتین اہلِ بیت کو ایک قطار میں کھڑا کیا گیا اور حضرت زین العابدین کو زنجیروں میں جکڑے ہوئے ان کے آگے کھڑا کر دیا (معرکہ کربلا ص۵۳۶) جب امام حسین کا سر مبارک یزید لعین کے سامنے پیش کیا گیا تو خواتین اہلِ بیت رونے لگیں۔ سیدہ زینب نے آقا حسین کے سر مبارک کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا اے حسین، رسول اللہ کے دل بند، اے دوشِ مصطفےٰ کے سوار، اے فاطمۃ الزہراء کے لختِ جگر، اے جنت کے جوانوں کے سردار۔ یزید نے پوچھا یہ حضرت کون ہے اسے بتایا گیا کہ یہ حسین کی بہن ہے۔ ان کا نام زینب ہے۔ یزید نے حضرت زینب کو کہا کہ کیا تمہارا بھائی یہ نہیں کہتا تھا کہ میں یزید سے بہتر ہوں اور میرا باپ یزید کے باپ سے بہتر ہے۔ حضرت سیدہ زینب نے دلیری کے ساتھ جواب دیا کہ بے شک میرا بھائی سچ کہتا تھا۔ نیز سیدہ زینب نے یزید اور اہلِ دربار کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا اے یزید آسمانی گردش اور مصائب نے مجھے تیرے ساتھ گفتگو کرنے پر مجبور کر دیا ہے۔ یاد رکھ اللہ تعالیٰ ہم کو زیادہ مدت تک اس حالت میں نہیں رکھے گا اور نہ ہی ہمارے مقصدوں کو ضائع فرمائے گا تیرے آدمیوں نے حسین کو اور اس کے بھائیوں اور اس کے دل بند فرزندوں اور دوستوں کو نہایت بے دردی سے قتل کیا۔ انہوں نے خواتین اہلِ بیت رسول کی توہین کی۔ ہم عنقریب اپنے نانا پاک کی خدمت میں حاضر ہو کر ان مصیبتوں کو بیان کریں گے جو تیری وجہ سے ہم کو پہنچی ہیں۔ اور یہ اس

مقام پر ہوگا جہاں رسول اللہ کی اولاد اور ان کے ساتھی جمع ہوں گے۔ ان کے چہروں کا خون اور جسموں کی خاک صاف کی جائے گی وہاں ظالموں سے بدلہ لیا جائے گا۔ حسین اور ان کے ساتھی مرے نہیں ہیں اور وہ اپنے مالک حقیقی کے سامنے زندہ ہیں وہ ان کے لیے کافی ہے اور اللہ تعالےٰ ضرور اپنے نبی کی اولاد اور ان کے ساتھیوں کو قتل کرنے والوں سے بدلہ لے گا اور اللہ تعالیٰ کی ذات ہماری امید گاہ ہے۔ اور اسی سے ہم فریاد کرتے ہیں۔

چند دنوں کے بعد یزید نے نعمان بن بشیر انصاری کے زیر حفاظت اہلِ بیت کو مدینہ منورہ روانہ کر دیا۔ جب قافلہ چلنے لگا تو حضرت زینب نے فرمایا کہ کجاووں پر سیاہ چادریں ڈال دو تا کہ لوگوں کو پتہ لگ جائے کہ یہ فاطمۃ الزہرا کی اہلبیت زندہ اولاد ہے۔ الغرض قافلہ چلتا چلتا جب کربلا پہنچا تو وہاں جابر بن عبداللہ انصاری اور بنی ہاشم کے کچھ لوگ آئے ہوئے تھے۔ انہیں دیکھ کر خواتین اہلِ بیت رونے لگیں۔ پھر یہاں سے قافلہ چل پڑا۔ یہ قافلہ مدینہ منورہ پہنچا تو دن ڈھل چکا تھا۔ علامہ شبلی لکھتے ہیں کہ حضرت زین العابدین اپنے نانا پاک (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) کے روضہ اطہر پر آئے اور حضور کی بارگاہ میں سلام پیش کرنے کے بعد خطاب فرماتے ہوئے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے ہم کو عظیم مصیبت میں مبتلا فرمایا۔ دشمنوں نے میرے ابا جان امام حسین کو شہید کیا اور ہماری عورتوں اور بچیوں کو قیدی بنایا اور ان شہیدوں کے سروں کو نیزوں پر چڑھا کر کوفہ اور دمشق میں پھرایا گیا پھر اپنے گھر تشریف لائے۔ اس کے بعد آپ ہر وقت غمناک رہنے لگے۔ جب حضرت زین العابدین کو کھانا پیش کیا جاتا تو فرماتے قتل ابن رسول اللہ جائعاً عطشاناً کہ رسول اللہ کے بیٹے (حسین) بھوکے

اور پیاسے شہید ہو گئے ہیں۔ جب آپ کربلا کی بات کرتے تو رو پڑتے۔ فرمایا کرتے کہ یعقوب علیہ السلام کا ایک بیٹا گم ہوا تھا جس کے فراق میں رو رو کر ان کی آنکھیں سفید ہو گئی تھیں اور میں نے تو اپنی آنکھوں سے اپنے باپ کو اور اپنے اہل بیت کے سترہ آدمی شہید ہوتے ہوئے دیکھے ہیں تم دیکھتے نہیں کہ مجھے ان کا غم کھا رہا ہے (السیدہ زینب صد ۱۴۰) سیدہ زینب اور رسول اللہ کی بیٹیاں جب گھر پہنچیں تو سامان سے چند چوڑیاں نکلیں تو یہ نعمان بن بشیر کے پاس بھیجیں اور فرمایا اس وقت ہمارے پاس اور کچھ نہیں ہے کہ آپ کی خدمت کا معاوضہ دیا جائے۔ یہ لے لیں لیکن نعمان بن بشیر نے لینے سے انکار کر دیا۔ اور اس وقت تمام اہل مدینہ سوگوار تھے لوگ رو رہے تھے اور سیدہ زینب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ انور پر حاضر ہوئیں تو عرض کیا اے میرے نانا! میں آپ کے پیارے فرزند اور اپنے بھائی کی شہادت کی خبر لائی ہوں اور آپ کی اولاد کو رسیوں اور زنجیروں سے باندھ کر کوفہ اور دمشق کی گلیوں میں پھرایا گیا۔ پھر سیدۃ النساء فاطمۃ الزہرا کی قبر مبارک کی حاضری دی اور اپنی والدہ ماجدہ کو تمام حالات سنائے حضرت سیدہ زینب بہت پریشان رہتی تھیں بے پناہ مصائب نے آپ کے دل و جگر کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیے تھے۔ گاہ بگاہ اہل مدینہ کو شہیدان کربلا اور امام حسین کے درد بھرے واقعات کمال فصاحت و بلاغت کے ساتھ سنایا کرتیں۔ لوگ ان سے بہت متاثر ہوتے اور لوگوں کے دلوں میں اہل بیت رسول کی حمایت کا جذبہ پیدا ہوتا تھا۔ عامل مدینہ عمرو بن سعید نے ان حالات کی اطلاع یزید کو دی۔ کیونکہ اس نے خیال کیا کہ ہو سکتا ہے کسی وقت لوگ مجھے مدینہ منورہ سے نکال باہر کریں

ولذالک امر یزید بن معاویہ بان تغادر السیدۃ الطاھرۃ المدینۃ الی حیث تشاء من ارض اللہ غیر الحرمین الشریفین

کہ یزید نے اطلاع ملنے پر حکم دیا کہ حضرت سیدہ طاہرہ (زینب) مدینہ (منورہ) کو چھوڑ کر جہاں ان کی مرضی ہو چلی جائیں۔ سوائے حرمین شریفین کے۔ یعنی یزید نے کہا کہ سیدہ زینب مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ نہیں رہ سکتیں۔ ان کے علاوہ جہاں ان کی مرضی ہو رہائش اختیار کر لیں۔ حضرت سیدہ زینب نے جب یزید کا حکم سنا پہلے تو آپ نے جانے سے انکار کر دیا اور فرمایا کہ میں مدینہ منورہ کو کیسے چھوڑ سکتی ہوں۔ پھر زینب بنت عقیل اور دیگر بنی ہاشم کی عورتوں کے مجبور کرنے پر آپ نے فرمایا کہ اچھا میں مصر چلی جاتی ہوں۔ آپ کے ساتھ اہل بیت سے حضرت فاطمہ بنت امام حسین اور سکینہ بنت امام حسین اور کچھ دیگر قرابت دار خواتین بھی مصر چلی گئیں۔ مصر کے گورنر مسلم بن مخلد انصاری نے ان کی نہایت عزت و تکریم کی اور تقریباً ایک سال بعد ۱۴ رجب ۶۲ھ میں حضرت سیدہ زینب نے مصر میں ہی وفات پائی۔ (السیدہ زینب ص ۲۴۲) یہ واقعہ لکھنے سے مقصد یہ ہے کہ بتایا جائے کہ حضرت سیدہ زینب نہایت صابرہ اور شاکرہ تھیں اور آپ بہت بہادر اور جرأت مند تھیں۔ آپ کی جرأت مندی کی وجہ سے امام زین العابدین دشمن کے چنگل سے بچ سکے نیز جب یزیدی شاہی کتے نے یزید کو کہا تھا کہ یہ لڑکی فاطمہ بنت علی مجھے دی جائے تو اس وقت بھی آپ کی جرأت اور بہادری نے فاطمہ بنت علی کی عزت کو محفوظ رکھا ورنہ کیا معلوم کہ یزید اور اس کے حواری کیا کرتے۔ بہر حال سیدہ زینب نے یزید کو دو ٹوک جواب دیا کہ تمہاری کیا طاقت ہے کہ رسول اللہ کی بیٹیوں کے ساتھ ایسا غلط رویہ اختیار کرو تمہیں شرم و حیا ہونی چاہیے

کہ یہ رسول اللہ کی بیٹیاں ہیں۔ ان کا تعلق خاندانِ نبوت و رسالت سے ہے کسی آدمی کی یہ سوچ بھی نہیں ہونی چاہیے کہ وہ ایسا غلط مطالبہ کرے۔

سوال :۔

تم نے کہا ہے کہ سیدہ زینب جب قیدی بن کر دمشق پہنچیں تو ایک شامی آدمی نے یزید لعین کو کہا کہ یہ لڑکی فاطمہ بنت علی مجھے دی جائے تو سیدہ زینب نے فرمایا اے کمینے اس بات کا حق نہ تجھے ہے اور نہ تیرے امیر کو تو۔ یزید نے یہ بات سن کر کہا کہ اگر میں چاہوں تو کر سکتا ہوں تو سیدہ زینب نے کہا کہ ایسے کرنے کی تجھے اجازت نہیں ہے۔ ہاں اگر تم ہمارے مذہب اور دین اسلام سے نکل جاؤ تو پھر یہ کر سکتے ہو تو اس سے ظاہر ہوا کہ یزید ابھی دین اسلام سے نکلا نہیں تھا۔ تو آپ یزید کو کافر اور لعنتی کیوں کہتے ہیں۔

جواب :۔

اس واقعہ کو ہم نے عدم تکافو (کفو نہ ہونے) اور ہتک اہلِ بیت پر استدلال بنایا ہے کہ سیدزادی کا غیر سید کفو نہیں ہو سکتا اسی لیے سیدہ زینب نے یزید لعین کو فرمایا تھا کہ تم کو کچھ غیرت ہونی چاہیے کہ یہ رسول اللہ کی بیٹیاں ہیں کسی کو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ وہ مطالبہ کرے کہ یہ مجھے دی جائیں۔ نیز اس میں سخت ہتک اہلِ بیت ہے۔ جو کہ کفر کا باعث ہے اگر کوئی یہ بات ہتک کے لہجے میں کرتا ہے تو دین اسلام سے نکل جاتا ہے رہا یزید کی تکفیر کا مسئلہ وہ صرف اس واقعہ سے کافر نہیں ہے بلکہ اس نے تو امام حسین کو قتل کرایا اور اس پر راضی ہوا۔ پھر کہنے لگا کہ میں نے بدر کا بدلہ لیا ہے اور یہ کہ اس نے اہلِ مدینہ پر ظلم کیا اور تین دن کے لیے مدینہ منورہ

کو مباح قرار دیا۔ مسجد نبوی میں گھوڑے باندھے اور مکہ مکرمہ پر حملہ کیا۔ بیت اللہ پر سنگ باری کرائی، شراب کو حلال کیا وغیرہ وغیرہ۔ ان تمام امور کے پیش نظر امام احمد بن حنبل اور دیگر ائمہ و علماء نے یزید کو کافر کہا ہے اور اس پر لعنت کی ہے۔

سوال:-

اگر سیدزادی سے رشتہ کا مطالبہ غیر سید کے لیے ناجائز ہے تو حضرت عمر فاروق نے حضرت علی سے ان کی بیٹی ام کلثوم کے رشتہ کا کیوں مطالبہ کیا تھا۔ بلکہ حضرت عمر کا نکاح بھی ام کلثوم سے ہوا تھا جس سے ثابت ہوتا ہے کہ سیدزادی کا نکاح غیر سید کے ساتھ ہو سکتا ہے۔

جواب:-

ہم نے حسب و نسب جلد اول میں ذکر کیا ہے کہ حضرت ام کلثوم کے نکاح کا یہ واقعہ صحیح نہیں ہے کیونکہ اصل واقعہ کے متعلق جتنی روایات ہیں وہ تمام باہمی نقص مضمون میں یکسانیت نہ ہونے کی وجہ سے بالدرایت موضوع ہیں۔ نیز ابن کثیر نے اپنی کتاب "الفصول فی سیرۃ الرسول" میں اور امام بیہقی نے سنن کبریٰ میں روایت کی ہے کہ جب حضرت عمر نے ام کلثوم بنت علی بن ابی طالب کا رشتہ مانگا تو حضرت علی نے کہا کہ وہ چھوٹی ہیں مگر حضرت عمر نے کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ تمام وسائل اور انساب روزِ قیامت ختم ہو جائیں گے سوائے میرے نسب اور ذریعے کے۔ اس لیے میں چاہتا ہوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رابطہ اور تعلق پیدا کروں چنانچہ حضرت علی نے ان کا نکاح اپنی بیٹی ام کلثوم سے کر دیا (الفصول فی سیرۃ الرسول صہ ۲۷۳، سنن کبریٰ صہ ۶۴ ج ۷) اس روایت میں ایک راوی

سفیان بن وکیع ہے جس کے متعلق کتاب الفصول کے مترجم علامہ حریری لکھتے ہیں کہ سفیان بن وکیع ضعیف ہے۔ چنانچہ علامہ حریری نے تصریح کر دی ہے کہ ام کلثوم کے جعلی نکاح کے واقعہ کا بڑا راوی سفیان بن وکیع بن الجراح المتوفی ۲۴۷ھ ضعیف ہے۔ نیز حافظ ابن حجر عسقلانی بھی اس کے متعلق لکھتے ہیں قال النسائی لیس بثقتہ کہ امام نسائی نے کہا کہ یہ سفیان بن وکیع ثقہ نہیں ہے اور نسائی نے یہ بھی کہا کہ یہ کسی کام کا آدمی نہیں ہے اور امام ابو داؤد اس سے حدیث نہیں لیتے تھے (تہذیب التہذیب صد ۱۲۴ ج ۴)۔ حافظ ذہبی لکھتے ہیں کہ امام بخاری نے کہا کہ یہ سفیان بن وکیع متکلم فیہ ہے یعنی لوگ اس کے بارے میں اچھی باتیں نہیں کرتے۔ ابو زرعہ نے کہا کہ یہ متہم بالکذب ہے یعنی لوگ اس کو جھوٹا کہتے ہیں اور ابن ابی حاتم کہتے ہیں کہ اس کی حدیث ٹھیک نہیں ہے (میزان الاعتدال صد ۱۷۳ ج ۲)۔ جب علامہ حریری، حافظ ابن حجر عسقلانی اور حافظ ذہبی اس کو کاذب اور ضعیف کہہ رہے ہیں تو یہ حدیث موضوع بالروایت بھی ہوگئی آگے ہم اس کو حسب و نسب جلد اول میں موضوع بالدرایت ثابت کر آئے ہیں، اب یہ موضوع بالروایت بھی ثابت ہوگئی، لہٰذا سائل کا ام کلثوم کے جعلی نکاح کے ساتھ استدلال کر کے یہ ثابت کرنا کہ سیدزادی کے ساتھ غیر سید کا نکاح ہو سکتا ہے، بنیادی طور پر باطل ہے کیونکہ غیر کفوء میں نکاح نہیں ہوتا جب غیر کفوء میں بنیادی طور پر نکاح ہی نہیں ہو سکتا تو سیدزادی کا نکاح بھی غیر سید کے ساتھ نہیں ہوگا کیونکہ سیدزادی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد سے ہے۔ اور اس کا کفو وہی ہوگا جو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد سے ہوگا۔ چنانچہ علامہ یوسف نبہانی المتوفی ۱۳۵۰ھ لکھتے ہیں۔ ویتفرع علی ہذا انہم لا یکافئہم احد من الناس وبہ صرح غیر

واحد من الائمۃ قال الجلال السیوطی فی الخصائص و من خصائصہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان آلہ لا یکافئھم فی النکاح احد من الخلق (الشرف المؤبد ص۳۹) اور اسی پر یہ مسئلہ مبنی ہے کہ نکاح میں ان کا ہم کفو کوئی نہیں ہے متعدد ائمۃ نے اس کی تصریح کی ہے۔ جلال الدین سیوطی نے خصائص کبریٰ میں کہا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خصوصیات سے ہے کہ آپ کی آل کے لیے (دیگر) مخلوقات سے کوئی بھی کفو نہیں ہے۔ علامہ ابن حجر مکی المتوفی ۹۷۴ھ لکھتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خصوصیات سے ہے کہ آپ کی صاحبزادیوں کی اولاد آپ کی طرف منسوب ہوتی ہے چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا کفو کوئی نہیں ہے اس لیے آپ کی صاحبزادیوں کی اولاد کا کفو بھی وہی شخص ہو سکتا ہے جو کہ صاحبزادیوں کی اولاد سے ہو لہٰذا عباسی جو حضرت عباس کی اولاد سے ہیں سادات بنو فاطمہ کا کفو نہیں بن سکتے۔ اگرچہ دونوں ہاشمی ہونے میں شریک ہیں (فتاویٰ کبریٰ ص۹۷ ج۴) نیز صواعق محرقہ میں بھی لکھتے ہیں کہ ان احادیث میں ہمارے محققین ائمۃ کی ایک جماعت کے لیے واضح دلیل ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خصائص سے ہے کہ آپ کی صاحبزادیوں کی اولاد کفو وغیرہ کے سلسلے میں آپ کی طرف منسوب ہو گی۔ حتیٰ کہ کوئی ہاشمی جو شریف (سید) نہ ہو اس کا بیٹا شریف (سید) کی دختر کا کفو نہ ہو گا اور حضور کے علاوہ دوسرے لوگوں کی لڑکیاں اپنے آباء کی طرف منسوب ہوں گی۔ نہ اپنے ماؤں کے آباء کی طرف (الصواعق محرقہ ص۲۳۶) جب مخلوقات سے کوئی ایک بھی اولاد رسول کے نکاح کا ہم کفو نہیں ہے تو اگر سیدزادی نے غیر کفو میں نکاح کیا تو نکاح نہیں ہو گا۔ حضرت عمر فاروق نے فرمایا تھا کہ میں عورتوں کو غیر کفو میں

نکاح کرنے سے منع کردوں گا۔ چنانچہ امام محمد نے کتاب الآثار میں ابوحنیفہ سے روایت کی ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا تھا کہ میں ذی حسب عورتوں کو غیر کفوء میں (نکاح) کرنے سے ممانعت کردوں گا، شاہ ولی اللہ محدث دہلوی المتوفی ۱۱۷۶ھ نے حجۃ اللہ البالغہ میں حضرت عمر فاروق کا قول ذکر کیا ہے چنانچہ لکھتے ہیں۔ لیس فی ھذا الحدیث ان الکفاءۃ غیر معتبرۃ کیف وھی مما جبل علیہ طبا ئع الناس وکاد یکون القدح فیھا اشد من القتل والناس علی مراتبھم والشرائع لا تھمل مثل ذالک ولذالک قال عمر رضی اللہ عنہ لامنعن النساء الامن اکفائھن (حجۃ اللہ البالغہ ص۹۲ ج ۲) اس حدیث میں کفوء کے غیر معتبر ہونے کی کوئی دلیل نہیں ہے۔ یہ کیسے ہوسکتا ہے حالانکہ ہر قسم کے لوگوں کی سرشت اور مزاج میں کفوء کا اعتبار ہے اور اس میں نقص و قدح تو قتل سے بھی زیادہ ہے اور لوگوں کے مراتب (کفوء کے معاملہ میں) مختلف ہیں اور شریعت ایسی باتوں کو بے کار نہیں چھوڑتی۔ اس لیے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں عورتوں کے (نکاح کے سلسلہ میں) اپنے کفوء کے بغیر (نکاح) کرنے سے منع کردوں گا۔ اور یہ بھی حدیث میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی علیہ السلام کو فرمایا یا علی ثلاث لا تؤخرھا الصلوۃ اذا اتت والجنازۃ اذا حضرت والایم اذا وجدت لھا کفوًا (مستدرک ص۱۶۲ ج ۲، تلخیص ذہبی ص۱۶۲)

اس سے ظاہر ہے کہ نکاح کفوء میں کرنا چاہیے۔ اگر کسی سیدزادی نے اپنی مرضی یا کسی ولی کی مرضی سے بھی غیر کفوء میں نکاح کیا تو نکاح بنیادی طور پر منعقد نہیں ہوگا۔ علامہ عبدالرحمٰن حضرمی اپنی کتاب بغیۃ المسترشدین

میں لکھتے ہیں شریفة علویة خطبها غیر شریف فلا اری جواز النکاح وان رضیت و رضی ولیها (بغیة المسترشدین ص۲۹۴) اگر شریفہ (یعنی سیدہ فاطمیہ) کو غیر سید رشتہ میں لینے کا اظہار کرے تو میں ایسے نکاح کو جائز نہیں سمجھتا۔ اگرچہ خود سیدہ اور اس کا ولی راضی بھی ہوں ثابت ہوا کہ غیر کفو میں نکاح نہیں ہوتا۔ اگر سید زادی اور اس کا ولی راضی بھی ہو جائیں تو پھر بھی نہیں ہوتا۔ بہر حال اگر سید زادی نے غیر کفو میں کسی غیر سید کے ساتھ نکاح کر لیا تو نکاح نہیں ہوگا کیونکہ اس میں ہتک اہل بیت ہے اور ہتک اہلِ بیت شرعاً جائز نہیں ہے بلکہ اہلِ بیت کی عزت و تکریم فرض ہے اسی وجہ سے شریعتِ اسلامیہ نے ہر موقعہ پر اہلِ بیت کی عزت و ادب کرنے کی تعلیم دی ہے خواہ معاملات ہوں یا عبادات ہوں جیسے کہ پہلے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے حوالے سے گزر چکا ہے کہ آپ جب مال غنیمت تقسیم کرنے لگے تو امام حسن اور امام حسین کو ہزار ہزار درہم دیے اور اپنے بیٹے عبداللہ کو پانچ سو درہم دیے تو عبداللہ نے کہا کہ مجھے بھی ہزار درہم ملنے چاہئیں۔ کیونکہ میں امیر المومنین کا بیٹا بھی ہوں تو حضرت عمر نے فرمایا پہلے وہ مقام تو حاصل کر لو جو حسنین کریمین کا ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ حضرت عمر فاروق معاملات کے بارے میں اہلِ بیت رسول کی عزت و عظمت کرتے تھے۔ جس طرح اہلِ بیت کی عزت و عظمت معاملات میں ضروری ہے اسی طرح ان کی عزت و عظمت عبادات میں بھی لازم ہے۔ چنانچہ امام شافعی کا قول گزر چکا ہے کہ آپ فرماتے ہیں کہ جب تک آلِ نبی پر درود نہ پڑھا جائے تو نماز (عبادت) قبول نہیں ہوتی اور درود اہلِ بیت کے لیے عزت و عظمت ہی تو ہے اسی طرح درود کے بغیر دعا بھی قبول نہیں ہوتی۔ چنانچہ حضرت عمر فاروق فرماتے ہیں

کہ دعا زمین و آسمان کے درمیان معلق رہتی ہے جب دعا مانگنے والا درود شریف پڑھتا ہے تو قبول ہوتی ہے۔ اچھے معاملات اور عبادات اگرچہ ذریعہ نجات ہیں لیکن ان کے قبول ہونے کا باعث درود شریف ہے۔ گویا کہ دوسرے الفاظ میں نجات اخروی کا ذریعہ درود شریف ہی ہے۔ چنانچہ اسماعیل بن ابراہیم مزنی المتوفی سنہ ۲۶۴ھ فرماتے ہیں کہ میں نے خواب میں امام شافعی کو دیکھا اور پوچھا کہ آپ کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے کیا معاملہ کیا۔ امام شافعی نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے میری مغفرت فرما دی ایک درود کی وجہ سے جو میں نے اپنی کتاب "رسالہ" میں لکھا تھا وہ یہ ہے اللھم صل علی محمد کلما ذکرہ الذاکرون وصل علی محمد کلما غفل عن ذکرہ الغافلون۔ ایک دوسری روایت میں ہے کہ قیامت کے دن امام شافعی کا حساب نہیں ہوگا۔ جعفر بن عبداللہ کہتے ہیں کہ میں نے مشہور محدث ابو زرعہ المتوفی سنہ ۲۶۴ھ کو خواب میں دیکھا کہ وہ آسمان پر ہیں اور فرشتوں کی امامت نماز میں کر رہے ہیں۔ میں نے پوچھا کہ یہ عالی مرتبہ کس چیز سے ملا۔ انہوں نے کہا کہ میں نے اپنے اس ہاتھ سے دس لاکھ حدیثیں لکھی ہیں اور جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نام مبارک لکھتا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نام نامی پر صلوٰۃ و سلام لکھتا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جو شخص مجھ پر ایک مرتبہ درود شریف بھیجتا ہے اللہ تعالیٰ اس پر دس دفعہ درود (رحمت) بھیجتا ہے (فضائل درود شریف صہ ۱۰۹ بحوالہ بدیع) اور دلائل الخیرات درود شریف کے موضوع پر ایک مشہور کتاب ہے۔ اس کے مؤلف کا نام محمد ہے کنیت ابو عبداللہ ہے۔ والد کا اسم گرامی سلیمان تھا۔ آپ کا آبائی وطن علاقہ سوس ملک بربر (افریقہ) تھا۔ آپ اہل بیت سے تعلق رکھتے ہیں اور امام حسین

شہیدِ کربلا کی اولاد سے ہیں۔ فاس جو مراکش میں واقع ہے وہاں تحصیل علم کی اور فارغ ہونے کے بعد ایک عرصہ تک تفسیر و حدیث کا درس دیتے رہے پھر فاس سے ترک سکونت کر کے رلیف میں تشریف لے گئے۔ یہاں حضرت شیخ محمد بن عبداللہ سے ملاقات ہوئی۔ آپ سے علم باطن حاصل کرنا شروع کیا اور خلوت گزینی اختیار فرمائی اور چودہ سال متواتر مراقبہ اور ریاضت میں گزارے چودہ سال کے بعد خلوت خانہ سے باہر تشریف لائے اور رشد و ہدایت کا کام شروع کیا۔ بارہ ہزار سے زائد آدمیوں نے آپ کے ہاتھ پر بیعت فرمائی اور گناہوں سے تائب ہوئے۔ آپ سے بہت کرامات کا ظہور ہوا۔ آپ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کے انتہائی پابند تھے اور کثرت کے ساتھ اوراد و وظائف میں مشغول رہتے اور اپنے شاگردوں کے ساتھ مخلوق کی ہدایت کے لیے بربر اور افریقہ میں گشت کرتے اور لوگوں کی روحانی اصلاح فرماتے۔

آپ کی کتاب دلائل الخیرات کی وجہ تالیف یہ ہے کہ ایک مرتبہ اسی سلسلہ میں شہر فاس کے ایک گاؤں میں تشریف لائے اور نماز ظہر کا آخر وقت ہو چکا تھا اور پانی موجود نہ تھا۔ تلاش و جستجو کے بعد ایک کنواں نظر آیا لیکن ڈول اور رسی نہ تھی۔ شیخ محمد بن سلیمان کنواں کے چاروں جانب چکر لگاتے اور پریشان پھرتے لیکن اس دشواری کا کوئی حل نظر نہ آتا تھا۔ اتفاقاً سامنے کے ایک مکان سے آٹھ یا نو سالہ ایک لڑکی بھی یہ ماجرا دیکھ رہی تھی۔ اس نے شیخ سے کہا اے شیخ تمہاری پریشانی کا باعث کیا ہے۔ انہوں نے جواب دیا کہ میں محمد بن سلیمان جزولی ہوں۔ ظہر کا وقت تنگ ہو چکا ہے۔ پانی کے حصول کا کوئی ذریعہ نہیں ہے۔ اس لیے پریشان ہوں تم ہی کوئی حل بتاؤ لڑکی نے جواب دیا تم اتنی مشہور و معروف ہستی ہو اور ایک معمولی سا کام بھی

انجام نہیں دے سکتے اور یہ کہہ کر لڑکی باہر آئی اور جا کر کنوئیں میں تھوک دیا۔ اس کے تھوکتے ہی کنواں جوش مارنے لگا اور پانی باہر بہنا شروع ہو گیا۔ سب لوگوں نے وضو کیا اور نماز سے فارغ ہونے کے بعد اس لڑکی کے مکان میں گئے اور دستک دی اور جب لڑکی باہر آئی تو شیخ جزولی نے اس سے فرمایا تمہیں خدا کی قسم جس نے تمہیں پیدا کیا اور سیدھا راستہ دکھایا میں تم کو خدا کے تمام پیغمبروں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا واسطہ دیتا ہوں جن کی شفاعت کی تم امیدوار ہو۔ للہ یہ بتاؤ کہ تم اس مرتبہ پر کس طرح پہنچیں۔ اس نے جواب دیا اگر تم مجھے اتنا بڑا واسطہ اور اتنی بڑی قسم نہ دلاتے تو میں ہرگز یہ نہ بتاتی۔ دراصل مجھے یہ مرتبہ فلاں درود کے پڑھنے سے حاصل ہوا ہے جس کا میں ہمیشہ ورد کرتی رہتی ہوں۔ شیخ جزولی نے یہ درود پاک سیکھا اور اس کی اجازت حاصل کی۔ اس اجازت کے بعد شیخ صاحب کے دل میں شوق پیدا ہوا کہ ایک ایسی کتاب تحریر میں لائی جائے جس میں تمام درود جمع ہوں اور اس درود کے الفاظ پر بھی مشتمل ہو جو لڑکی سے حاصل کیا تھا۔

اس کے بعد شیخ جزولی نے یہ کتاب تحریر فرمائی اور احادیث میں جو درود مروی تھے وہ اس میں نقل فرمائے اور وہ درود بھی اس میں شامل کیا اور اس کتاب کو دلائل الخیرات کے نام سے موسوم کیا۔ آپ کی وفات سنہ ۸۷۰ھ یکم ربیع الاول کے دن نماز صبح کی پہلی رکعت کے سجدہ میں بمقام سوس ملک بربر میں واقع ہوئی۔ ظہر کے وقت مسجد کے قریب مدفون ہوئے۔ آپ کی اولاد ذکور (لڑکے) نہ تھی۔ ستتر سال بعد شاہ مراکش نے آپ کی نعش کو سوس سے نکلوا کر مراکش کے مشہور قبرستان ریاض الفردوس میں دفن کرایا اور اس پر ایک عالی شان قبہ بنوایا۔ جب آپ کی نعش برآمد ہوئی تو بالکل تازہ معلوم

ہوئی تھی گویا کہ اس پر زمین نے کوئی اثر ہی نہیں کیا بلکہ داڑھی کے خط کے نشان علی حالہٖ باقی تھے اور جب آپ کی نعش کو انگلی سے دبایا تو خون اپنے مقام سے سرکتا نظر آیا۔ اور جب انگلی اٹھائی گئی تو خون اپنی جگہ پر پہنچ گیا۔ آپ کی قبر مبارک پر انوارِ عظیمہ کا نزول ہوتا ہے اور ہمہ وقت زائرین کا ازدحام رہتا ہے، مولانا زکریا دیو بندی لکھتے ہیں کہ مؤلف دلائل الخیرات کی قبر سے خوشبو مشک (کستوری) و عنبر کی آتی ہے اور یہ سب برکت درود شریف کی ہے۔

مولانا زکریا دیو بندی فضائل درود شریف میں لکھتے ہیں کہ ایک عورت حضرت حسن بصری کے پاس آئی اور عرض کیا کہ میری لڑکی کا انتقال ہو گیا ہے۔ میری یہ تمنا ہے کہ میں اس کو خواب میں دیکھوں۔ حضرت حسن بصری نے فرمایا کہ عشاء کی نماز پڑھ کر چار رکعت نفل نماز پڑھ اور ہر رکعت میں الحمد شریف کے بعد الھٰکم التکاثر پڑھ اور اس کے بعد لیٹ جا اور سوتے وقت تک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم (اور ان کی آل) پر درود پڑھتی رہنا۔ اس نے ایسا ہی کیا۔ اس نے رات کو لڑکی کو خواب میں دیکھا کہ نہایت ہی سخت عذاب میں ہے تارکول کا لباس اس پر ہے، دونوں ہاتھ اس کے جکڑے ہوئے ہیں اور اس کے پاؤں آگ کی زنجیروں میں بندھے ہوئے ہیں۔ یہ عورت صبح اٹھ کر حسن بصری کے پاس گئی (اور تمام واقعہ بیان کیا) اگلے دن حضرت حسن بصری نے خواب میں دیکھا کہ جنت کا ایک باغ ہے اور اس میں ایک بہت اونچا تخت ہے اور اس پر ایک نہایت حسین و جمیل خوبصورت لڑکی بیٹھی ہوئی ہے۔ اس کے سر پر ایک نور کا تاج ہے۔ وہ کہنے لگی حسن بصری تم نے مجھے بھی پہچانا یا نہیں۔ میں نے کہا نہیں لڑکی کہنے لگی حسن بصری میں وہی لڑکی ہوں جس کی ماں کو تم نے درود شریف پڑھنے کا حکم دیا تھا (یعنی عشاء کے بعد سونے تک) حضرت حسن بصری نے کہا

کہ تیری ماں نے تو تیرا حال اس کے بالکل برعکس بتایا تھا جو میں دیکھ رہا ہوں۔اس لڑکی نے (حسن بصری سے) کہا میری حالت وہی تھی جو میری ماں نے بیان کی تھی (حسن بصری) فرماتے ہیں پھر یہ مرتبہ تجھے کیسے حاصل ہوا۔اس لڑکی نے کہا کہ ہم ستر ہزار آدمی اسی عذاب میں مبتلا تھے جو میری ماں نے آپ سے بیان کیا۔ صلحاء میں سے ایک بزرگ (بعض روایتوں میں ہے کہ یہ صالح آدمی حسن بصری تھے) کا گزر ہمارے قبرستان پر ہوا۔انہوں نے ایک مرتبہ درود شریف پڑھ کر اس کا ثواب ہم سب کو پہنچا دیا۔ان کا درود اللہ تعالیٰ کے یہاں ایسا قبول ہوا کہ اس کی برکت سے ہم سب اس عذاب سے آزاد کر دیے گئے (اور جنت میں داخل ہوگئے) اور اس بزرگ کی برکت سے یہ رتبہ نصیب ہوا (فضائل درود شریف صد ۱۱۳ بحوالہ قول بدیع) علامہ سخاوی المتوفی سن ۹۰۲ھ بعض تواریخ سے نقل کرتے ہیں کہ بنی اسرائیل میں ایک شخص بہت گنہگار تھا جب مر گیا تو لوگوں نے اس کو گنہگار سمجھتے ہوئے ویسے ہی زمین میں دبا دیا۔اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام پر وحی بھیجی کہ اس کو غسل دے کر اس پر جنازہ کی نماز پڑھیں۔میں نے اس شخص کی مغفرت کر دی ہے حضرت موسیٰ نے عرض کیا یا اللہ یہ کیسے ہو گیا۔اللہ تعالیٰ نے فرمایا اس نے ایک دفعہ تورات کو کھولا۔اس میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا نام دیکھا تو اس نے ان پر درود پڑھا تھا تو میں نے اس کی وجہ سے اس کی مغفرت کر دی (فضائل درود شریف صد ۱۰۵ بحوالہ قول بدیع)

مواہب لدنیہ میں تفسیر قشیری سے نقل کیا گیا ہے کہ قیامت کے دن کسی مومن کی نیکیاں کم وزن ہو جائیں گی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک پرچہ سرانگشت کے برابر نکال کر میزان میں رکھ دیں گے جس سے نیکیوں کا پلڑا وزنی

ہو جائے گا۔ وہ مومن کہے گا کہ میرے ماں باپ آپ پر قربان ہو جائیں۔ آپ کون ہیں۔ آپ کی صورت اور سیرت کیسی اچھی ہے۔ آپ فرمائیں گے میں تیرا نبی ہوں اور یہ درود شریف ہے جو تو نے مجھ پر پڑھا تھا۔ اس نے تیری حاجت کے وقت اس کو ادا کر دیا۔ اس واقعہ کی تائید اس حدیث سے بھی ہوتی ہے جو کہ عائشہ صدیقہ سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص مجھ پر درود بھیجتا ہے تو ایک فرشتہ اس درود کو لے کر اللہ تعالےٰ کی بارگاہ میں پیش کرتا ہے تو وہاں سے ارشاد ہوتا ہے اذھبوا بھا الی قبر عبدی تستغفر لقائلھا وتقربھا عینہ کہ اس درود کو میرے بندے کی قبر کے پاس لے جاؤ یہ اس کے لیے استغفار کرے گا اور اس کی وجہ سے اس بندہ کی آنکھ ٹھنڈی ہوگی (فضائل درود شریف صہ ۳۸، صہ ۱۰۱ بحوالہ حصن حصین) ابراہیم نسفی کہتے ہیں کہ مجھے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خواب میں زیارت ہوئی تو میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو کچھ ناراض پایا تو میں نے جلدی سے ہاتھ بڑھا کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک کو بوسہ دیا اور عرض کیا یارسول اللہ میں تو حدیث کے خدمت گاروں میں سے ہوں اہلِ سنت سے ہوں، مسافر ہوں حضور نے تبسم فرمایا اور یہ ارشاد فرمایا کہ جب تو مجھ پر درود بھیجتا ہے تو سلام کیوں نہیں بھیجتا؟ اس کے بعد میرا معمول ہو گیا کہ میں جب درود پڑھتا یا لکھتا تو میں صلی اللہ علیہ وسلم لکھتا (فضائل درود شریف صہ ۱۰۸ بحوالہ قول بدیع) اس سے ظاہر ہوا کہ جب درود شریف پڑھا جائے تو وہ پڑھا جائے جس میں صلوٰۃ وسلام دونوں ہوں۔

مولانا زکریا دیوبندی لکھتے ہیں کہ بندہ کے خیال میں اگر ہر جگہ درود و سلام دونوں کو جمع کیا جائے تو زیادہ بہتر ہے یعنی یہ درود شریف پڑھا جائے

"الصلوٰۃ والسلام علیک یارسول اللہ الصلوٰۃ والسلام علیک یا نبی اللہ" تو زیادہ اچھا ہے (فضائل درود شریف ص۲۷) غرضیکہ اہلِ بیت رسول کو اللہ تعالیٰ نے درود شریف کی وجہ سے بھی بہت عزت و تکریم دی ہے۔ چنانچہ علامہ رازی نے تفسیر کبیر میں لکھا ہے کہ جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود شریف پڑھتے ہیں یہ درود حضور کی احتیاج کی وجہ سے نہیں ہے بلکہ ہمارا درود حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی اظہارِ عظمت کے واسطے ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ جو نبی (اور آلِ نبی) پر درود شریف پڑھا جاتا ہے اس میں ان کی عظمت کا ظاہر کرنا مقصود ہے اور یہ بھی ظاہر ہوا کہ جب نبی اور آلِ نبی پر درود پڑھا جائے تو صلوٰۃ وسلام دونوں کو ملا کر پڑھنا چاہیے۔

سوال:۔

آپ نے لکھا ہے کہ نبی اور آلِ نبی پر صلوٰۃ وسلام پڑھنا چاہیے لیکن بعض لوگ کہتے ہیں کہ امام حسین کے نام کے ساتھ علیہ السلام نہیں کہنا چاہیے بلکہ رضی اللہ عنہ کا لفظ بولنا چاہیے۔

جواب:۔

یہ سوال شاہ عبد العزیز محدث دہلوی المتوفی ۱۲۳۹ھ سے کیا گیا تھا انہوں نے جواب دیا تھا کہ لفظ سلام کا غیر انبیاء کی شان میں بھی کہہ سکتے ہیں جس کی سند یہ ہے کہ کتب قدیمہ حدیث میں حضرت علی و حضرات حسنین و حضرت فاطمہ و حضرت خدیجہ و حضرت عباس کے ساتھ لفظ علیہ السلام مذکور ہے البتہ بعض علماء ماوراء النہر[1] نے شیعہ کی مشابہت کے لحاظ سے اس کو

---

[1] علماء وراء النہر کے متعلق حضرت شیخ الجامعہ علامہ غلام محمد گھوٹوی (بقیہ برصفحہ آئندہ)

منع لکھا ہے لیکن فی الواقع بُروں کی مشابہت امر خیر میں منع نہیں ہے (فتاویٰ عزیزیہ ص۲۳۵) اس سے ظاہر ہے کہ امام حسین کے نام کے ساتھ علیہ السلام کہنا جائز ہے۔

علامہ آلوسی لکھتے ہیں کہ اس مسئلہ میں علماء کے اقوال مضطرب ہیں اور عام علماء نے کہا ہے کہ مطلقاً جائز ہے۔ یعنی خواہ پہلے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر ہو اور ان کے بعد امام حسین علیہ السلام کہا جائے یا پہلے حضور کا ذکر نہ ہو اور براہ راست امام حسین علیہ السلام کہا جائے۔ یہ دونوں صورتیں جائز ہیں۔ انہوں نے اپنے مؤقف پر قرآن کی اس آیت (ھو الذی یصلی علیکم و ملائکتہ کہ وہی ہے کہ درود بھیجتا ہے تم پر وہ اور اس کے فرشتے) سے استدلال کیا ہے اور درج ذیل احادیث صحیحہ سے بھی استدلال کیا ہے۔

۱۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللھم صل علی آل ابی اوفیٰ (اے اللہ آل ابی اوفیٰ پر درود بھیج) اور یہ بھی کہ

۲۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہاتھ بلند فرما کر ارشاد فرمایا اللھم اجعل صلواتک و رحمتک علی آل سعد بن عبادۃ کہ اللہ

(بقیہ صفحہ سابقہ) المتوفی ۳۶۷ھ فرماتے ہیں کہ ماوراء النہر اور کچھ دیگر علاقوں کے علماء احناف خارجی بھی ہیں اور معتزلہ بھی ان کا قول ہمارے لیے حجت نہیں ہو سکتا (تحقیق الحق ص۵) اسی وجہ سے شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی نے بھی علماء ماوراء النہر کے قول کو قابل حجت نہیں سمجھا اور فرمایا کہ اہل بیت اطہار کے لیے لفظ علیہ السلام کا استعمال کرنا جائز ہے۔ ۱۲

مفتی غلام رسول (لندن)

سعد بن عبادہ کی آل پر اپنا درود اور رحمت بھیج۔

۳۔ حضرت جابر کی عورت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوئی عرض کی یارسول اللہ مجھ پر اور میرے خاوند پر درود بھیجئے۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پر درود بھیجا۔ ابن حبان المتوفی ۳۵۴ھ نے اس حدیث کی تصحیح ذکر کی ہے۔

۴۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ملائکہ مومن کی روح کے لیے کہتے ہیں۔

صلی اللہ علیک وعلی جسدک (روح المعانی صہ ۸۵ جز ۲۲)۔

شاہ عبدالعزیز اور عام علماء کی تحقیق سے ظاہر ہوا کہ انبیاء کرام علیہم السلام کے علاوہ اہلِ بیت کرام یعنی امام حسن اور حسین، خاتونِ جنت وغیرہم کے ناموں پر علیہ السلام کا اطلاق جائز ہے۔

سوال:۔

نبراس میں ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام کے علاوہ کسی پر بھی سلام کا لفظ بولنا جائز نہیں ہے کیونکہ صلوٰۃ وسلام کا لفظ شیعہ اہلِ بیت کے ناموں پر بولتے ہیں۔ چنانچہ ہمیں ان کی مخالفت کرنا چاہیے نیز صلوٰۃ وسلام کا لفظ انبیاء کے ساتھ خاص ہے جیسے کہ لفظ عزوجل اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہے اور اللہ تعالےٰ پر ہی بولا جاتا ہے حالانکہ حضور (علیہ السلام) عزیز بھی ہیں اور جلیل بھی لیکن حضور کو عزوجل نہیں کہتے۔ اسی طرح لفظ سلام بھی انبیاء کرام کے ساتھ خاص ہے اہلِ بیت پر نہیں بولا جائے گا۔ اور فقہ حنفیہ کی کتاب "تنویر الابصار" میں بھی ہے کہ انبیاء اور ملائکہ کے سوا مستقل طور پر لفظ صلوٰۃ وسلام کسی پر بولنا جائز نہیں ہے اور امام ابوحنیفہ کی طرف بھی یہ قول منسوب ہے کہ آپ بھی کہتے ہیں کہ مستقل طور پر لفظ صلوٰۃ وسلام سوائے انبیاء کے جائز نہیں ہے۔ بہر صورت

سوال یہ ہے کہ صاحب نبراس کہتے ہیں کہ اہلِ بیت اطہار کے ناموں کے ساتھ مستقل (براہ راست) طور پر علیہ السلام بولنا جائز نہیں ہے۔ البتہ اگر پہلے نبی علیہ السلام کا ذکر ہو اس کی اتباع میں اہلِ بیت کے ناموں پر علیہ السلام بولا جائے تو جائز ہے۔

جواب:۔

صاحب نبراس یا جو لوگ کہتے ہیں کہ امام حسین علیہ السلام کہنا جائز نہیں ہے انہوں نے دو چیزوں کو بنیاد بنایا ہے۔ ایک تو یہ کہ اس سے شیعہ کی مشابہت لازم آتی ہے اور دوسرے یہ کہ صلوٰۃ و سلام کے کلمات انبیاء کرام کے ساتھ مخصوص ہیں۔ جہاں تک پہلے سوال کا تعلق ہے کہ اگر امام حسین کے نام پر سلام کا لفظ بولا جائے تو اہل تشیع کے ساتھ مشابہت لازم آتی ہے ایسا غلط ہے جیسا کہ حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کے حوالہ سے گزر چکا ہے کہ آپ نے کہا ہے کہ مشابہت امر خیر میں منع نہیں ہے اور علامہ آلوسی بھی تفسیر روح المعانی میں لکھتے ہیں۔ ولا یخفی ان کراھتہ التشبہ باھل البدع مقررۃ عندنا ایضا لکن لا مطلقاً بل فی المذموم وفیما قصد بہ التشبہ بھم فلا تغفل (روح المعانی صفحہ ۸۵ جزء ۲۲) کہ یہ بات پوشیدہ نہ رہے کہ اہلِ بدعت (شیعہ وغیرہ) کے ساتھ مشابہت کا مکروہ ہونا ہمارے نزدیک بھی ثابت ہے لیکن مطلقاً نہیں بلکہ امر مذموم میں مشابہت مکروہ ہے۔ نیز یہ کہ کراہت اس وقت ہے جبکہ مشابہت مقصود بھی ہو تمہیں اس سے غافل نہ رہنا چاہیے۔ علامہ آلوسی کی کلام کا مطلب ظاہر ہے کہ اہلِ بدعت (شیعہ وغیرہ) کے ساتھ مشابہت برے کام میں منع ہے نہ کہ اچھے کاموں میں بھی مشابہت منع ہے۔ اگر وہ نیک کام

کرتے ہیں تو کیا اہل سنت وجماعت وہ نیک کام نہیں کریں گے نیز مشابہت اس وقت منع ہوتی ہے جب مشابہت مقصود بھی ہو اگر مشابہت میں قصد نہ ہو تو پھر بھی مشابہت لازم نہ ہو گی۔ اگر اہل سنت وجماعت امام حسینؓ کے نام پر لفظ سلام بولتے ہیں (یا لکھتے ہیں) تو بولتے وقت وہ یہ قصد اور ارادہ نہیں کرتے کہ ہم اس لیے بول رہے ہیں کہ شیعہ بولتے ہیں بلکہ اہل سنت کا مقصد تو صرف امام حسینؓ کی ذات پاک سے ہے، شیعہ کے ساتھ مشابہت مقصود نہیں ہے۔ جب مشابہت لازم نہ آئی تو امام حسینؓ کے نام پاک کے ساتھ علیہ السلام کہنا بھی منع نہ ہوا لہٰذا صاحب نبراس کا یہ کہنا کہ ہم کو شیعہ کی مخالفت کرنا چاہیے، اس مسئلہ میں ان کا یہ قول غلط ہے۔ اور دوسرے سوال کا جواب یہ ہے کہ جو کہا گیا ہے کہ یہ کلمات (صلوٰۃ وسلام) انبیاء اور ملائکہ کے ساتھ خاص ہیں یہ بھی درست نہیں ہے۔ علامہ آلوسی لکھتے ہیں کہ لکن نازع فیہ صاحب المعتمد من الشافعیۃ بانہ لا دلیل علی الخصوصیۃ۔ (روح المعانی ص۸۶ جزو ۲۲) کہ اصحاب شوافع میں سے صاحب معتمد نے اس مسئلہ میں سختی سے کہا ہے کہ اس خصوصیت پر کوئی دلیل نہیں ہے یعنی لوگوں نے جو یہ کہا ہے کہ لفظ صلوٰۃ اور سلام انبیاء اور ملائکہ کے ساتھ خاص ہے۔ اس کے خاص ہونے پر کوئی دلیل قائم نہیں ہو سکی۔ رہی یہ بات کہ علمائے حنفیہ سے بھی کہتے ہیں کہ انبیاء و ملائکہ کے سوا کسی پر علیہ السلام کا اطلاق جائز نہیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ دراصل اموی دور حکومت میں ظالم حاکموں پر بھی بوقتِ خطبہ سلام وغیرہ پڑھا جاتا تھا تو عمر بن عبدالعزیز نے اس کو سختی سے منع کر دیا۔ چنانچہ علامہ آلوسی لکھتے ہیں۔ وجاء عن عمر بن عبدالعزیز بسند حسن او صحیح انہ کتب لعاملہ ان ناسا

من القصاص قد احدثوا فی الصلوٰۃ علی خلفائھم وموالیھم عدل صلاتھم علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فاذا جاءک کتابی ھذا نمرھم ان تکون صلاتھم علی النبیین خاصۃ ودعائھم للمسلمین عامۃ ویدعوا ما سوی ذالک۔ کریہ چیز سند صحیح کے ساتھ ثابت ہے کہ عمر بن عبدالعزیز نے اپنے گورنر کو لکھا کہ قصہ گو لوگوں میں سے بعض نے یہ نئی بات شروع کردی ہے کہ وہ اپنے خلفاء اور سرداروں کے لیے صلوٰۃ پڑھتے ہیں۔ ان کو سختی سے بند کردیا جائے اس کے بعد صلوٰۃ صرف انبیاء کرام پر ہی پڑھا جائے۔ اسی قسم کی ایک روایت ابن عباس سے بھی مروی ہے کیونکہ آپ کے زمانہ میں بھی یزید اور اس کے حامی کچھ نہ کچھ اس قسم کے لوگ گزرے تھے۔ لہٰذا ابن عباس نے فرمایا کہ صلوٰۃ ایسے لوگوں پر نہ پڑھی جائے۔ گویا کہ عمر بن عبدالعزیز اور ابن عباس نے ایک مخصوص طبقہ کے لیے اس کو منع فرمایا جیسے کہ اس پر خلفاء اور موالی کے الفاظ دلالت کرتے ہیں۔ اور علمائے حنفیہ سے بھی بعض نے اپنی کتابوں کے اندر یہی قول نقل کردیا۔ پھر آگے اس کو نقل کرتے آئے۔ اس قول سے یہ کیسے ثابت ہوا کہ امام حسین کے نام کے ساتھ علیہ السلام کہنا منع ہے۔ اگر یہ منع ہوتا تو شاہ عبدالعزیز کیوں لکھتے کہ امام حسین کے نام کے ساتھ علیہ السلام کہنا جائز ہے۔ اور پھر بعض محدثین ـــ اپنی کتب (قدیمہ و جدیدہ) میں اہل بیت کے ناموں کے ساتھ علیہ السلام نہ لکھتے۔ ان کا اپنی کتابوں میں علیہ السلام کا لکھنا اور استعمال کرنا بھی دلیل جواز ہے۔ دیکھیے صاحب کنز العمال نے امام مہدی علیہ السلام کا ذکر کرتے وقت جو عنوان باندھا ہے اس میں امام مہدی کے نام کے ساتھ علیہ السلام تحریر فرمایا ہے (کنز العمال ص ۵۹۱)۔ اسی طرح حضرت قبلہ

پیر سید مہر علی شاہ صاحب گولڑوی اپنے فتاویٰ مہریہ میں، سیدہ فاطمہ، حسن حسین اور حضرت علی اور امام مہدی کے لیے لفظ علیہ السلام لکھتے ہیں۔ اسی طرح اہل سنت وجماعت کی متعدد کتابوں کے اندر جب بھی اہل بیت اطہار کا ذکر آتا ہے تو مصنف حضرات ان کے ناموں کے ساتھ علیہ السلام لکھ دیتے ہیں۔ بہر حال حاصل جواب یہ ہے کہ اہل بیت اطہار کے ناموں کے ساتھ علیہ السلام لکھنا جائز ہے اور اس میں شیعہ کے ساتھ مشابہت لازم نہیں آتی کیونکہ اچھے کام میں مشابہت منع نہیں اور نہ ہی جب امام حسین علیہ السلام کہا جاتا ہے۔ مشابہت مقصود ہوتی ہے اور تخصیص پر کوئی دلیل نہیں ہے۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز نے اپنے زمانہ میں ان قصہ گو لوگوں پر پابندی لگائی تھی جو کہ صلوٰۃ کا لفظ ظالم حکمران اول اور اپنے تدریاً لوگوں پر بولتے تھے اور حضرت ابن عباس نے بھی ایسے لوگوں کے متعلق ہی منع فرمایا تھا۔ ورنہ جہاں تک صلوٰۃ وسلام کا تعلق ہے وہ تو رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور اہل بیت کرام کے لیے ہی ثابت ہے البتہ دوسرے لوگ ان کے تابع ہیں۔ بایں وجہ بعض حنابلہ نے کہا ہے۔

ان الصلوٰۃ علی الآل مشروعة تبعًا وجائزة استقلالا (تفسیر روح المعانی صہ ۸۶) کہ صلوٰۃ آل محمد پر تبعًا بھی جائز ہے اور براہ راست بھی جائز ہے۔ اور حقیقت یہ ہے کہ اہل بیت اطہار کے ناموں کے ساتھ لفظ علیہ السلام کا منع کرنا یہ مسئلہ اموی خاندان اور ان کے حامیوں کا پیدا کردہ ہے بنراس کے محشی (حاشیہ لکھنے والے) اس کا پس منظر بایں الفاظ بیان کرتے ہیں۔ قال بعض المحققين ترك المحدثين لفظ الآل عند الصلوٰة على خاتم الارسال لغلبة الاموية والعباسية لانهم يمنعون عن ذالك بل يسبون ويسبلوا لسذيت

ظلموا ای منقلب ینقلبون (حاشیہ نبراس صنا حاشیہ نبرا) کہ بعض محققین نے کہا ہے کہ محدثین کا نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ پڑھتے وقت یا لکھتے وقت آل کو چھوڑنا یہ اموئیہ و عباسیہ حکومت کی وجہ سے ہوا ہے کیونکہ یہ اس سے منع کرتے تھے بلکہ آلِ رسول کو گالی نکالتے اور ظالم عنقریب جان لیں گے کہ کون سی جگہ لوٹ کر جاتے ہیں۔

محشی کے کلام کا مطلب واضح ہے کہ محدثین جب اپنی کتب حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ لکھتے ہیں تو صرف یہ لکھتے ہیں صلی اللہ علیہ وسلم اور آل کو چھوڑ دیتے ہیں جس کی وجہ یہ ہے کہ امیہ اور عباسیہ دونوں حکومتوں کے غلبہ کی وجہ سے ان زمانوں کے بعض محدثین ان سے مرعوب اور خوف زدہ تھے یہ حکومتیں ان محدثین کو منع کرتیں کہ تم آل نبی پر صلوٰۃ ہرگز نہ لکھو یہ لوگ صرف صلوٰۃ لکھنے سے منع ہی نہیں کرتے تھے بلکہ آلِ رسول کو سب و شتم بھی کرتے تھے اس سے ظاہر ہے کہ اس زمانہ کی مروی روایات تمام کتب میں پھیلی ہوئی ہیں۔

ان ہی مرویات کو ہمارے بعض فقہائے حنفیہ نے کتب فقہ میں ذکر کر دیا ہے جن کی بنا پر آج کل بھی بعض لوگ کہتے ہیں کہ امام حسین علیہ السلام کہنا جائز نہیں ہے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ یہ تمام کارروائی بقول محشی نبراس اموی اور عباسی خاندان کے حکام اور ان کے حواریوں نے کی ہے کہ ان دونوں حکومتوں نے اپنے اپنے زمانہ میں اہل بیت رسول کی ہر طرح مخالفت کی اور ان کو

لہ ابن تیمیہ لکھتے ہیں کہ اموی خاندان حضرت علی کو سب و شتم (گالی) کرتے تھے جن کو عمر بن عبدالعزیز نے بند کرایا۔ (سوال فی یزید بن معاویہ صہ ۱۴)

مفتی غلام رسول (لندن)

ہر طرح تکلیف واذیت پہنچانے کی کوشش کی۔ اور پھر دین اور مذہب کے اندر بھی مداخلت کرتے ہوئے محدثین اور علمائے وقت کو کہا کہ جب تم نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ وسلام پڑھو یا لکھو تو آلِ رسول کو چھوڑ دو صرف رسول پر صلوٰۃ پڑھو یا لکھو۔ بعض محدثین جو ان حکومتوں کے زیر اثر تھے انہوں نے مجبوری سے یہی عمل کیا اور جو محدثین جرأت مند تھے انہوں نے اپنی کتابوں میں آل کے ساتھ بھی سلام لکھ دیا۔ جب یہ مذہب اور دین کے خلاف ایک سازش تھی تو اس کی آڑ لے کر اب یہ کہنا کسی طرح بھی صحیح نہیں ہے کہ امام حسین کے نام کے ساتھ علیہ السلام کہنا جائز نہیں ہے۔ کیونکہ اصل میں صلوٰۃ وسلام تو رسول اور آلِ رسول کے لیے ہے۔ البتہ یہ بات صحیح ہے کہ اہلِ بیت رسول کے علاوہ دوسرے لوگوں کے ناموں کے ساتھ علیہ السلام مستقل طور پر صحیح نہیں ہے جیسا کہ خلیفہ راشد حضرت عمر بن عبدالعزیز یا ابن عباس نے فرمایا کہ آئندہ لوگوں کے ناموں کے ساتھ علیہ السلام کا استعمال نہیں ہونا چاہیے۔ ان کا یہ حکم صرف ایک خاص طبقہ کے لیے تھا نہ کہ اہلِ بیت رسول کے لیے۔ بہر صورت امام حسین علیہ السلام اور دیگر اہلِ بیت اطہار کے ناموں کے ساتھ بقول شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی علیہ السلام کہنا جائز ہے جس کے جواز کی سند یہ ہے کہ بعض کتب قدیمہ (وجدیدہ) میں اہلِ بیت اطہار کے ناموں کے ساتھ علیہ السلام لکھا ہوا ہے۔

سوال:۔

جب آلِ نبی پر صلوٰۃ پڑھتے ہیں تو کیا اس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی آل جو قیامت تک ہے، تمام شامل ہے یا خاص کر حضرات حسنین کریمین وغیرہ ہی مراد ہیں۔

جواب :۔

جو صلوٰۃ و سلام حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر پڑھا جاتا ہے اس میں حضور کی تمام آل اور اولاد شامل ہے جو قیامت تک ہونے والی ہے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایہا الناس انی تارك فیکم ما ان اخذتم به لن تضلوا بعدی امرین احدھما اکبر من الآخر کتاب اللہ حبل ممدود ما بین السماء والارض وعترتی اھل بیتی وانھما لن یتفرقا حتی یردا علی الحوض (کنز العمال ص۲۳۴ ازالۃ الخفا ص۲۵۹ ج ۲) کہ اے لوگو! میں تم میں دو چیزیں چھوڑے جا رہا ہوں اگر تم میرے بعد ان کے ساتھ تمسک کرو گے تو گمراہ نہیں ہو گے۔ یہ دونوں چیزیں ایک دوسرے سے بڑی ہیں ایک کتاب اللہ ہے جو کہ حبل ممدود یعنی رسی لٹکی ہوئی آسمان سے زمین تک ہے اور دوسری میری عترت میری اہل بیت ہے اور بے شک یہ دونوں جدا نہیں ہوں گے۔ یہاں تک کہ دونوں میرے پاس حوض (کوثر) پر وارد ہوں گے۔ اس سے ظاہر ہے کہ حضور کی عترت اور اہل بیت قیامت تک رہیں گے۔ جب قیامت تک رہیں گے تو قیامت تک ہی ان پر صلوٰۃ و سلام پڑھا جائے گا نیز حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میرا نسب قیامت تک موصول رہے گا۔ اور یہ بھی فرمایا المھدی من عترتی من ولد فاطمه (میزان الاعتدال ص۲۴ ج ۲) کہ مہدی میری عترت اولادِ فاطمہ سے ہو گا :۔ اور صاحب کنز العمال لکھتے ہیں عن علی قال المھدی مولده بالمدینة من اھل بیت النبی صلی اللہ علیه وآله وسلم واسمه اسم نبی ومھاجره بیت المقدس (کنز العمال ص۵۸۹) کہ حضرت علی سے روایت ہے کہ فرمایا (امام) مہدی کی

پیدائش مدینہ منورہ میں ہوگی اور وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اہلِ بیت سے ہوں گے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم نام ہوں گے اور بیت المقدس کی طرف ہجرت کریں گے اور نیز حضرت علی سے ہی روایت ہے قال المھدی رجل منا من ولد فاطمہ کہ (امام) مہدی علیہ السلام ہم میں سے ہوں گے اور فاطمہ الزہراء کی اولاد سے ہوں گے (کنز العمال ص۱۰۵) اس سے بھی ظاہر ہے کہ حضور کی آل اور اولاد قیامت تک ہوگی جب حضور کی اولاد قیامت تک ہونے والی ہے تو قیامت تک ہی ان پر صلوٰۃ وسلام پڑھا جائے گا۔

صدر الافاضل سیّد نعیم الدین مراد آبادی المتوفی ۱۳۶۷ھ لکھتے ہیں کہ مثلاً سیّد دنیا میں کروڑوں پائے جائیں گے مگر جانب ماضی میں ان کی نہایت سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات پر ہوگی (تفسیر خزائن العرفان ص۱۱۳) اس سے بھی ظاہر ہے کہ حضور کی اولاد اور سادات کرام قیامت تک جو ہونے والے ہیں وہ تمام حضور کی آل ہیں الحمد للہ جب آل پر صلوٰۃ وسلام پڑھا جاتا ہے تو اس میں وہ تمام شامل ہیں جو قیامت تک ہونے والے ہیں۔ ہم پہلے بھی لکھ چکے ہیں کہ ساداتِ کرام جو قیامت تک ہونے والے ہیں وہ حضور کی آل میں شامل ہیں کیونکہ ساداتِ کرام حسنینِ کریمین کی اولاد سے ہیں اور حسنینِ کریمین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرزند ارجمند ہیں۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیات سے ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی اولاد جو حضرت سیّدہ فاطمہ الزہرا کے بطنِ اطہر سے ہے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد ہے نہ کہ حضرت ابو طالب کی اولاد ہے اسی وجہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی، حضرت فاطمۃ الزہراء، حضرت حسن اور حضرت حسین کو اپنی عباء کے سایہ میں لے کر فرمایا کہ ھؤلاء اھل بیتی کہ یہ میرے اہلِ بیت ہیں۔ چنانچہ صحیح حدیث میں وارد ہے جس کو امام حاکم نے

اپنی سند کے ساتھ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے جس میں مذکور ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نماز صبح کے لیے تشریف لاتے تو حضرت سیدہ فاطمہ کے مکان کے پاس سے گزرتے اور فرماتے الصلوۃ یا اہل البیت انما یرید اللہ لیذھب عنکم الرجس اہل البیت ویطھرکم تطھیرا۔ اور چھ ماہ تک حضور کا یہ معمول رہا۔

سوال :۔

آپ نے جو کہا ہے کہ یہ حدیث صحیح ہے، درست نہیں ہے کیونکہ اس کی سند میں راوی علی بن یزید ہے۔ اس کے بارے حافظ ابن حجر عسقلانی نے تہذیب التہذیب میں لکھا ہے لیس بقوی، منکر الحدیث عن الثقات وقال ابن عدی احادیثہ لا تشبہ احادیث الثقات۔ یعنی یہ قوی نہیں ہے ثقات سے منکر حدیثیں روایت کرتا ہے۔ ابن عدی فرماتے ہیں کہ اس کی مرویات ثقات کی احادیث سے کوئی مشابہت نہیں رکھتیں جس سے ظاہر ہے کہ یہ حدیث ضعیف ہے اور قابل استدلال نہیں ہے۔

جواب :۔

پہلے تو سائل کا یہ کہنا کہ اس حدیث میں راوی علی بن یزید ہے یہ غلط ہے۔ اس حدیث کا راوی علی بن یزید نہیں بلکہ علی بن زید ہے۔ چنانچہ ہم تمام حدیث بمع سند مستدرک حاکم کے حوالہ سے ذکر کرتے ہیں ملاحظہ کیجیے۔

حدثنا ابو بکر محمد بن عبد اللہ الحفید ثنا الحسین بن الفضل البجلی ثنا عفان بن مسلم ثنا حماد بن سلمۃ اخبرنی حمید وعلی بن زید عن انس بن مالک رضی اللہ عنہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

كان يمر بباب فاطمة رضي الله عنها ستة اشهر اذا خرج لصلوٰة الفجر، يقول الصلوٰة يا اهل البيت انما يريد الله ليذهب عنكم الرجس اهل البيت ويطهركم تطهيراً هذا حديث صحيح على شرط مسلم ولم يخرجاه (المستدرک ص۱۵۸ ج ۳)

ترجمہ :۔ (امام حاکم) اپنی سند مذکور کے ساتھ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ تحقیق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب نمازِ فجر کے لیے نکلتے تو حضرت فاطمہ کے مکان کے دروازے سے گزرتے تو چھ ماہ تک یہ فرماتے رہے الصلوٰة یا اهل البیت انما یرید الله لیذهب عنکم الرجس اهل البیت ویطهرکم تطهیراً اب اس سند میں دیکھیے راوی علی بن یزید نہیں ہے، علی بن زید ہے۔ اسی طرح حافظ ذہبی نے تلخیص ص۱۵۸ ج ۳ میں اور امام احمد بن حنبل نے مسند احمد بن حنبل ص۲۵۹ ج ۳ میں اور ابن جریر طبری المتوفی ۳۱۰ھ نے تفسیر طبری ص۶ جزء۲۲ میں اور حافظ ابن کثیر المتوفی ۷۷۴ھ نے تفسیر ابن کثیر ص۴۸۳ ج ۳ میں حدیث انس میں راوی علی بن زید ذکر کیا ہے، علی بن یزید کا ذکر نہیں کیا۔ جس سے ثابت ہوا کہ راوی علی بن زید المتوفی ۱۳۱ھ ہے۔ سائل نے غلطی سے علی بن یزید سمجھ لیا ہے۔ لہٰذا جب حدیث انس میں راوی علی بن یزید نہیں ہے تو حدیث صحیح ہوئی۔

سوال :۔

علی بن زید کے متعلق بھی حافظ ابن حجر لکھتے ہیں کہ وہ شیعہ تھا، چنانچہ فرماتے ہیں وقال العجلی کان یتشیع کہ عجلی نے کہا کہ وہ شیعہ تھا اور یحییٰ بن معین نے کہا ہے کہ وہ ضعیف ہے۔ لہٰذا علی بن زید کے شیعہ اور ضعیف ہونے

کی وجہ سے اس کی حدیث صحیح نہیں ہے۔

جواب:۔

حافظ ابن حجر عسقلانی نے تہذیب التہذیب میں علی بن زید پر اگرچہ طویل جرح و تعدیل ذکر کی ہے لیکن حافظ ابن حجر یہ بھی لکھتے ہیں کہ بڑے بڑے محدثین مثلاً سفیان ثوری، سفیان بن عیینہ، شعبہ، ہمام بن یحییٰ، مبارک بن فضالہ وغیرہ نے اس سے روایت لی ہے اگر عجلی نے اس کو شیعہ کہا ہے تو ساتھ یہ بھی کہا ہے لاباس بہ اس سے روایت لینے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ یعقوب بن شیبہ نے اس کو ثقہ کہا ہے۔ ابن عدی نے کہا ہے کہ میں نے اہل بصرہ اور دیگر لوگوں کو دیکھا ہے کہ وہ اس سے روایت لینے میں کوئی حرج نہیں سمجھتے اگرچہ وہ شیعہ تھا لیکن پھر بھی اس کی حدیث کو لوگ لکھتے تھے (تہذیب التہذیب صفحہ ۳۲۳ ج ۷) اور امام ترمذی نے بھی سنن ترمذی میں علی بن زید سے یہ روایت لی ہے اور امام ترمذی نے اس کو صدوق (بہت سچا) کہا ہے۔ اور اسی روایت (انس بن مالک) کو حافظ ذہبی نے تلخیص میں اور احمد بن حنبل نے مسند میں اور ابن کثیر نے تفسیر ابن کثیر میں اور ابن جریر نے تفسیر ابن جریر میں اور علامہ ہندی نے کنز العمال صفحہ ۶۴۶ ج ۱۳) میں اور حاکم نے مستدرک میں ذکر کیا ہے اور جب اس حدیث کو ان محدثین نے ذکر کیا ہے اور اس پر کلام نہیں کی تو ظاہر ہے کہ حدیث صحیح ہے نیز اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی المتوفی سنہ ۱۳۴۰ھ لکھتے ہیں کہ امام احمد بن حنبل جب تک راوی ثقہ نہ ہو۔ اس سے حدیث ذکر نہیں کرتے (فتاوی رضویہ صفحہ ۲۴۴ ج ۲) اور امام احمد بن حنبل نے اپنی مسند میں علی بن زید سے یہ روایت لی ہے تو ثابت ہوا کہ یہ حدیث صحیح ہے۔ نیز اس کے صحیح ہونے پر امام حاکم نے نص کی ہے۔ جب یہ تمام محدثین اس حدیث کو ذکر کر رہے ہیں اور امام حاکم اس

کے صحیح ہونے کی تصریح کر رہے ہیں تو ظاہر ہے کہ یہ حدیث صحیح ہے جب حدیث صحیح ہوئی تو اس حدیث کے مضمون کے مطابق جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم چھ ماہ حضرت فاطمہ کے دروازے سے گزرتے ہوئے فرماتے رہے انما یرید اللہ لیذھب عنکم الرجس اھل البیت ویطھرکم تطھیرًا۔

تو ظاہر ہوا کہ آیت تطہیر ان کی شان میں ہی اتری ہے۔اس کی تائید حدیث واثلہ بن اسقع میں موجود ہے جس میں وہ کہتے ہیں کہ میں سیدہ فاطمۃ الزہراؓ کے ہاں گیا اور میں نے حضرت علی المرتضیٰ کے بارے میں پوچھا سیدہ فاطمہ نے بتایا وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گئے ہیں۔ میں بیٹھ کر انتظار کرنے لگا اور اسی اثنا میں حضور تشریف لائے۔ آپ کے ساتھ حضرت علی اور حسن اور حسین بھی تھے۔ حضور نے دونوں شہزادوں کو اپنے ہاتھ سے پکڑا ہوا تھا یہاں تک کہ گھر تشریف لائے۔ پس شہزادوں کو اپنی رانوں پہ بٹھایا اور سیدنا علی اور سیدہ فاطمہ کو اپنے قریب کیا اور پھر ان پر چادر ڈالی پھر یہ آیت پڑھی انما یرید اللہ لیذھب عنکم الرجس اھل البیت ویطھرکم تطھیرًا پھر فرمایا اللھم ھؤلاء اھل بیتی واھل بیتی احق یا اللہ یہ لوگ میرے اہل بیت ہیں اور یہ میرے اہل بیت زیادہ حق دار ہیں۔

سوال :۔

اس سند میں محمد بن مصعب ایک راوی ہے۔اس کے بارے میں علماء جرح کی رائے درج ذیل ہے قال یحیٰی لم یکن من اصحاب الحدیث کان مغفلاً کان کثیرا لخلط یعنی یحیٰی کہتے ہیں کہ اس شخص کا شمار علماء حدیث میں نہیں ہے یہ بالکل احمق آدمی تھا اور روایات میں بکثرت الٹ پھیر کر دیا کرتا تھا۔ جب یہ راوی ضعیف ہے تو اس کی وجہ سے حدیث واثلہ بھی ضعیف ہے

تو پھر حدیث انس کے لیے یہ کیسے مؤید ہو سکتی ہے۔

جواب :۔

اولاً تو یہ ہے کہ یہ حدیث جس میں راوی محمد بن مصعب ہے اس کو امام احمد بن حنبل نے (مسند حنبل صہ ۱۰۷ جلد ۴) میں ذکر کیا ہے اور اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی لکھتے ہیں کہ امام احمد جس کو ثقہ نہیں سمجھتے اس سے روایت نہیں لیتے (فتاویٰ رضویہ صہ ۲۴۴ جلد ۲)۔ جب امام احمد نے محمد بن مصعب سے روایت لی ہے تو ظاہر ہے کہ وہ ثقہ ہے اور اس کا عادل ہونا معتبر ہے اور یہ حدیث اس کی صحیح ہے۔

ثانیاً جواب یہ ہے کہ حدیث واثلہ اسی سند سے مروی نہیں ہے جس میں محمد بن مصعب راوی ہے بلکہ یہ حدیث متعدد طرق سے مروی ہے۔ جن طرق میں محمد بن مصعب نہیں ہے لہذا یہ حدیث دوسرے طرق سے صحیح ہے۔ چنانچہ امام حاکم اپنی سند کے ساتھ اس کو روایت کرتے ہیں۔

حدثنا ابو العباس محمد بن یعقوب انبأنا العباس بن الولید بن مزید اخبرنی ابی قال سمعت الاوزاعی یقول حدثنی ابو عمار قال حدثنی واثلہ بن الاسقع رضی اللہ عنہ قال جئت ارید علیاً رضی اللہ عنہ فلم اجدہ فقالت فاطمة رضی اللہ عنہا انطلق الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یدعوہ فاجلس فجاء مع رسول صلی اللہ علیہ وسلم فدخل ودخلت معهما قال فدعا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حسناً وحسیناً فاجلس کل

واحد منهما على فخذه وادنى فاطمة من حجره وزوجها ثم لف عليهم ثوبه وانا شاهد فقال انما يريد الله ليذهب عنكم الرجس اهل البيت ويطهركم تطهيرًا اللهم هؤلاء اهل بيتي، هذا حديث صحيح على شرط مسلم ولم يخرجاه۔

(المستدرک ص۴۱۶ ج ۲)

ترجمہ:۔ امام حاکم اپنی سند مذکور کے ساتھ واثلہ بن اسقع سے روایت کرتے ہیں کہ میں حضرت علی سے ملنے کے لیے آیا۔ پس میں نے اُن کو گھر نہ پایا تو حضرت فاطمہ نے فرمایا وہ حضور کی طرف چلے گئے ہیں کہ حضور نے ان کو بلایا تھا۔ پس میں بیٹھ گیا پھر حضرت علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ آئے پس گھر میں داخل ہوئے میں ان کے ساتھ گھر میں داخل ہوگیا۔ واثلہ کہتے ہیں کہ حضور نے حسن اور حسین کو بلایا پس ان دونوں کو اپنی رانوں پر بٹھایا اور حضرت فاطمہ کو اپنے قریب کیا اور حضرت علی کو (بھی) پھر ان پر چادر ڈالی اور میں اس بات کا گواہ ہوں کہ حضور نے یہ آیت پڑھی انما یرید اللہ لیذھب عنکم الرجس اھل البیت ویطھرکم تطھیرًا۔ اے اللہ یہ میرے اہل بیت ہیں۔ یہ حدیث شرط مسلم کے مطابق صحیح ہے۔ اب یہ بھی حدیث واثلہ سے مروی ہے۔ اس میں محمد بن مصعب راوی نہیں ہے۔ نیز ابن جریر نے اپنی تفسیر میں اس مضمون کی دو حدیثیں واثلہ سے روایت کی ہیں۔ جن میں محمد بن مصعب راوی نہیں ہے جس کا سائل نے ذکر کیا تھا۔ لہٰذا یہ احادیث صحیحہ ہوئیں۔

سوال:۔

حافظ ابن کثیر نے بیان کیا ہے کہ اس روایت کو ابو جعفر ابن جریر نے روایت کیا ہے جس کے آخر میں یہ زیادتی بھی مروی ہے قال واثلۃ رضی اللہ عنہ فقلت وانا یارسول اللہ صلی اللہ علیک من اھلک قال صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم وانت من اھلی قال واثلۃ رضی اللہ عنہ وانھا من ارجی ما ارتجی۔ کہ واثلہ نے عرض کیا یارسول اللہ کیا میں بھی آپ کے اہل سے ہوں تو آپ نے فرمایا تو بھی میری اہل سے ہے۔ واثلہ کہا کرتے تھے کہ حضور کا یہ ارشاد وانت من اھلی میرے لیے سب سے بڑی امید ہے جب واثلہ بھی حضور کے اہل سے ہوئے تو پھر یہ کہنا کہ آیت تطہیر اہل عبا کے حق میں اتری ہے یہ کیسے درست ہوا۔

جواب:۔

واثلہ[1] کو اگرچہ حضور نے فرمایا ہے کہ تو میری اہل سے ہے لیکن جس

---

[1] آپ کا نام واثلہ بن اسقع بن کعب بن عامر بن لیث بن عبد مناف ہے اور یہ غزوہ تبوک سے پہلے مسلمان ہوئے اور اس میں حاضر بھی ہوئے۔ یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور مرثد غنوی، ابوہریرہ اور ام سلمہ سے روایت کرتے ہیں اور آگے ان سے روایت کرنے والے، ان کی بیٹی جمیلہ، ابوادریس خولانی۔ بشیر بن عبید اللہ الحضرمی، شداد، ابوعمار، مکحول، عمرو بن عبداللہ الحضرمی۔ عبدالواحد بن عبداللہ بصری، عریف بن عیاش دیلمی، ابوالملیح بن اسامہ، یونس بن میسرہ وغیرہ ہیں۔ ابن سعد نے کہا ہے کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس دنیا سے تشریف لے گئے تو یہ شام کے علاقہ کی طرف چلے گئے اور ۸۵ھ میں (بقیہ بر صفحہ آئندہ)

طرح اہلِ بیت اطہار کو جمع فرما کر ان پر عبا ڈال کر اور آیت انما یرید اللہ
لیذھب عنکم الرجس اھل البیت ویطھرکم تطھیرًا۔
پڑھ کر فرمایا اللّٰھم ھؤلاء اھل بیتی اس طرح واثلہ کو نہیں فرمایا بلکہ واثلہ
کو صرف اس کے سوال کا جواب دیتے ہوئے یہ کہہ دیا کہ تو میری اہل سے
ہے۔ چنانچہ امام بیہقی لکھتے ہیں وکانہ جعلہ فی حکم الاھل تشبیھًا
بمن یستحق ھذا الاسم لا تحقیقًا (صواعق محرقہ صہ ۱۴۲) کہ واثلہ کو
حضور نے حقیقتًا اپنی اہل سے شمار نہیں کیا بلکہ حکمًا اس کو اپنی اہل سے کہہ دیا
جیسے کہ بعض آدمیوں کو صرف تعلقات کی بنا پر کہہ دیا جاتا ہے کہ یہ ہمارے گھر کا
ہی آدمی ہے۔ اسی طرح واثلہ کو بھی فرما دیا نہ کہ وہ حقیقۃً بھی اہل سے ہیں۔
بیہقی کے کلام سے ثابت ہوا کہ واثلہ ان میں داخل نہیں ہیں جو کہ حقیقتًا اہلِ بیت
ہیں جن کی شان میں آیت تطہیر نازل ہوئی ہے اور جن کو حضور نے اپنی
اہلِ بیت کہا ہے جیسے کہ حضرت ام سلمہ سے مروی ہے کہ وہ فرماتی ہیں کہ
فی بیتی نزلت انما یرید اللہ لیذھب عنکم الرجس اھل البیت
ویطھرکم تطھیرًا کہ میرے گھر میں یہ آیت اتری ہے اور میرے گھر
حضرت علی، حضرت فاطمہ، حضرت حسن اور حسین تھے حضور نے ان پر چادر ڈال کر
فرمایا ھؤلاء اھل بیتی فاذھب عنھم الرجس وطھرھم تطھیرًا
(تفسیر ابن کثیر صہ ۴۸۴ ج ۳) اب اس سے ظاہر ہے کہ آیتِ تطہیر ان حضرات

(بقیہ صفحہ سابقہ) ان کی وفات ہوگئی۔

(تہذیب التہذیب صہ ۱۰۱ ج ۱۱، شذرات الذہب صہ ۹۵ ج ۱)
مفتی غلام رسول (لندن)

کی شان میں نازل ہوئی ہے۔

سوال :۔

اس روایت کے راویوں میں سے ایک عبداللہ بن عبدالقدوس ہے جس کے متعلق یحییٰ بن معین فرماتے ہیں لیس بشیءٍ رافضی خبیث یہ کچھ نہیں ہے رافضی ہے اور خبیث النفس ہے۔ جب یہ راوی وضاع ہوا تو حدیث موضوع ہوئی لہٰذا قابلِ استدلال نہ ہوئی۔

جواب :۔

حدیث ام سلمہ متعدد طرق سے مروی ہے جن طرق میں عبداللہ بن عبدالقدوس نہیں ہے۔ حافظ ابنِ کثیر نے آیت تطہیر کے ذیل میں حضرت ام سلمہ سے مروی متعدد احادیث ذکر کی ہیں۔ ان میں سے چار روایات ایسی ہیں جن میں عبداللہ بن عبدالقدوس نہیں ہے۔ ان چار میں سے ایک حدیث عطاء بن ابی رباح عن من سمع ام سلمہ ہے۔ دوسری حدیث ابوہریرہ عن ام سلمہ ہے۔ تیسری حدیث عن عبداللہ بن وہب بن زمعہ عن ام سلمہ ہے اور چوتھی حدیث عمر بن ابی سلمہ عن ام سلمہ ہے۔ ان چار احادیث کا مضمون تقریباً ایک ہی ہے۔ پہلی حدیث میں ہے کہ ام سلمہ فرماتی ہیں حضور میرے گھر تشریف فرما تھے اور حضرت فاطمہ آئیں تو کھانا بھی ساتھ لائیں۔ پھر حسن اور حسین اور علی کو بلایا گیا انہوں نے کھانا کھایا اور میں حجرہ میں نماز پڑھ رہی تھی کہ یہ آیت اتری انما یرید اللّٰہ لیذھب عنکم الرجس اھل البیت ویطھرکم تطھیرًا۔ پھر حضور نے ان (حضرات) پر چادر ڈال کر فرمایا اللھم ھؤلاء اھل بیتی وخاصتی فاذھب عنھم الرجس وطھرھم تطھیرًا۔ حضرت ام سلمہ فرماتی ہیں کہ میں نے بھی اپنا سر بیت (گھر) میں داخل کیا اور کہا کہ حضور میں بھی آپ کے ساتھ ہوں تو

حضور نے فرمایا انك الی خیر انك الی خیر۔ کہ تم خیر کی طرف ہو۔ تم خیر کی طرف ہو۔

سوال:۔

اس حدیث کے متعلق ابن کثیر لکھتے ہیں کہ فی اسنادہ من لم یسم وھو شیخ عطاء بقیۃ رجالہ ثقات کہ اس کی سند میں عطاء بن ابی رباح نے اپنے شیخ کا ذکر نہیں کیا۔ اگرچہ باقی راوی ثقہ ہیں۔ بنا بریں راوی مبہم ہونے کی وجہ سے حدیث ضعیف ہے۔

جواب:۔

عطاء بن ابی رباح خود مشہور تابعی ہیں اور ثقہ ہیں۔ اپنے جس شیخ کا انہوں نے نام نہیں لیا وہ عمر بن ابی سلمہ ہیں۔ جو کہ حضرت ام سلمہ کے بیٹے ہیں۔ حافظ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں کہ یہ حبشہ میں پیدا ہوئے جبکہ ام سلمہ ہجرت کر کے حبشہ تشریف لے گئیں تھیں۔ یہ صغار الصحابہ سے ہیں۔ اپنی والدہ سے روایت کرتے ہیں۔ آپ سے روایت کرنے والے ان کے بیٹے اور ابو امامہ بن سہل بن حنیف، سعید بن المسیب، عروہ بن زبیر، ثابت بنانی، عطاء بن ابی رباح، قدامہ بن ابراہیم بن محمد بن حاطب، عبد اللہ بن کعب حمیری، وہب بن کسان ابو حمزہ سعدی وغیرہ ہیں۔ حضرت علی نے ان کو بحرین کا گورنر مقرر کیا تھا۔ جب حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم دنیا سے تشریف لے گئے تھے اس وقت آپ کی عمر ۹ سال تھی اور حضرت علی کے ساتھ جنگ جمل میں بھی شریک ہوئے ہیں اور ۸۳ھ میں آپ کی وفات ہوئی (تہذیب التہذیب ص ۴۵۶ ج ۷) اور ہماری اس بات پر دلیل کہ اس جگہ حضرت عطاء کے شیخ عمر بن ابی سلمہ ہیں۔ ابن کثیر کی وہ روایت ہے جو انہوں نے ابن جریر کے حوالہ سے دوسری سند سے بیان کی ہے۔ دیکھیے

اس سند میں ہے عن یحیی بن عبید المکی عن عطاء عن عمر بن ابی سلمه عن امه رضی الله عنها۔ اس سے ظاہر ہے کہ حضرت عطاء کے شیخ عمر بن ابی سلمہ ہیں۔ پھر حافظ ابن حجر نے جہاں حضرت عمر بن ابی سلمہ کا ترجمہ ذکر کیا ہے، وہاں فرماتے ہیں روی عن النبی صلی الله علیه وسلم وعن امه ام سلمه کہ حضرت عمر بن ابی سلمہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی روایت کرتے ہیں اور اپنی ماں ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے بھی روایت کرتے ہیں اور جب عطاء نے کہا ہے کہ میں اس سے روایت کرتا ہوں جو ام سلمہ سے سن رہا ہے تو اس سے ظاہر ہے کہ ام سلمہ سے سننے والے ان کے بیٹے ہی ہیں اور یہ صحابی ہیں بلٰذا اس سند کے تمام راوی ثقہ ہیں ۔ لہٰذا یہ حدیث سند اور متن کے لحاظ سے صحیح اور معتبر ہے۔ البتہ حافظ ابن کثیر حضرت عطاء[1] بن ابی رباح کے اس

---

[1] عطاء بن ابی رباح امام ابو حنیفہ کے استاد ہیں۔ امام ابو حنیفہ جب بھی حرمین حج یا کسی وقت مکہ مکرمہ میں تشریف لے جاتے تو عطاء بن ابی رباح سے علم حاصل کرتے تھے یہ تابعی ہیں انہوں نے حضرت عائشہ، ابو ہریرہ، ابن عباس سے سماع کیا ہے اور امام ابو حنیفہ نے فرمایا کہ میں نے عطا بن ابی رباح سے افضل کسی کو نہیں دیکھا۔ ابن جریج المتوفی ۱۵۱ھ کہتے ہیں کہ عطاء بن ابی رباح نے بیس سال تک مسجد میں قیام کیا اور آپ تمام لوگوں سے نماز اچھے طریقے سے پڑھتے تھے۔ امام اوزاعی المتوفی ۱۵۷ھ فرماتے ہیں کہ عطاء تمام لوگوں کے نزدیک پسندیدہ تھے مکہ میں یہ اور مجاہد فتویٰ دیا کرتے تھے اور ایام حج میں تو اعلان ہوتا تھا کہ عطاء بن ابی رباح کے سوا کوئی فتویٰ نہ دے آپ کو فقیہ حجاز کہا جاتا تھا، امام بخاری نے تاریخ صغیر میں کہا ہے کہ عطاء بن ابی رباح ۱۱۴ھ میں فوت ہوئے ہیں۔

(شذرات الذہب ص ۱۴۸ ج ۱، تاریخ صغیر ص ۲۷ القسم الاول)

مفتی غلام رسول

شیخ کے نام سے واقف نہیں ہو سکے۔ اگر واقف ہو جاتے تو یہ تنقیدی عبارت کہ فی اسنادہ من لم یسم وھو شیخ عطاء ذکر نہ کرتے کیونکہ عطاء بن ابی رباح کے شیخ یہاں عمر بن ابی سلمہ صحابی ہیں جن کے ثقہ ہونے میں کوئی شک و ریب نہیں ہے۔ اس تنقیدی عبارت کا ذکر کرنا اس بات کی واضح دلیل ہے کہ ابن کثیر حضرت عطاء بن ابی رباح کے شیخ سے یہاں واقف نہیں ہو سکے لیکن ہم کہتے ہیں کہ حضرت عطاء بن ابی رباح کے یہاں شیخ جن کا نام انہوں نے ذکر نہیں کیا وہ عمر بن ابی سلمہ ہیں جو کہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے بیٹے ہیں۔ اسی لیے من سمع کا لفظ استعمال کیا گیا ہے کیونکہ گھروں کے اندر ازواجِ مطہرات سے سننے والے ان کے بیٹے ہی ہو سکتے ہیں۔ اگر سائل یہاں ضد کرے کہ یہاں روایت میں راوی مبہم ہے اور سند قابل اعتراض ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ بعینہ راوی مبہم کے سلسلہ میں اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی لکھتے ہیں کہ پھر خاتم الحفاظ تعقبات میں فرماتے ہیں رجالہ ثقات الا ان فیہ مبھما لم یسم فان کان ثقۃ فھو علی شرط الصحیح وان کان ضعیفا فھو عاضد للسند المذکور کہ تمام راوی ثقہ ہیں مگر ایک راوی مبہم ہے جس کا نام نہیں لیا گیا۔ پس اگر وہ ثقہ ہے تو وہ شرط صحیح پر ہے اور اگر ضعیف ہے تو وہ سند مذکور کے لیے معاون ہے۔ بھلا ابہام تو عدم علم عدالت ہے اور بداہت عقل شاہد کہ علم عدم عدم علم سے زائد مبہم کا کیا معلوم کہ شاید فی نفسہٖ ثقہ ہو کما مرآنفا عن الامامین الحافظین اور جس پر جرح ثابت احتمال ساقط و لہٰذا محدثین دربارہ مجہول رد و قبول میں مختلف اور ثابت الجرح کے رد پر متفق ہوئے (فتاویٰ رضویہ ص ۴۳۹ ج ۲) نیز لکھتے ہیں بلکہ ابہام بھی انہی کم درجہ ضعفوں سے ہے جو تعدد طرق سے منجبر ہو جاتے ہیں اور

حدیث کو رتبۂ حسن تک ترقی سے مانع نہیں آتے (فتاویٰ رضویہ ص۴۴۹)

اعلیٰ حضرت کی تحقیق سے ظاہر ہے کہ اگر راوی کا نام نہ لیا گیا تو اگر ثقہ ہے تو ظاہر ہے کہ حدیث صحیح ہے اور اگر ثقہ نہیں تو پھر بھی یہ حدیث سند مذکور کے لیے معاون ہے نیز فرمایا کہ ابہام تو ضعف کے کم درجوں سے ہے۔ لہٰذا یہ نقصان تعدد طرق سے پورا ہو جاتا ہے اور حدیث حسن (یا صحیح) ہو جاتی ہے بہرصورت سائل اگر یہ کہے کہ حدیث مبہم ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ تعدد طرق سے حدیث درجۂ حسن بلکہ صحیح تک پہنچ گئی ہے۔ ورنہ یہاں تو دوسری سند کے لحاظ سے علم ہو گیا ہے کہ عطاء بن ابی رباح خود مشہور تابعی اور ثقہ ہیں اور ان کے شیخ جن کا نام ذکر نہیں کیا گیا وہ عمر بن ابی سلمہ ہیں جو کہ صحابی ہیں جن کے ثقہ ہونے میں شک نہیں لہٰذا حدیث ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اپنی سند کے لحاظ سے صحیح ہے اور دوسری حدیث کا مضمون بھی تقریباً یہی ہے اور تیسری حدیث میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے علی، فاطمہ، حسن اور حسین کو جمع کر کے ان پر چادر ڈالی پھر فرمایا ھؤلاء اھل بیتی ام سلمہ نے کہا یا رسول اللہ مجھے بھی ان کے ساتھ داخل کرو تو حضور نے فرمایا انت من اھلی اور چوتھی حدیث کا معنیٰ بھی بالا حدیث مذکورہ کی طرح ہی ہے۔ اب یہ چار حدیثیں حضرت ام سلمہ سے مختلف طرق سے مروی ہیں۔ ان میں عبداللہ بن عبدالقدوس نہیں ہے اسی طرح امام ترمذی نے بھی ام سلمہ سے روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حسن اور حسین اور علی اور فاطمہ پر چادر ڈال کر فرمایا اللھم ھؤلاء اھل بیتی وحامتی اذھب عنھم الرجس وطھرھم تطھیرًا فقالت ام سلمۃ وانا معھم یا رسول اللہ قال انکِ علی خیر ھذا حدیث حسن صحیح وھو احسن شئی روی فی ھذا الباب۔

(سنن ترمذی صد ۳۶ ج ۵) اے اللہ یہ میرے اہل بیت اور میرے حمایتی ہیں ان سے ناپسندیدگی کو دور فرما اور ان کو پاک کر خوب پاک کرنا حضرت ام سلمہ فرماتی ہیں کہ میں نے کہا یا رسول اللہ میں ان کے ساتھ ہوں فرمایا تو خیر پر ہے اس حدیث میں بھی عبد القدوس راوی نہیں ہے اور کنز العمال میں بھی ہے کہ حضرت ام سلمہ سے مروی ہے کہ حضور نے سیدہ فاطمہ کو کہا کہ علی اور اپنے دونوں بیٹوں کو بلاؤ جب فاطمہ علیہا السلام نے ان کو بلا لیا تو حضور نے ان پر چادر ڈالی پھر فرمایا اللھم ان ھؤلاء آل محمد فاجعل صلواتك وبركاتك على آل محمد كما جعلتها على آل ابراهيم انك حميد مجيد فرفعت الكساء لادخل معهم فجذبه رسول الله صلى الله عليه وسلم من يدي وقال انك على خير (کنز العمال صد ۶۴۵ ج ۱۳) اے اللہ بے شک یہ آل محمد ہیں پس تو اپنا درود اور برکتیں آل محمد پر فرما جیسے کہ تو نے آل ابراہیم پر (درود اور برکتیں) فرمائی ہیں۔ بے شک تو خوبیوں والا عزت والا ہے۔ پس میں نے چادر اٹھائی تاکہ میں ان کے ساتھ داخل ہو جاؤں تو اس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے ہاتھ سے کھینچ لیا اور فرمایا تو خیر پر ہے۔ ان تمام احادیث سے ثابت ہوا کہ آیت تطہیر آل عبا کی شان میں نازل ہوئی ہے۔

سوال:۔

ابن کثیر کی مروی روایات سے جو تیسری روایت ہے۔ اس میں ہے کہ حضور نے حضرت ام سلمہ کو بھی فرمایا تھا کہ تو میری اہل بیت سے ہے تو پھر یہ کہنا کیسے صحیح ہوا کہ آیت تطہیر آل عبا کی شان میں نازل ہوئی ہے۔

جواب:۔

یہ بات درست ہے کہ حضرت ام سلمہ[۱] حضور کے اہل بیت سے تھیں بلکہ تمام ازواج مطہرات اہل بیت میں داخل ہیں جیسے کہ ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں لیکن

۱؎ حضرت ام سلمہ کا نام ہند ہے اور کنیت ام سلمہ ہے مگر کنیت کے ساتھ مشہور رہیں آپ کے باپ کا نام حذیفہ ہے اور والدہ کا نام عاتکہ بنت عامر ہے ان کا نکاح پہلے حضرت ابوسلمہ عبداللہ بن اسد رضی اللہ عنہ سے ہوا جو حضور کے رضاعی بھائی تھے۔ یہ دونوں میاں بیوی اعلان نبوت کے بعد جلد ہی مسلمان ہو گئے تھے اور سب سے پہلے ان دونوں نے حبشہ کی جانب ہجرت کی پھر یہ دونوں حبشہ سے مکہ مکرمہ آگئے اور مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کا ارادہ کیا چنانچہ حضرت ابوسلمہ رضی اللہ عنہ نے اونٹ پر کجاوہ باندھا اور حضرت ام سلمہ اور اپنے فرزند سلمہ کو کجاوہ میں سوار کر دیا مگر جب یہ چلے تو حضرت ام سلمہ کے میکے والے بنو مغیرہ آگئے اور انہوں نے کہا کہ ہم اپنی لڑکی کو مدینہ منورہ جانے کی اجازت نہیں دیں گے اور زبردستی سے حضرت ام سلمہ کو اونٹ سے اتار لیا۔ یہ دیکھ کر حضرت ابوسلمہ کا خاندان بھی طیش میں آگیا اور کہا کہ تم لوگ ام سلمہ کو محض اس بنا پر روکتے ہو کہ یہ تمہارے خاندان کی لڑکی ہے تو ہم اس کے بچہ "سلمہ" کو ہرگز ہرگز تمہارے پاس نہیں رہنے دیں گے کیونکہ بچہ تو ہمارے خاندان کا ایک فرد ہے۔ یہ کہہ کر ان لوگوں نے بچہ کو اس کی ماں کی گود سے چھین لیا مگر حضرت ابوسلمہ نے ہجرت کا ارادہ ترک نہیں کیا بلکہ بیوی اور بچہ دونوں کو چھوڑ کر تنہا مدینہ منورہ کی طرف چلے گئے اور حضرت ام سلمہ اپنے شوہر اور بچے کی جدائی میں صبح سے لے کر شام تک مکہ کی پتھریلی زمین میں ایک چٹان پر بیٹھ کر تقریباً سات دن روتی رہیں ان کا یہ حال دیکھ کر ان کے چچازاد بھائی کو ترس آگیا اور اس نے بنو مغیرہ کو سمجھایا تو بنو مغیرہ (بقیہ برصفحہ آئندہ)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف ام سلمہ کو یہ کہا ہے کہ تو میری اہل بیت سے ہے۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) نے اجازت دے دی تو ام سلمہ اپنے بچہ کو ساتھ لے کر اپنے شوہر کے پاس مدینہ منورہ تشریف لے گئیں، اور مدینہ منورہ پہنچ کر اپنے شوہر ابو سلمہ کے ساتھ رہنے لگیں اور ۴ھ میں آپ کے خاوند ابو سلمہ کا انتقال ہو گیا تو پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے نکاح فرمالیا اور پھر یہ اپنے بچوں کے ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر رہنے لگیں۔ آپ بہت عقل مند اور سمجھدار تھیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب صلح حدیبیہ کے روز صحابہ کرام کو حکم دیا کہ اپنی اپنی قربانی کر کے احرام کھول دو اور بغیر عمرہ کیے مدینہ منورہ کی طرف واپس لوٹ چلو کیونکہ صلح حدیبیہ اسی شرط پر ہوئی تھی تو صحابہ کو عمرہ نہ کرنے کا بہت غم تھا اور وہ قربانی کرنے میں تردد کرنے لگے تو حضور کو صحابہ کرام کے اس طرز عمل سے کچھ تکلیف ہوئی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ معاملہ حضرت ام سلمہ سے بیان کیا تو حضرت ام سلمہ نے مشورہ دیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ کسی سے بھی کچھ نہ فرمائیں اور خود اپنی قربانی کر کے اپنا احرام اتار دیں۔ چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا ہی کیا جب صحابہ کرام نے دیکھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے احرام کھول دیا ہے تو سب صحابہ نے بھی احرام کھول دیا۔ اور سب مدینہ منورہ کی طرف چلے گئے اور ابن عماد حنبلی المتوفی ۱۰۸۹ھ لکھتے ہیں کہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے حضرت جبریل علیہ السلام کو دحیہ کلبی کی صورت میں دیکھا ہے آپ سے تین سو اٹھتر احادیث مروی ہیں۔ آپ کی وفات ۶۱ھ ہے ابو ہریرہ نے آپ کی نماز جنازہ پڑھائی اور مدینہ منورہ جنت البقیع میں دفن ہوئیں۔ (شذرات الذہب صہ ۷۰ ج ۱، البدایہ والنہایہ صہ ۲۱۵ ج ۸، شرح مواہب لدنیہ صہ ۲۴۳ ج ۳)

مفتی غلام رسول (لندن)

لیکن جس وقت حضرت علی، فاطمہ، حسن، حسین کو بلا کران پر چادر ڈالی اور آیت تطہیر پڑھ کر فرمایا اللھم ھؤلاء اھل بیتی۔اس وقت حضرت ام سلمہ کو شامل نہیں فرمایا۔جس سے ظاہر ہے آیت تطہیر آلِ عبا کی شان میں نازل ہوئی ہے۔

سوال :۔

بعض روایات میں آتا ہے کہ حضرت ام سلمہ پر حضور نے چادر بھی ڈالی تھی۔

جواب :۔

حضور نے ام سلمہ پر چادر ڈالی تھی لیکن جس طرح چادر حضور نے حضرت علی، فاطمہ، حسن اور حسین پر ڈالی تھی اس طرح ام سلمہ پر نہیں ڈالی اور نہ ہی حضرت ام سلمہ کو ان کے ساتھ شامل کیا ہے بلکہ ان حضرات پر چادر ڈالنے اور آیت تطہیر تلاوت کرنے اور یہ اللھم ھؤلاء اھل بیتی فرمانے کے بعد حضرت ام سلمہ پر چادر ڈالی تھی۔چنانچہ ابن حجر مکی لکھتے ہیں وان ام سلمۃ قالت لہ الست من اھلک قال بلیٰ وانہ ادخلھا الکساء بعد ماقضیٰ دعاءہ لھم (صواعق محرقہ صد ۱۴۳) کہ حضرت ام سلمہ نے کہا کہ کیا میں آپ کے اہل سے نہیں ہوں کہا ہاں (تم میرے اہل سے ہو) اور ان کو بھی چادر میں داخل کیا اس کے بعد جبکہ ان حضرات کے لیے دعا فرما چکے یعنی پہلے ان حضرات کے لیے دعا فرمائی پھر اس کے بعد جب ام سلمہ نے اصرار کیا تو ان پر بھی وہ عبا مبارک ڈال دی لیکن ام سلمہ کے لیے نہ تو آیت تطہیر تلاوت فرمائی اور نہ ہی یہ فرمایا اللھم ھؤلاء اھل بیتی جس سے ظاہر ہے کہ آیت تطہیر آلِ عبا کی شان میں نازل ہوئی ہے۔حدیث ام سلمہ کا خلاصہ یہ ہے کہ

ام سلمہ کی حدیث متعدد طرق سے مروی ہے۔ حافظ ابن کثیر نے تفسیر ابن کثیر میں اس کو آٹھ طرق سے روایت کیا ہے جن میں ایک سند میں راوی عبداللہ بن عبدالقدوس ہے جو کہ حضرت اعمش سے روایت کرتا ہے۔ سائل نے اس کو ضعیف کہا ہے جس کی بنا پر اس نے اس حدیث کے متعلق کہا ہے کہ یہ حدیث قابلِ استدلال نہیں ہے۔ ابنِ حجر عسقلانی نے عبدالقدوس پر جرح بھی ذکر کی ہے اور اس کی تعدیل بھی ذکر کی ہے۔ چنانچہ لکھتے ہیں کہ محمد بن عیسیٰ نے کہا ہے کہ یہ ثقہ ہے اور بخاری نے کہا کہ یہ صدوق ہے (بہت سچا) اور ابن عدی کہتے ہیں کہ عام طور پر فضائل اہل بیت رسول میں احادیث ذکر کرتا ہے اور ابن حبان نے اس کو ثقات میں شمار کیا ہے۔ اور امام ابوداؤد نے اس سے کتاب الفتن میں روایت کی ہے یحییٰ بن معین کہتے ہیں کہ مجھے جریر نے کہا تھا کہ اس سے حدیث لکھا کرو۔ سائل کا یہ کہنا کہ یہ موضوع روایت ہے غلط ہے کیونکہ موضوع کے لیے ضروری ہے کہ یا تو راوی کاذب ہو یا اس کو کذب کی تہمت دی جائے۔ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی لکھتے ہیں کہ حدیث موضوع تب ہوتی ہے جبکہ راوی کاذب ہو یا متہم بالکذب ہو۔ (فتاویٰ رضویہ ص۴۲۵)

گویا کہ حدیث موضوع ہونے کے لیے ضروری ہے یا تو راوی کاذب (جھوٹا) ہو یا اس کو کذب کی تہمت لگائی گئی ہو۔ مثلاً ہم نے پہلے ذکر کیا ہے کہ نکاح ام کلثوم والی حدیث موضوع ہے۔ کیونکہ اس کا راوی سفیان بن وکیع متہم بالکذب ہے لیکن عبداللہ بن عبدالقدوس کو نہ کسی نے کاذب کہا ہے اور نہ ہی اس کو کذب کی تہمت دی گئی ہے بلکہ کے برعکس امام بخاری، محمد بن عیسیٰ، اور ابن حبان نے اس کو ثقہ کہا ہے۔ اور ابوداؤد نے اس سے روایت لی ہے جس سے اس کی تعدیل راجح ثابت ہوتی ہے۔

سوال :۔

جرح تو تعدیل پر مقدم ہوتی ہے، چنانچہ علامہ آلوسی لکھتے ہیں والجرح مقدم علی التعدیل (روح المعانی صہ ۱۵ جزو ۲۲) کہ جرح تعدیل پر مقدم ہے جب جرح کا مرتبہ مقدم ہوا تو عبداللہ بن عبدالقدوس مجروح ہوا لہٰذا اس کی روایت ضعیف ہے۔

جواب :۔

جب جرح سے تعدیل بیان کرنے والے زیادہ مضبوط راوی ہوں تو پھر تعدیل بھی راجح ہو جاتی ہیں جیسے کہ یہاں عبداللہ بن قدوس کو امام بخاری، محمد بن عیسٰی، اور ابن حبان وغیرہ نے ثقہ اور صدوق کہا ہے لہٰذا اس کی تعدیل راجح ہوگی چنانچہ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی لکھتے ہیں کہ امام واقدی کو جمہور اہل اثر نے تضعیف و جرح کیا جس کی تفصیل میزان وغیرہ کتب فن میں مسطور لاجرم تقریب میں کہا متروک مع سعة علمه اگرچہ ہمارے کے نزدیک توثیق ہی راجح کما افادہ المحقق فی فتح القدیر (فتاوٰی رضویہ صہ ۴۷۶ ج ۲) اب اس سے ظاہر ہے کہ واقدی پر شدید جرح ہوئی ہے۔ لیکن ہمارے نزدیک پھر بھی اس کو ثقہ اور معتمد علیہ مانا گیا ہے اسی طرح عبداللہ بن عبدالقدوس کو بڑے بڑے اصحابِ فن ثقہ اور صدوق کہہ رہے ہیں تو اس کا ثقہ ہونا راجح ہوگا۔ جب ثقہ ہوا تو اس کا ضعف بھی ثابت نہ ہوا۔ جب ضعیف بھی نہ ہوا تو اس کی حدیث موضوع کیسے ثابت ہوگی لہٰذا سائل نے جو یہ کہا ہے کہ اس کی حدیث موضوع ہے یہ بنیادی طور پر غلط ہے نیز اس کے طرق متعدد ہیں جن کی وجہ سے یہ زیادہ صحیح ہو جائے گی۔ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی لکھتے ہیں کہ حدیث اگر متعدد طرق سے مروی ہو تو اگر اس کے طرق صحیح ہوئے تو ظاہر ہے کہ

حدیث صحیح ہے۔ اگر اس کے طرق ضعیف ہوں تو پھر بھی اس کو تقویت ہو جاتی ہے، نیز لکھتے ہیں کہ حدیث اگر متعدد طریقوں سے روایت کی جائے اور وہ سب طریقے ضعیف ہوں تو ضعیف ضعیف سے مل کر بھی قوت حاصل کر لیتے ہیں بلکہ اگر ضعف غایت شدت و قوت پر نہ ہو تو جبر نقصان ہو کر حدیث درجہ حسن تک پہنچتی ہے اور مثل صحیح خود احکام حلال و حرام میں حجت ہو جاتی ہے مرقات میں ہے تعدد الطرق یبلغ الحدیث الضعیف الی حد الحسن متعدد روایتوں سے آنا حدیث ضعیف کو درجہ حسن تک پہنچا دیتا ہے۔ موضوعات کبیر میں فرمایا طرق متعددہ اگرچہ ضعیف ہوں حدیث کو درجہ حسن تک ترقی دیتے ہیں۔ محقق علی الاطلاق فتح القدیر میں فرماتے ہیں اگر سب کا ضعف ثابت بھی ہو جائے تاہم حدیث حسن ہوگی کہ طرق متعدد و کثیر ہیں اور یہ بھی فرمایا جائز ہے کہ حسن کثرت طرق سے صحت تک ترقی کر جائے اور حدیث ضعیف اس کے سبب حجت ہو جاتی ہے کہ تعدد تائید ثبوت واقعہ پر قرینہ ہے۔ امام جلیل جلال سیوطی تعقبات میں فرماتے ہیں کہ متروک یا منکر کہ سخت قوی ضعف ہیں۔ یہ بھی تعدد طرق سے ضعیف غریب بلکہ کبھی حسن کے درجے تک ترقی کرتی ہیں حصول قوت کے لیے بہت ہی طرق کی حاجت نہیں ہے صرف دو بھی مل کر قوت پا جاتے ہیں (فتاوی رضویہ ص ۴۴۸، ۹۴۴ ج ۲) بہر صورت حدیث ام سلمہ میں جو ضعیف روایت ہے وہ بھی صحیح روایات کی وجہ سے تقویت پکڑ کر درجہ صحت تک پہنچ جائے گی، نیز اس کی تائید ام سلمہ کی اس حدیث سے بھی ہے جو ابو سعید خدری حضرت ام سلمہ سے روایت کرتے ہیں کہ جب یہ آیت انما یرید اللہ لیذھب عنکم الرجس اھل البیت ویطھرکم تطھیرا نازل ہوئی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی، فاطمہ، حسن اور حسین

کو بلایا ان پر خیبری چادر ڈال کر فرمایا اللھم ھؤلاء اھل بیتی اللھم اذھب عنھم الرجس وطھرھم تطھیرا۔ ام سلمہ نے کہا کیا میں ان میں سے نہیں ہوں فرمایا انت الی خیر تو خیر کی طرف ہے (تفسیر ابن جریر ص۷ جزء ۲۲)۔

سوال:۔

اس کی سند میں شہر بن حوشب ہے جو کہ قابلِ حجت نہیں ہے۔ کثیر علماء نے لکھا ہے کہ یہ قابلِ سند نہیں ہے۔ اور نسائی نے کہا کہ لیس بالقوی کہ قوی نہیں ہے۔ لہٰذا اس کی حدیث ضعیف ہے جو کہ قابلِ استدلال نہیں ہے۔

جواب:۔

شہر بن حوشب پر اصحاب فن رجال نے جرح بھی کی ہے اور اس کی تعدیل بھی بیان کی ہے۔ چنانچہ حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں کہ اس کا نام شہر بن حوشب الاشعری ہے اور اس کی کنیت ابو سعید ہے۔ یہ حضرت ام سلمہ، ابوہریرہ حضرت عائشہ صدیقہ، حضرت ام حبیبہ، حضرت بلال، تمیم داری، حضرت ثوبان، سلمان فارسی، ابوذر غفاری، ابو مالک اشعری، ابو سعید خدری، ابن عمر، ابن عمرو بن العاص، عبدالرحمان ابن غنم، ابو عبید مولی نبی صلی اللہ علیہ وسلم، عمرو بن عبسہ، حضرت جابر، حضرت جریر، حضرت جندب، ابو امامہ، ام شریک انصاریہ ام درداء صغری اور عبدالملک بن نمیر وغیرہ سے روایت کرتا ہے اور اس سے روایت کرنے والوں سے عبدالحمید بن بہرام، قتادہ، لیث بن ابی سلیم، عاصم بن بہدلہ حکم بن عتیبہ، ثابت بن بنانی، اشعث حدانی، بدیل بن میسرہ، جعفر بن ابی وحشیہ داؤد بن ابی ہند، عبداللہ بن عثمان بن خیثم، مطر الوراق، محمد بن شعیب زہرانی

عبداللہ بن عبدالرحمان بن ابی حسین، عبدالجلیل بن عطیہ، خالد حذا اور عبداللہ بن عبدالرحمان موہب وغیرہ ہیں۔

امام ترمذی نے امام بخاری سے روایت کی ہے کہ امام بخاری نے کہا کہ شہر بن حوشب قوی ہے اور اس کی حدیث اچھی ہے۔ شہر بن حوشب سے عبدالرحمان بھی حدیث بیان کرتا تھا۔ یعقوب بن شیبہ کہتے ہیں کہ ابن مدینی سے سوال کیا گیا کیا تم شہر بن حوشب سے حدیث بیان کرنا پسند کرتے ہو تو ابن مدینی نے کہا کیوں نہیں میں تو اس سے حدیث بیان کرتا ہوں اور عبدالرحمٰن بھی اس سے حدیث بیان کرتے ہیں۔ ابن مدینی نے کہا کہ میں تو اس شخص کی حدیث ترک کرتا ہوں جس کو یحییٰ اور عبدالرحمٰن دونوں چھوڑ دیں۔ چونکہ عبدالرحمٰن شہر بن حوشب سے حدیث بیان کرتا ہے۔ لہٰذا میں بھی اس سے حدیث بیان کرتا ہوں۔ حرب بن اسماعیل نے امام احمد سے روایت کی ہے کہ امام احمد شہر بن حوشب کی توثیق کرتے تھے۔ حنبل نے احمد سے روایت کی لیس بہ باس کہ اس کی حدیث بیان کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ امام ترمذی نے کہا ہے کہ امام احمد نے فرمایا لا باس بحدیث عبدالحمید بن بہرام عن شہر کہ عبدالحمید بن بہرام جو روایت شہر بن حوشب سے کرے اس کے روایت کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ ابن ابی خیثمہ اور معاویہ بن صالح دونوں یحییٰ بن معین سے روایت کرتے ہیں کہ یحییٰ نے کہا کہ شہر بن حوشب ثقہ ہے۔ عباس دوری نے بھی یحییٰ بن معین سے روایت کی ہے کہ وہ شہر بن حوشب کو ثقہ کہتے تھے۔ یعقوب بن شیبہ نے بھی اس کو ثقہ کہا ہے اور ابن عون نے بھی کہا کہ شہر بن حوشب ثقہ ہے اور ابوزرعہ فرماتے ہیں کہ لا باس بہ اس کی روایت لینے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ صالح بن محمد کہتے ہیں کہ لوگ شہر بن حوشب

سے روایت کرتے ہیں آج تک یہ نہیں سنا گیا کہ شہر بن حوشب نے کبھی جھوٹ بولا ہو ابو بکر بزار نے کہا ہم کسی کو نہیں جانتے کہ جس نے شہر بن حوشب سے روایت ترک کی ہو سوائے شعبہ کے ابو جعفر طبری کہتے ہیں کہ شہر بن حوشب بہت بڑا قاری اور بہت بڑا عالم تھا (تہذیب التہذیب صہ ۳۶۹ ج ۴) حافظ ذہبی لکھتے ہیں قلت قد ذھب الی الاحتجاج بہ جماعتہ کہ میں کہتا ہوں کہ ایک جماعت نے اس کو قابلِ حجت سمجھا ہے جیسے امام بخاری، امام ترمذی یحییٰ بن معین، امام احمد بن حنبل، عبد الرحمان بن مہدی، ابو زرعہ، ابن شیبہ ابو جعفر، ابو بکر بزار وغیرہ تمام اس کو ثقہ کہتے ہیں تو ظاہر ہے جس کی یہ لوگ تعدیل بیان کریں گے اس کا ثقہ ہونا راجح ہے اور اس کی مروی حدیث قابلِ احتجاج ہے۔ رہا یہ کہ امام نسائی نے اس کے متعلق کہا ہے کہ وہ قوی نہیں ہے اس کا جواب یہ ہے کہ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی لکھتے ہیں کہ جن راویوں کے متعلق لیس بالقوی (کہ وہ قوی نہیں ہے) کہا گیا ہے اس قسم کے رجال اسانید صحیحین میں صدہا ہیں۔ (فتاویٰ رضویہ صہ ۲۵۲ ج ۲) یعنی وہ راوی جن کے متعلق اصحاب جرح کہتے ہیں کہ وہ قوی نہیں ہے ایسے راوی تو بخاری اور مسلم میں بے شمار ہیں جب ان کی وجہ سے بخاری اور مسلم کی احادیث میں ضعف لازم نہیں آتا تو امام نسائی کے لیس قوی کہنے سے شہر بن حوشب بھی ضعیف نہیں ہو گا لہٰذا اس کی یہ مروی حدیث صحیح ہے نیز ابن جریر نے یہ حدیث ام سلمہ شہر بن حوشب سے دو سندوں کے ساتھ روایت کی ہے اور یہ فتاویٰ رضویہ کے حوالہ سے گزر چکا ہے کہ حدیث ضعیف کے طرق جب متعدد ہوں تو حدیث صحیح ہو جاتی ہے اور حدیث ام سلمہ کو ابن کثیر نے آٹھ طرق سے روایت کیا ہے اور ابو جعفر طبری نے اس کو سات سندوں سے

روایت کیا ہے لہٰذا حدیث ام سلمہ صحیح ہے۔

سوال:۔

اس مذکورہ حدیث میں ایک راوی عبدالحمید بن بہرام بھی ہے جو کہ ضعیف ہے۔

جواب:۔

اصحاب جرح اور تعدیل نے عبدالحمید بن بہرام کے متعلق بھی بحث کی ہے۔ چنانچہ حافظ ذہبی لکھتے ہیں کہ یحیٰ بن معین اور ابو داؤد طیالسی نے اس کو ثقہ کہا ہے۔ ابو حاتم نے کہا کہ شہر بن حوشب کے مروی روایات صحیح ہیں قطان نے کہا کہ جو شہر بن حوشب کی احادیث لینا چاہے وہ عبدالحمید بن بہرام سے لے (میزان الاعتدال ص ۵۴۱ ج ۲) ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں کہ عبدالحمید بن بہرام شہر بن حوشب سے اور عاصم احول سے بھی روایت کرتا ہے۔ اور اس سے روایت کرنے والے درج ذیل ہیں۔

ابن مبارک، روح بن عبادہ، ابو داؤد طیالسی، ابوالولیدطیالسی، عبداللہ بن رجاءالغدانی، محمد بن یوسف الفریابی، یزید بن ہارون، عبداللہ بن صالح مصری، حجاج بن منہال، منصور بن ابی مزاحم، جبارہ بن مغلس، علی بن جعد وغیرہ اور ابو داؤد کہتے ہیں عبدالحمید بن بہرام ہمارے نزدیک ثقہ ہے، (یحیٰ بن سعید قطان) نے کہا کہ جو شہر بن حوشب کی احادیث لینا چاہتا ہے وہ عبدالحمید بن بہرام کی طرف رجوع کرے۔ ابن مدینی کہتے ہیں کہ وہ ہمارے نزدیک ثقہ ہے البتہ وہ شہر بن حوشب سے اس کتاب سے روایت کرتا ہے جو اس کے پاس ہے، حرب نے کہا کہ امام احمد اس کو ثقہ سمجھتے تھے۔ اسحاق بن منصور کہتے ہیں کہ یحیٰ بن معین نے اس کی توثیق کی ہے، امام نسائی نے کہا کہ عبدالحمید بن بہرام

لاباس بہ ہے یعنی اس سے حدیث لینے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ ابن حبان نے اس کو ثقات میں شمار کیا ہے۔ بزار نے کہا کہ عبدالحمید بن بہرام سے ایک جماعت روایت کرتی ہے۔ ابن شاہین نے بھی اس کو ثقات میں شمار کیا ہے احمد بن صالح مصری بھی اس کو ثقہ سمجھتے ہیں (تہذیب التہذیب صہ۱۱ ج ۷)
جب امام احمد بن حنبل، یحیٰی بن معین، ابو داؤد طیالسی، امام ابو داؤد، یحیٰی بن سعید قطان، امام نسائی، ابن شاہین، حافظ بزار، احمد بن صالح مصری، یہ تمام عبدالحمید بن بہرام کو ثقہ سمجھتے ہیں تو اس کی توثیق راجح ہے اور اس نے جو روایت کی ہے وہ صحیح ہے جس کا مفاد یہ ہے کہ حضور نے فرمایا کہ یہ ہی حضرات یعنی علی، فاطمہ، حسن اور حسین میرے اہل بیت ہیں۔ مزید تائید حضرت عائشہ صدیقہ کی دو مروی روایات سے ہے جو کہ درج ذیل ہیں۔

ایک میں ہے کہ حضور صبح کے وقت باہر تشریف لے گئے اور آپ سیاہ بالوں والا مخطط کمبل اوڑھے ہوئے تھے۔ جب واپس آئے تو حسن آئے ان کو چادر میں داخل فرمایا، پھر حسین آئے ان کو داخل فرمایا۔ پھر فاطمۃ الزہرا آئیں ان کو بھی داخل فرمایا اور پھر علی آئے ان کو داخل فرمایا۔ اور پھر فرمایا:۔

انما یرید اللہ لیذھب عنکم الرجس اھل البیت
ویطھرکم تطھیرًا

اور دوسری روایت میں ہے آپ فرماتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ نے حضرت علی، فاطمہ، حسن اور حسین کو بلایا اور ان پر چادر ڈالی اور فرمایا:۔

اللھم ھؤلاء اھل بیتی فاذھب عنھم الرجس
وطھرھم تطھیرا۔

حضرت عائشہ فرماتی ہیں میں حضور کے قریب ہوئی میں نے عرض کیا یا رسول اللہ وانا من اھل بیتک فقال صلی اللہ علیہ وسلم وتنحی فانک علی خیر۔ کہ میں آپ کے اہل بیت سے ہوں تو حضور نے فرمایا پیچھے ہٹ جاؤ تم خیر پر ہو (ابن کثیر صہ ۴۸۵ جز ۲۲) ہم پہلے بھی لکھ چکے ہیں کہ ازواج مطہرات اہل بیت میں شامل ہیں لیکن جہاں تک آیت تطہیر کے نزول کا تعلق ہے وہ ان حضرات کی شان میں نازل ہوئی ہے جن کو حضور نے اپنی عبا میں داخل فرما کر ارشاد فرمایا:۔ اللھم ھؤلاء اھل بیتی۔ چنانچہ ابن جریر لکھتے ہیں کہ ابو سعید خدری سے روایت ہے کہ ابو سعید نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نزلت ھذہ الایۃ فی خمسۃ فی وفی علی رضی اللہ عنہ وحسن رضی اللہ عنہ وحسین رضی اللہ عنہ وفاطمۃ رضی اللہ عنھا انما یرید اللہ لیذھب عنکم الرجس اھل البیت ویطھرکم تطھیرا۔ (تفسیر ابن جریر صہ ۶ جزء ۲۲)

کہ یہ آیت پانچ حضرات کے حق میں نازل ہوئی ہے۔ میرے (نبی صلی اللہ علیہ وسلم)، علی، حسن، حسین اور فاطمہ رضی اللہ عنہم اب اس سے تو ظاہر ہے کہ یہ آیت ان حضرات خمسہ کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔

سوال:۔

اس روایت میں عطیہ راوی ہے۔ جس کے متعلق امام نسائی لکھتے ہیں کہ یہ ضعیف ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ یہ شیعہ تھا اور بعض نے کہا ہے کہ حضرت علی کو صحابہ پر فضیلت دیتا تھا نیز یہ کلبی کے پاس جایا کرتا تھا اور کلبی کو علماء جرح وتعدیل نے مردود قرار دیا ہے۔ جب یہ ضعیف ہے تو اس کی روایت کردہ

حدیث بھی ضعیف ہے۔

جواب:۔

اصحاب فن رجال نے عطیہ پر جرح بھی کی ہے اور اس کی تعدیل بھی ذکر کی ہے۔ حافظ ذہبی لکھتے ہیں کہ عطیہ بن سعید عوفی کوفی مشہور تابعی ہے اور یہ ابن عباس، ابو سعید خدری، اور ابن عمر سے روایت کرتا ہے۔ یحییٰ بن معین کہتے ہیں کہ روایت کرنے کے لیے صالح ہے۔ (میزان الاعتدال صہ ۸۰ ج ۲) حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں کہ عطیہ[1] عوفی حضرت ابو سعید خدری اور ابو ہریرہ

---

[1] صاحب تفسیر مواہب الرحمان لکھتے ہیں کہ امام ابن جریر نے بسند صحیح حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے کہ یہ آیت میرے گھر میں نازل ہوئی "انما یرید اللہ الآیۃ" اور گھر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم و علی و فاطمہ و حسن و حسین رضی اللہ عنہم تھے۔ پس میں نے عرض کیا یا رسول اللہ کیا میں اہل بیت سے نہیں ہوں۔ پس حضور نے فرمایا تو تو بہتری میں ہے تو تو رسول اللہ کی ازواج میں ہے اسنادہ صحیح فقد رواہ ابن جریر عن ابی کریب محمد بن علاء عن فضیل بن مرزوق عن عطیہ عن ابی سعید عن ام سلمہ (مواہب الرحمان صہ ۱ جز ۲۲)

اب اس سے ظاہر ہے کہ اس سند میں عطیہ ہے۔ اس کے باوجود صاحب مواہب الرحمان اس سند کو صحیح کہہ رہے ہیں جس سے ثابت ہو گیا کہ عطیہ اگر کسی روایت میں آجائے تو وہ حدیث سند کے لحاظ سے صحیح ہو گی۔

مفتی غلام رسول (لندن)

ابن عباس، ابن عمر، زید بن ارقم، عکرمہ، عدی بن ثابت، عبدالرحمٰن بن جندب سے روایت کرتا ہے اور اس سے حضرت اعمش، حجاج بن ارطاۃ، عمرو بن قیس محمد بن جحادہ، محمد بن عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ، مطرف بن طریف، اسماعیل بن ابی خالد سالم بن ابی حفصہ، فراس بن یحییٰ، ابوالجحاف، زکریا بن ابی زائدہ، ادریس اودی عمران بارقی، زیاد بن خثیمہ اور دیگر محدثین روایت کرتے ہیں۔ ابن سعد کہتے ہیں کہ عطیہ عوفی نے جب ابن اشعث کا ساتھ دیا تو حجاج بن یوسف نے محمد بن قاسم کو لکھا اس کو پکڑ کر کہو کہ حضرت علی کو سب وشتم (گالیاں) کرے۔ اگر نہ کرے تو اس کو۔ بم چار سو کوڑے لگا کر اس کی داڑھی مونڈ دو۔ محمد بن قاسم نے اس کو پکڑ لیا اور کہا کہ حضرت علی کو گالیاں نکالو۔ اس نے جب گالیاں نکالنے سے انکار کر دیا تو محمد بن قاسم نے اس کو کوڑے لگائے اور اس کی داڑھی بھی مونڈ دی پھر یہ خراسان کی طرف چلا گیا اور وہاں رہنا شروع کر دیا۔ پھر جب عراق کا گورنر عمر بن ہبیرہ مقرر ہوا تو یہ واپس اپنے گھر آیا اور اس کی وفات میں اختلاف ہے۔ بعض نے کہا کہ ۱۱۱ھ میں فوت ہوا اور بعض نے کہا کہ ۱۲۷ھ میں فوت ہوا اور ابن سعد فرماتے ہیں وکان ثقۃ انشاء اللہ یعنی انشاء اللہ ثقہ تھا۔ اور اس کی روایات صحیح ہیں۔ (تہذیب التہذیب ص ۲۲۶ ج ۷) اور سائل کا یہ کہنا کہ یہ شیعہ تھا۔ لہٰذا اس کی روایت ضعیف ہے اس کا جواب یہ ہے کہ عطیہ کی روایت اس کے شیعہ ہونے کی بنا پر ضعیف نہیں ہوگی کیونکہ کتب صحاح ستہ اور دیگر کتب حدیث میں شیعہ راوی بھی ہیں۔ چنانچہ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی لکھتے ہیں کہ بخاری اور مسلم کے رواۃ میں سے تیس سے زیادہ ایسے لوگ ہیں جنہیں اصطلاح قدماء پر بلفظ تشیع ذکر کیا گیا ہے۔ مثلاً ابان بن تغلب، اسماعیل بن ابان وراق، اسماعیل بن زکریا،

اسماعیل بن عبدالرحمان سدی، بکیر بن عبداللہ، جریر بن عبدالحمید، جعفر بن سلیمان محمد بن فضیل، یحییٰ بن الجزاز، فطر بن خلیفہ، حسن بن صالح، خالد بن مخلد، ربیع بن انس، زاذان کندی، سعید بن فیروز، سعید بن عمرو ہمدانی، عباد بن یعقوب رواجنی عباد بن عوام کلابی، عبداللہ بن مشکدانہ، عبداللہ بن عیسیٰ کوفی، عبدالملک بن اعین، عبیداللہ بن موسیٰ، عدی بن ثابت، علی بن جعد، علی بن ہاشم، فضل بن دکین ابونعیم فضیل بن مرزوق، مالک بن اسماعیل، محمد بن اسحاق صاحب مغازی، محمد بن جحادہ، ہشام بن سعد وغیرہم۔

نیز فرماتے ہیں کہ یہاں تک کہ تدریب میں حاکم سے نقل کیا۔ کتاب مسلم ملان من التشیعہ کہ امام مسلم کی کتاب صحیح مسلم تو شیعہ راویوں سے بھری پڑی ہے اور اعلیٰ حضرت یہ بھی لکھتے ہیں کہ شیعہ اور رافضی میں فرق ہے کہ سلف صالحین کی اصطلاح میں جو آدمی تمام خلفاء کرام رضی اللہ عنہم سے حسن عقیدت رکھتا ہو اور حضرت امیر المومنین مولیٰ علی کرم اللہ وجہہ الکریم کو ان میں افضل جانتا ہو شیعی کہا جاتا ہے بلکہ جو صرف امیر المومنین عثمان رضی اللہ عنہ پر تفضیل دیتا ہو اسے بھی شیعی کہتے ہیں حالانکہ یہ مسلک بعض علمائے اہل سنت کا تھا۔ اسی بنا پر متعدد ائمہ کوفہ کو شیعہ کہا گیا بلکہ کبھی محض غلبہ محبت اہل بیت کرام رضی اللہ عنہم کو شیعیت سے تعبیر کرتے حالانکہ یہ محض سنیت ہے۔ (فتاویٰ رضویہ صہ ۲۴۵ ج ۲)۔ اعلیٰ حضرت کی تحقیق سے ثابت ہوا کہ عطیہ العوفی کی یہ روایت کردہ حدیث صحیح ہے۔ نیز ابوسعید خدری کی حدیث کو امام احمد نے بھی ذکر کیا ہے۔ چنانچہ ابن حجر مکی لکھتے ہیں اخرج احمد عن ابی سعید الخدری انھا نزلت فی خمسۃٍ (الصواعق المحرقہ صہ ۱۴۱) یہ آیت پانچ کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ جب اس روایت کو امام احمد نے ذکر کیا ہے

توضیح ہے جیسے کہ متعدد مرتبہ گزر چکا ہے کہ امام احمد ثقہ راویوں سے حدیث ذکر کرتے ہیں۔ رہا عطیہ العوفی کا محمد بن سائب کلبی المتوفی ۱۴۶ھ کے پاس جانا تو اس کا جواب یہ ہے کہ خود کلبی کے روایات کتب سیر و تفاسیر میں موجود ہیں۔ اگر کلبی کی ان روایات کو قبول کیا جا سکتا ہے تو پھر عطیہ کا کلبی کے پاس جانا یا اس سے روایت کرنا بھی مورد اعتراض نہیں بن سکتا۔ دیکھیے اعلیٰ حضرت بریلوی لکھتے ہیں کہ کلبی کا نہایت شدید الضعیف ہونا کسے نہیں معلوم۔ اس کے بعد صریح کذاب وضاع ہی کا درجہ ہے۔ ائمہ شان نے اسے متروک بلکہ منسوب الی الکذب تک کیا کذبہ ابن حبان والجوزجانی وقال البخاری ترکہ یحیٰی وابن مہدی وقال الدارقطنی وجماعۃ متروک لاجرم حافظ نے تقریب میں فرمایا متہم بالکذب ورمی بالرفض بایں ہمہ علماء کتب سیر و تفاسیر اس کی اور اس کے امثال کی روایات سے مالا مال علمائے دین ان امور میں انہیں بلا نکیر نقل کرتے رہے ہیں۔ میزان میں ہے قال ابن عدی وقد حدث عن الکلبی سفین وشعبہ و جماعتہ ورضوہ بالتفسیر واما فی الحدیث فعندہ مناکیر امام ابن سید الناس سیرۃ عیون الاثر میں فرماتے ہیں غالب مایروی عن الکلبی انساب واخبار من احوال الناس وایام العرب وسیرھم وما یجری مجراہا ذالک سمع کثیر من الناس فی حملہ عمن لا یحمل عنہ الاحکام وممن حکی عنہ الترخیص فی ذالک الامام احمد جب کلبی کے تفسیری روایات وغیرہ معتبر سمجھے جاتے ہیں تو اگر عطیہ عوفی اس کے پاس جاتا رہا ہے یا اس سے اس نے روایت لی ہے تو اس میں کیا حرج ہے۔

سوال :-

آپ نے پہلے نکاح ام کلثوم کی روایت کے حوالہ سے لکھا ہے کہ جو راوی متہم بالکذب ہو اس کی روایت موضوع ہوتی ہے۔ بایں وجہ سفیان بن وکیع کی روایت موضوع ہے اور اب اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کے حوالہ سے لکھا ہے کہ کلبی بھی متہم بالکذب ہے اور کلبی کے متہم بالکذب ہونے کے باوجود اس کے تفسیری روایات کو معتبر سمجھا جاتا ہے تو پھر سفیان بن وکیع کی روایت کو بھی معتبر سمجھا چاہیے کہ نکاح ام کلثوم والی روایت بھی صحیح ہے اور یہ بھی صحیح ہے کہ حضرت عمر فاروق نے حضرت ام کلثوم بنت علی کے ساتھ نکاح کیا تھا۔

جواب :-

سائل کی یہ بات غلط ہے کیونکہ حضرت عمر فاروق نے حضرت ام کلثوم بنت علی سے نکاح نہیں کیا تھا کیونکہ اس نکاح کے متعلق جو بنیادی روایت ہے وہ سفیان بن وکیع کے متہم بالکذب ہونے کی وجہ سے موضوع ہے اور سائل کا اس کو کلبی کی روایات پر قیاس کرنا درست نہیں ہے کیونکہ سفیان بن وکیع کی روایت جیسے کہ موضوع بالروایت ہے۔ اسی طرح یہ موضوع بالدرایتہ بھی ہے جیسے کہ ہم نے حسب و نسب جلد اول میں ذکر کیا ہے۔ بخلاف کلبی کے وہ اگرچہ متہم بالکذب ہے لیکن پھر بھی بڑے بڑے مفسرین اور محدثین مثلاً سفیان، شعبہ وغیرہ نے اس کے تفسیری اقوال و روایات وغیرہ کو پسند کیا ہے۔ جب یہ علماء اس کے تفسیری روایات وغیرہ کو پسند کرتے ہیں تو ہم نے اسی بنا پر کہا ہے کہ ایسے شخص کے پاس جانے یا اس سے روایت لینے سے عطیہ (راوی) پر اعتراض نہیں کیا جا سکتا للہذا عطیہ نے

جو حدیث حضرت ام سلمہ سے روایت کی ہے وہ صحیح ہے۔ نیز اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی نے فرمایا ہے کلبی سے صرف تفسیری اقوال نقل کیے گئے ہیں اور احکام سے متعلقہ روایات تو کلبی سے منقول نہیں کیے جائیں گے اور جہاں تک ہمارے زیر بحث مسئلہ کا تعلق ہے وہ تو صرف فقہی حکم نہیں ہے بلکہ آخر میں اس کا تعلق عقیدہ سے ہے اور اپنے مترتبہ نتائج کے لحاظ سے نکاح ام کلثوم والی روایت کی آخر جاکر تان جہاں ٹوٹتی ہے اس کا حاصل بھی عقیدہ ہی ہے اس لیے سفیان بن وکیع کو کلبی پر قیاس نہیں کیا جائے گا اور نہ ہی یہ کہا جائے گا کہ اگر کلبی کی روایات متہم بالکذب ہونے کے باوجود تسلیم کی جاتی ہیں تو سفیان بن وکیع کی روایت کیوں تسلیم نہیں کی جاتی؟ کیونکہ زیر بحث مسئلہ اپنے مبادی اور نتائج کے لحاظ سے احکام اور عقائد سے متعلقہ ہے لہٰذا یہاں سفیان بن وکیع اور کلبی دونوں کے مروی روایات، جو ہمارے مسئلہ کو متاثر کریں گی، تسلیم نہیں کی جائیں گی۔ بخلاف عطیہ کے اس کو کسی نے بھی متہم بالکذب نہیں کہا بلکہ ابن سعد نے ثقہ کہا ہے اور یحییٰ بن معین نے صالح کہا ہے اور یہ نہایت متدین، متشرع اور سچا تھا اسی لیے اس نے کوڑے تو کھالیے لیکن جھوٹ بول کر اپنی جان نہیں بچائی۔ نیز اس روایت کو احمد بن حنبل نے بھی بیان کیا ہے، جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے۔ لہٰذا یہ روایت صحیح ہے۔

سوال:۔

اگر عطیہ صحیح اور ثقہ راوی ہے تو اس روایت میں ایک دوسرا راوی مندل جو ہے وہ تو ضعیف ہے جس کو امام بخاری نے ضعیف کہا ہے اور عجلی نے اس کو شیعہ کہا ہے اور ابن معین نے اس کو کہا ہے لیس بذالک القوی

کہ یہ قوی نہیں ہے لہٰذا حدیث ابو سعید خدری اس وجہ سے ضعیف ہے۔

جواب:۔

حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں کہ مندل کا نام عمرو ہے مندل اس کا لقب ہے اس کے باپ کا نام علی اس کی کنیت ابو عبد اللہ ہے۔ حافظ ابن حجر نے اس پر جرح اور تعدیل کا ذکر کیا ہے: یحییٰ بن معین نے کہا ہے کہ اس سے حدیث لکھنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ عثمان دارمی نے بھی کہا کہ اس سے حدیث لکھنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ معاذ بن معاذ کہتے ہیں کہ کوفہ میں اس سے کوئی زیادہ پرہیز گار نہیں تھا۔ یعقوب بن شیبہ کہتے ہیں کہ وہ فاضل اور صدوق تھا۔ ابن ابی حاتم کہتے ہیں کہ میں نے باپ سے سنا کہ وہ کہہ رہے تھے کہ میں نے یحییٰ بن معین سے مندل اور حبان کے متعلق پوچھا تو کہا ان سے حدیث بیان کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ ابن عدی نے کہا وھو ممن یکتب حدیثہ کہ یہ ان لوگوں سے ہے جن کی حدیث لکھی جاتی ہے۔ ابن سعد نے کہا کہ اپنے بھائی حبان سے زیادہ ثقہ ہے (تہذیب التہذیب صہ ۲۹۸ ج ۱۰) مندل کو مذکورہ بالا محدثین ثقہ کہہ رہے ہیں اور اس سے امام احمد بن حنبل بھی روایت لیتے ہیں تو اس کی تعدیل راجح ہے۔ کیونکہ ہم متعدد مرتبہ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کے حوالہ سے ذکر کر چکے ہیں کہ امام احمد بن حنبل جب تک راوی ثقہ (معتمد علیہ) نہ ہو اس سے روایت نہیں لیتے جب اس سے امام احمد بن حنبل روایت لے رہے ہیں جیسا کہ ابن حجر مکی کے حوالہ سے گزر چکا ہے تو پھر ظاہر ہے کہ مندل ثقہ ہے اور یہ کہنا کہ مندل شیعہ تھا اس کا جواب عطیہ کی بحث میں گزر چکا ہے کہ یہ لوگ جب فضائل اہل بیت میں حدیثیں ذکر کرتے تو ان کو شیعہ کہا جاتا ہے۔ ایسے لوگوں کی روایات معتبر ہیں۔ اور سائل کا

یحیی بن معین کے حوالہ سے یہ کہنا کہ مندل قوی نہیں ہے تو اس کے متعلق اعلیٰحضرت فاضل بریلوی لکھتے ہیں کہ جن راویوں کے متعلق کہا گیا ہے کہ وہ قوی نہیں ہیں ایسے راوی تو صحیحین میں صدہا ہیں (فتاویٰ رضویہ صہ ۲۵۲ ج ۲) جب ایسے راوی آنے سے بخاری اور مسلم کی احادیث ضعیف نہیں ہوتیں تو مندل کے آنے سے حدیث ابو سعید خدری بھی ضعیف نہ ہو گی۔

عبدالقادر قرشی المتوفی ۷۷۵ھ لکھتے ہیں کہ مندل، حبان بن علی کے بھائی ہیں اور یہ امام ابو حنیفہ کے شاگرد ہیں۔ (الجواہر المضیۃ صہ ۳۲ ج ۲)۔ مندل، امام اعمش کے بھی شاگرد ہیں اور امام اعمش کے متعلق حافظ ذہبی لکھتے ہیں کہ اعمش شیخ الاسلام اور حافظ و ثقہ تھے۔ عیسیٰ بن یونس کہتے ہیں کہ اعمش کی مثل ہم نے کوئی نہیں دیکھا۔ سفیان بن عیینہ فرماتے ہیں کہ اعمش کتاب اللہ کے بڑے قاری اور احادیث نبویہ کے بہت بڑے حافظ اور علم فرائض کے ماہر تھے۔ ابن مدینی کا بیان ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں علم چھ شخصوں نے محفوظ رکھا ہے۔ مکہ میں عمرو بن دینار نے مدینہ منورہ میں امام زہری اور ابو اسحاق ربیعی نے اور کوفہ میں اعمش نے اور بصرہ میں قتادہ اور یحییٰ بن کثیر نے۔ عمرو بن علی کہتے ہیں کہ صدق مقال کی وجہ سے حضرت اعمش کو قرآن کہا جاتا تھا۔ حافظ ابن حجر لکھتے ہیں کہ اعمش تو علوم قرآنیہ کے سردار تھے۔ ابن عمار فرماتے ہیں کہ محدثین میں اعمش سے زیادہ کوئی ثقہ نہیں ہے۔ عجلی کہتے ہیں اعمش ثقہ اور حدیث میں مضبوط تھے۔ یحییٰ بن معین کہتے ہیں کہ جریر اعمش سے روایت کرتے تھے۔ اس کے بعد فرمایا کرتے تھے کہ یہ شاہی خلعت ہے۔ شعبہ فرماتے ہیں کہ مجھے حدیث میں اتنی کسی نے شفا نہیں دی جس قدر اعمش نے شفا دی ہے۔ ابوبکر بن عیاش فرماتے ہیں کہ اعمش سید المحدثین ہیں۔ حضرت اعمش نہایت

متقی اور پرہیز گار تھے۔ اعمش نے تقریباً ستر سال تک تکبیر تحریمہ فوت نہیں ہونے دی۔ آپ کا نام سلیمان ہے۔ کنیت ابو محمد ہے۔ والد کا نام مہران ہے آپ کی وفات ۱۴۸ھ ہے (تذکرۃ الحفاظ ص ۱۴۶، تہذیب التہذیب ص ۲۲۳ ج ۴، طبقات ابن سعد ص ۲۳۹ ج ۶)۔

جب مندل بن علی المتوفی ۱۶۷ھ حضرت اعمش اور امام ابو حنیفہ کے شاگرد ہیں تو ظاہر ہے کہ عظیم اساتذہ کے شاگرد بھی عظیم ہوا کرتے ہیں۔ لہٰذا ابو سعید خدری کی حدیث میں مندل کا آنا اس حدیث کے ضعف کا سبب نہیں بلکہ اس کی صحت پر روشن دلیل ہے۔ بہر صورت حدیث ابو سعید خدری صحیح ہے اور اس میں شک نہیں ہے کہ اہل بیت میں ازواج مطہرات بھی شامل ہیں لیکن آیت تطہیر کو سیاق و سباق سے کاٹ کر لانا پھر حضور کا حضرت علی، فاطمۃ الزہراء، حسن اور حسین کو اپنی عبا میں داخل کر کے آیت تطہیر کا تلاوت فرمانا نیز اللھم ھؤلاء اھل بیتی فرمانا یہ تمام قرائن اور شواہد اس پر واضح دلالت کرتے ہیں کہ آیت تطہیر حضرت علی، فاطمۃ الزہراء، حسن اور حسین کی شان میں نازل ہوئی ہے۔

سوال:۔

آیت تطہیر میں اہل بیت سے مراد عام ہے۔ خواہ اہل بیت نسب ہوں یا اہل بیت سکونت، دراصل آیت اہل بیت سکونت کے حق میں نازل ہوئی ہے کیونکہ یہاں مخاطب یہی ہیں البتہ اہل بیت نسب کا مراد ہونا مخفی تھا اس لیے حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے اللھم ھؤلاء اھل بیتی فرما کر واضح کر دیا کہ مراد یہاں اہل بیت عام ہے جو اہل بیت سکونت اور اہل بیت نسب دونوں کو شامل ہے۔

جواب :-

ہم بھی کہتے ہیں کہ اہل بیت سے مراد عام ہے خواہ اہل بیت نسب ہوں یا اہل بیت سکونت۔ یعنی اہل بیت میں ازواجِ مطہرات اور حضرت علی، فاطمۃ الزہراء، حسن اور حسین شامل ہیں۔ لیکن آیت تطہیر کو جبکہ سیاق و سباق سے کاٹ کر ذکر کیا گیا ہے تو یہاں احادیثِ صحیحہ کی روشنی میں آیت تطہیر میں آلِ عبا مراد ہیں کیونکہ اس آیت سے پہلے اور بعد میں جہاں ازواجِ مطہرات کا ذکر ہوا ہے وہاں ازواجِ مطہرات کے لیے لفظ اہل بیت استعمال نہیں کیا گیا بلکہ یا نساءُ النبی کا عنوان استعمال کیا گیا ہے نیز حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت عائشہ صدیقہ اور حضرت ام سلمہ کو فرمانا کہ تم خیر پر ہو اور حضرت ام سلمہ کو آلِ عبا کے ساتھ شامل کر کے چادر نہ ڈالنا اور چھ ماہ تک حضرت فاطمۃ الزہراء کے دروازہ سے گزرتے ہوئے آیت تطہیر کا پڑھنا اس پر واضح دلالت ہے کہ یہ آیت حضرات خمسہ کی شان میں نازل ہوئی ہے۔ چنانچہ علامہ یوسف نبہانی لکھتے ہیں فذھبت طائفۃ منھم ابو سعید الخدری وجماعۃ من التابعین منھم مجاھد وقتادہ وغیرھم کما نقلہ الامام البغوی وابن الخازن وکثیر من المفسرین الی انھم خصنا اھل العباء وھو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وعلی وفاطمۃ والحسن والحسین رضی اللہ عنھم (الشرف المؤبد ص۶) یعنی امام بغوی، خازن اور بہت سے دوسرے مفسرین کے مطابق ایک جماعت جن میں حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ اور تابعین میں سے حضرت مجاہد و قتادہ رضی اللہ عنہما وغیرہم ہیں اس طرف گئی ہے کہ اہلِ بیت سے مراد (اس آیت تطہیر میں) اہل عبا (چادر والے) ہیں یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت علی، حضرت فاطمہ

حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہم۔

سوال :۔

آپ کہتے ہیں کہ اکثر مفسرین نے کہا ہے کہ آیت تطہیر آلِ عباء کے بارے میں نازل ہوئی ہے حالانکہ حضرت عکرمہ اور مقاتل سے روایت ہے کہ یہ صرف اور صرف ازواجِ مطہرات کے بارے میں اتری ہے۔

جواب :۔

ہم تو یہی کہتے ہیں کہ اہلِ بیت میں ازواجِ مطہرات بھی شامل ہیں اور آلِ عباء بھی لیکن آیتِ تطہیر کو سیاق و سباق سے کاٹ دیا گیا ہے لہٰذا ہم نے کہا کہ یہ آیت تطہیر یہاں بطور جملہ معترضہ وارد ہوئی اور اس سے مراد آلِ عباء ہیں اور علامہ یوسف نبہانی کے قول کے مطابق زیادہ تر مفسرین کا مسلک یہی ہے اسی لیے ابن جریر نے اپنی تفسیر میں مختلف پندرہ روایتوں سے بیان کیا ہے کہ آیت تطہیر میں اہلِ بیت سے مراد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت علی، حضرت فاطمہ، حسن اور حسین ہیں۔ آخر میں ایک روایت (حضرت عکرمہ) سے ذکر کی ہے کہ ازواج مطہرات مراد ہیں اسی طرح علامہ سیوطی نے درمنثور میں بیس روایتیں ذکر کی ہیں کہ آیت تطہیر آلِ عباء کے بارے میں اتری ہے۔

اور تین روایتیں ایسی ذکر کی ہیں جن سے مراد ازواجِ مطہرات ہیں (الشرف المؤبد صہ۹)۔ اسی طرح ابن کثیر نے اٹھارہ روایات بیان کی ہیں جن میں سے سولہ روایات آلِ عباء کے متعلق ہیں اور صرف دو روایتیں (جو عکرمہ سے منقول ہیں) وہ ازواجِ مطہرات کے بارے میں ہیں (تفسیر ابن کثیر صہ ۴۸۳ تا صہ ۴۸۵)

جب کثیر مفسرین کا مسلک یہی ہے کہ آیت تطہیر میں آلِ عباء مراد ہیں اسی وجہ سے مفسرین آیت تطہیر کی تفسیر بیان کرتے ہوئے زیادہ تر روایات آلِ عباء

کے متعلق ہی لائے ہیں اور ازواجِ مطہرات کے لیے کم روایات ذکر کی ہیں جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ عکرمہ سے منقولہ روایات مضبوط نہیں ہیں نیز اصحاب جرح وتعدیل سے حافظ ابن حجر، حافظ ذہبی، علامہ عبدالکریم شہرستانی وغیرہ نے خود عکرمہ اور مقاتل پر شدید جرح ذکر کی ہے۔ اور ابن کثیر نے بھی عکرمہ کی روایت ذکر کر کے اس کو محل اعتراض ٹھہرایا ہے۔ لہذا عکرمہ کی مذکورہ روایت مجروح ہونے کی وجہ سے احادیث صحیحہ سے متعارض ہونے کی بھی متحمل نہیں ہوسکتی اس لیے درست صورت یہ ہے کہ کہا جائے کہ آیتِ تطہیر حضرات خمسہ کے بارے میں وارد ہوئی ہے اور اس کو سیاق وسباق سے بھی کاٹ دیا گیا ہے تاکہ اس بات کی طرف بھی اشارہ ہو کہ عام لوگوں کی طرح نہ تو حضور کی اولاد اور اہل بیت ہے اور نہ عام لوگوں کی طرح حضور کا نسب ہے بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اہل بیت میں حضور کے داماد حضرت علی اور حضور کے نواسے حسن اور حسین اور حضرت فاطمۃ الزہراء شامل ہیں اور حضور کا نسب حضرت علی کی اولاد سے جاری ہے جو حضرت فاطمۃ الزہراء سے ہے۔ اسی وجہ سے حسن اور حسین کو ابوطالب کی اولاد نہیں کہا جاتا بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد کہا جاتا ہے۔ یہی وجہ تھی کہ آیت تطہیر سے پہلے بھی ازواج مطہرات کا ذکر کیا ہے اور بعد میں بھی ذکر کیا ہے اور اس آیت کو سیاق وسباق سے کاٹ کر وضاحت کر دی ہے کہ حضور کا نسب بیویوں کی اولاد سے نہیں ہے بلکہ وہ تو حضرت علی کی اولاد سے ہے جو فاطمۃ الزہراء سے ہے۔

انتباہ:۔

ہم نے اپنی کتاب حسب ونسب میں انتہائی کوشش کی ہے کہ اہل بیت اطہار کے فضائل ومناقب میں جتنے روایات مذکور ہوں وہ تمام صحیح ہوں۔

البتہ اگر کوئی شخص اپنے ذہن میں یہ خلش محسوس کرتا ہے کہ فلاں روایت میں تو ضعف ہے تو اس کو یہ بات پیش نظر رکھنی چاہیے کہ پہلے تو تعدد طرق کی وجہ سے ضعیف روایات صحیح ہو جاتی ہیں اور دوسرے یہ کہ مناقب میں ضعیف روایات بھی معتبر ہوتے ہیں۔ دیکھیے اعلیٰ حضرت بریلوی لکھتے ہیں کہ فضائل اور مناقب کے باب میں ضعیف احادیث بھی معتبر ہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں کہ تیسرا مرتبہ فضائل ومناقب کا ہے۔ یہاں باتفاق علماء ضعیف حدیث بھی کافی۔ نیز فرماتے ہیں امام احمد وامام عبدالرحمان بن مہدی وامام عبداللہ بن مبارک وغیرہم آئمہ سے اس کی تصریح منقول وہ فرماتے جب ہم حلال وحرام میں حدیث روایت کریں تو سختی کرتے ہیں اور جب فضائل میں روایت کریں تو نرمی (فتاویٰ رضویہ صد ۲۵۱، صد ۲۵۳ ج ۲) اس سے ظاہر ہے کہ مناقب میں حدیث ضعیف بھی معتبر ہے اور بعض دفعہ یوں ہوتا ہے کہ ایک محدث ایک راوی کے متعلق کہتا ہے کہ فلاں راوی قوی نہیں یا فلاں ضعیف ہے تو اس کا یہ مطلب نہیں ہوتا کہ حدیث بھی فی الواقع ضعیف ہے بلکہ اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اس کی فلاں سند ضعیف ہے۔ چنانچہ اعلیٰ حضرت لکھتے ہیں کہ یہ تو صرف کسی خاص سند کی نسبت ہوگا (فتاویٰ رضویہ صد ۴۴۸)۔ یعنی کسی حدیث کے متعلق یہ کہنا کہ یہ ضعیف ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ حدیث فلاں سند کی نسبت ضعیف ہے اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ یہ حدیث فی نفسہٖ بھی ضعیف ہے۔ ہو سکتا ہے۔ واقع میں یہ حدیث دوسری سند کے لحاظ سے صحیح ہو۔ اور بعض دفعہ یوں بھی ہوتا ہے کہ کسی نے ایک راوی پر معمولی سی جرح دیکھی تو کہا کہ یہ راوی ضعیف ہے۔ اس کی حدیث ضعیف ہے حالانکہ اس کو دیگر بڑے بڑے محدثین ثقہ کہہ رہے ہوتے ہیں تو دیکھنے والا

اس کی توثیق کا لحاظ نہیں کرتا بلکہ کہہ دیتا ہے کہ یہ حدیث ضعیف ہے حالانکہ وہ ثقہ ہوتا ہے اور اس کی حدیث بھی صحیح ہوتی ہے۔

مثال کے طور پر واقدی کو لیجیے جس کے متعلق اصحابِ فن نے شدید جرح کی ہے لیکن اس کے باوجود ہمارے نزدیک وہ ثقہ ہے۔ چنانچہ اعلیٰ حضرت لکھتے ہیں "تا ثنا امام واقدی[1] کو جمہور اہلِ اثر نے چنیں و چناں کہہ کر جس کی تفصیل میزان وغیرہ کتبِ فن میں مسطور لاجرم تقریب میں کہا متروک مع سعة علمه اگرچہ ہمارے نزدیک توثیق ہی راجح کما افادہ الامام المحقق فی فتح القدیر (فتاویٰ رضویہ ص۲۷۴ ج ۲) اب واقدی پر جرح شدید ہونے کے باوجود بھی اس کی توثیق معتبر سمجھی گئی ہے جس کا واضح مطلب یہ ہے کہ اگر توثیق بیان کرنے والے مضبوط قسم کے لوگ ہوں تو توثیق ہی راجح ہوگی۔ جرح کا اعتبار نہیں ہوگا۔ بہر صورت آیت تطہیر اور اس کے متعلقہ احادیث صحیحہ سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد کو وہ عظمتیں اور رفعتیں عطا فرمائی ہیں جن میں ان کا کوئی شریک و سہیم نہیں ہے۔ ان کی محبت فرض ہے اور ان کی بے ادبی اور توہین سبب کفر ہے۔ چنانچہ ابن تیمیہ لکھتے ہیں۔ قلت محبتهم عندنا فرض واجب یؤجر علیه فانه قد ثبت عندنا فی صحیح مسلم عن زید بن ارقم قال

---

[1] سید انور شاہ کشمیری المتوفی ۱۳۵۲ھ واقدی کے متعلق لکھتے ہیں کہ اس کے ساتھ امام طحاوی نے استدلال کیا ہے اور ابن سید الناس المتوفی ۷۳۴ھ نے اس کو قوی کہا ہے (العرف الشذی شرح ترمذی ابواب الطهارة، فیض الباری جلد ۳ ص۲۶ کتاب المغازی)
مفتی غلام رسول (لندن)

خطبنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بغدیر یدعی خما بین مکۃ والمدینہ فقال ایھا الناس ان تارک فیکم الثقلین کتاب اللہ فذکر کتاب اللہ وحث علیہ ثم قال وعترتی اھل بیتی اذکرکم اللہ فی اھل بیتی (سوال فی یزید بن معاویہ صہ۳) میں کہتا ہوں کہ ہمارے نزدیک ان کی محبت فرض اور واجب ہے۔ اس پر ثواب دیا جائے گا اسی لیے ہمارے نزدیک صحیح حدیث سے ثابت ہے جس کو امام مسلم نے روایت کیا ہے کہ زید بن ارقم نے کہا کہ ہم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غدیر خم کے مقام پر خطبہ دیا جو مکہ اور مدینہ کے درمیان واقع ہے۔ پس فرمایا اے لوگو میں تم میں دو گراں قدر چیزیں چھوڑے جا رہا ہوں ان میں ایک کتاب اللہ ہے چنانچہ آپ نے کتاب اللہ کا ذکر کیا اور اس کے بارے میں رغبت دلائی اور پھر فرمایا میری عترت میری اہلِ بیت ہے اور میں اپنے اہلِ بیت کے بارے میں تمہیں خدا کی یاد دلاتا ہوں اور میں ان کے بارے میں تمہیں خدا کی یاد دلاتا ہوں۔

اس روایت سے ظاہر ہے کہ یہ خطبہ جس میں دو گراں قدر چیزوں قرآن پاک اور اہلِ بیت کے بارے میں وصیت کی ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع سے فارغ ہو کر تمام صحابہ کے سامنے فرمایا تھا۔ چنانچہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ۱۰ھ ذوالقعدہ میں حج کے لیے روانگی کا اعلان فرمایا تو یہ خبر تمام عرب میں پھیل گئی اور لوگ بھی حج کے لیے تیار ہو گئے۔ یہ آپ کا ہجرت کے بعد پہلا اور آخری حج تھا۔ اسی لیے اس کو حجۃ الوداع کہا جاتا ہے۔ اس حج میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی تمام ازواجِ مطہرات کو بھی ساتھ چلنے کا حکم دیا۔ آپ آخر ذوقعدہ بروز جمعرات کو مدینہ منورہ

سے روانہ ہوئے اور مدینہ منورہ سے چھ میل دور اہلِ مدینہ کی میقات ذوالحلیفہ پر پہنچ کر رات بھر قیام فرمایا پھر احرام کے لیے غسل فرمایا اور حضرت ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے اپنے ہاتھ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جسدِ اطہر پر خوشبو لگائی۔ پھر آپ نے دو رکعت نماز ادا فرمائی اور اپنی اونٹنی قصواء پر سوار ہو کر احرام باندھا اور بلند آواز سے لبیک پڑھا اور روانہ ہوئے حضرت جابر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے میں نے نظر اٹھا کر دیکھا تو آگے پیچھے دائیں بائیں حد نگاہ تک آدمیوں کا جنگل نظر آتا تھا۔ ایک روایت میں ہے کہ ایک لاکھ چوبیس ہزار مسلمان حجۃ الوداع میں آپ کے ساتھ تھے۔ چوتھی ذوالحجہ کو آپ مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے۔ آپ کے خاندان بنو ہاشم کے لڑکوں نے تشریف آوری کی خبر سنی تو خوشی سے دوڑ پڑے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نہایت ہی محبت و پیار کے ساتھ کسی کو آگے اور کسی کو پیچھے اونٹنی پر بٹھا لیا۔ فجر کی نماز آپ نے مقام ذی طویٰ میں ادا فرمائی اور غسل فرمایا پھر آپ مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے۔ جب آفتاب بلند ہوا تو آپ مسجدِ حرام میں داخل ہوئے اور پھر حجرِ اسود کے سامنے تشریف لے گئے اور حجرِ اسود پر ہاتھ رکھ کر اس کو بوسہ دیا۔ پھر خانہ کعبہ کا طواف شروع کیا۔ شروع کے تین پھیروں میں آپ نے رمل کیا اور باقی چار چکروں میں معمولی چال سے چلے۔ ہر چکر میں جب حجرِ اسود کے سامنے پہنچتے تو اپنی چھڑی سے حجرِ اسود کی طرف اشارہ کر کے چھڑی کو چوم لیتے تھے۔ حجرِ اسود کا استلام کبھی آپ نے چھڑی کے ذریعے سے کیا کبھی ہاتھ سے چھو کر ہاتھ کو چوم لیا کبھی لب مبارک کو حجرِ اسود پر رکھ کر بوسہ دیا۔ اور یہ بھی ثابت ہے کہ کبھی رکنِ یمانی کا استلام بھی آپ نے کیا۔ جب طواف سے فارغ ہوئے تو مقامِ ابراہیم کے پاس تشریف لائے

اور وہاں دو رکعت نماز ادا کی۔ نماز سے فارغ ہو کر پھر حجر اسود کا استلام فرمایا اور سامنے کے دروازے سے صفا کی جانب روانہ ہوئے۔ پھر صفا اور مروہ کی سعی کی اور چونکہ آپ کے ساتھ قربانی کے جانور تھے اسی لیے عمرہ ادا کرنے کے بعد آپ نے احرام نہیں اتارا۔ آٹھویں ذی الحجہ جمعرات کے دن آپ منیٰ تشریف لے گئے اور پانچ نمازیں ظہر، عصر، مغرب، عشار، فجر منیٰ میں ادا فرما کر نویں ذی الحجہ جمعہ کے دن آپ عرفات میں تشریف لے گئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عرفات پہنچ کر ایک کمبل کے خیمہ میں آرام فرمایا اور سورج ڈھلنے کے بعد خطبہ دیا جس میں احکامِ اسلام اور زمانہ جاہلیت کی تمام بیہودہ رسموں کو مٹانے کا اعلان فرمایا۔ عین اسی حالت میں جبکہ خطبہ دے رہے تھے یہ آیت نازل ہوئی الیوم اکملت لکم دینکم و اتممت علیکم نعمتی و رضیت لکم الاسلام دینا۔ آج میں نے تمہارے لیے تمہارے دین کو مکمل کر دیا اور اپنی نعمت تمام کر دی اور تمہارے لیے دین اسلام کو پسند کر لیا خطبہ کے بعد آپ نے ظہر و عصر ایک اذان اور دو اقامتوں سے ادا فرمائی پھر موقف میں تشریف لے گئے اور جبل الرحمت کے پیچھے غروب آفتاب تک دعاؤں میں مصروف رہے۔ غروب آفتاب کے بعد عرفات سے مزدلفہ پہنچے یہاں مغرب و عشار ایک اذان اور ایک اقامت سے ادا فرمائی اور مشعر حرام کے پاس رات بھر امت کے لیے دعائیں مانگتے رہے اور سورج نکلنے سے پہلے مزدلفہ سے منیٰ کے لیے روانہ ہوئے اور وادی محسر کے راستے سے منیٰ میں آپ جمرہ کے پاس تشریف لائے اور کنکریاں ماریں اور منیٰ میں بھی آپ نے خطبہ دیا جس میں بہت سے مسائل و احکام بیان فرمائے۔ پھر قربان گاہ میں تشریف لے گئے آپ کے ساتھ قربانی کے سو اونٹ تھے

کچھ کو تو اپنے ہاتھ مبارک سے ذبح فرمایا اور باقی حضرت علی رضی اللہ عنہ کے سپرد کر دیے اور گوشت پوست جھول نکیل سب کو خیرات کر دینے کا حکم دے دیا اور فرمایا کہ قصاب کی مزدوری بھی اس میں سے نہ دی جائے بلکہ الگ سے دی جائے۔ قربانی کے بعد حضرت معمر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے اپنے سر کے بال مبارک اتروائے اور کچھ حصہ حضرت ابو طلحہ انصاری رضی اللہ عنہ کو عطا فرمایا اور باقی موئے مبارک کو سب مسلمانوں میں تقسیم کر دینے کا حکم صادر کیا۔ اس کے بعد آپ مکہ مکرمہ تشریف لائے اور طوافِ زیارت فرمایا پھر زمزم پر تشریف لائے اور حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے زمزم پیش کیا اور آپ نے قبلہ رُخ کھڑے زمزم نوش فرمایا پھر منیٰ واپس تشریف لے گئے اور بارہ ۱۲ ذی الحجہ تک منیٰ میں مقیم رہے۔ اور ہر روز سورج ڈھلنے کے بعد جمروں کو کنکریاں مارتے رہے۔ تیرہ ۱۳ ذی الحجہ منگل کے دن آپ سورج ڈھلنے کے بعد منیٰ سے روانہ ہو کر محصب میں رات بھر قیام کیا اور صبح کو نماز فجر کعبہ کی مسجد میں ادا فرمائی اور طواف الوداع کر کے انصار و مہاجرین کے ساتھ مدینہ منورہ کے لیے روانہ ہو گئے۔ راستہ میں مقام "غدیر خم" پر جو ایک تالاب ہے، ہمراہیوں کو جمع فرما کر ایک خطبہ ارشاد فرمایا جس میں فرمایا، میں تمہارے درمیان دو بھاری چیزیں چھوڑ رہا ہوں ایک خدا کی کتاب جس میں ہدایت اور روشنی ہے اور دوسری چیز میرے اہل بیت ہیں۔ میں اہل بیت کے بارے میں تمہیں خدا کی یاد دلاتا ہوں۔ اس خطبہ میں آپ نے یہ بھی ارشاد فرمایا من کنت مولاہ فعلی مولاہ اللھم وال من والاہ وعاد من عاداہ (مدارج النبوۃ صـ۳۸۷ ج ۲، مشکوۃ صـ۵۶۵)

ترجمہ۔ جس کا میں مولا ہوں علی بھی اس کے مولیٰ ہیں۔ خداوندا! جو علی سے محبت

رکھے تو بھی اس سے محبت رکھ اور جو علی سے عداوت رکھے تو بھی اس سے عداوت رکھ۔ قدیر خم کے موقعہ پر اہل بیت خصوصاً حضرت علی کے فضائل و مناقب بیان کرنے کی ضرورت اس لیے محسوس فرمائی کہ حضرت بریدۃ بن الحصیب نے حضرت علی کے متعلق ایک شکایت کی جس کا ازالہ کرتے ہوئے فرمایا من کنت مولاہ فعلی مولاہ چنانچہ ابن کثیر حضرت ابن عباس سے روایت کرتے ہیں کہ ابن عباس نے کہا کہ مجھ سے بریدۃ نے بیان کیا کہ میں حضرت علی کے ساتھ یمن کے علاقہ میں غزوہ کے لیے گیا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنے اختیار سے ایسا کام کر ڈالا جس کو میں نے اپنے خیال میں اچھا نہ سمجھا میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں اس امر کی شکایت کر دی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یا بریدۃ الست اولیٰ بالمومنین من انفسھم کیا میں مومنوں کا ان کی جانوں سے بھی زیادہ مالک نہیں ہوں؟ میں نے کہا ہاں یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو حضور نے فرمایا من کنت مولاہ فعلی مولاہ (البدایہ والنہایہ صہ ۳۴۴ ج ۷) یعنی جس کا میں مولا ہوں پس علی بھی اس کے مولی ہیں۔

اس حدیث کی تشریح میں حضرت پیر سید مہر علی شاہ صاحب گولڑوی فرماتے ہیں کہ اس کا آخری جملہ لفظ مولی کے معنی پر دلالت کرتا ہے کہ لفظ مولی مشترک ہے اور کئی معنی رکھتا ہے، مشترک کے مختلف معانی کے تعین کے لیے قرینہ کا لحاظ ضروری ہے اس لیے اللھم وال من والاہ وعاد من عاداہ کے قرینہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ مولی کے معنی خلاف معادی (عدو) کے ہیں یعنی محبوب پس معلوم ہوا کہ مولائے علی محبوب کل ہیں جیسا کہ مسلم کی حدیث میں ہے لا یحبہ الا مومن ولا یبغضہ الا منافق

حضرت علی سے محبت نہیں رکھے گا مگر مؤمن اور بغض نہیں رکھے گا مگر منافق راس سے بھی ظاہر ہے کہ حضرت علی کے ساتھ محبت رکھنا ایمان کی نشانی ہے۔ خم غدیر کے موقعہ پر ہی حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے حضرت علی کو فرمایا تھا کہ علی تم کو مبارک ہو تم پر صبح و شام میں سے کوئی وقت نہیں گزرتا مگر مؤمن کے دل[1] میں تمہاری محبت ہوتی ہے۔ بلکہ علی تو اللہ اور اس کے رسول کے محبوب ہیں تو پھر ظاہر ہے کہ ہر مومن کے لیے بھی ضروری ہے کہ وہ حضرت علی کے ساتھ محبت رکھے۔ چنانچہ حدیث میں ہے کہ مسلمان کئی روز سے قلعۂ خیبر پر حملہ کر رہے تھے لیکن وہ فتح نہیں ہو رہا تھا۔ آخر ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کل میں جھنڈا اس کے ہاتھ میں دوں گا جس کے ہاتھ پر اللہ تعالیٰ خیبر کو فتح کرے گا۔ وہ ایسا شخص ہوگا کہ اللہ اور رسول سے محبت کرتا ہوگا اور اللہ اور اس کے رسول کو اس سے محبت ہوگی۔ دوسرے دن تمام صحابہ اس کے منتظر تھے کہ حضور کس کو جھنڈا عطا فرماتے ہیں اچانک حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا علی کہاں ہیں؟ صحابہ نے عرض کیا حضرت علی بیمار ہیں فرمایا بلاؤ حضرت علی آئے پوچھا کیا تکلیف ہے؟ عرض کیا آنکھیں دکھتی ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا لعاب دہن مبارک حضرت علی کی آنکھوں میں ڈالا حضرت علی فرماتے ہیں کہ لعابِ دہن پڑنے کی دیر تھی ساری تکلیف جاتی رہی اور پھر کبھی آنکھوں میں یہ تکلیف نہیں ہوئی۔ اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی کو جھنڈا عطا کیا اور فرمایا پہلے ان کو اسلام کی

---

[1] بحوالہ البدایہ والنہایہ صفحہ ۱۵ جلد ۷، ۱۲۰

مفتی غلام رسول (لندن)

دعوت دینا اگر وہ دعوت قبول نہ کریں پھر جنگ کرنا قلعہ خیبر کا دروازہ جسے چالیس آدمی مل کر بھی نہ اٹھا سکتے تھے حضرت علی نے ایک ضرب سے اسے جڑے اکھاڑ پھینکا مفسرین لکھتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اللہ تعالے کی طاقت کے مظہر تھے لہٰذا آپ نے وہ اتنا بھاری دروازہ اکھیڑ کر پھینک دیا بہرصورت آپ کا یہ فرمان کہ میں تم میں دو بھاری چیزیں چھوڑے جا رہا ہوں۔ اس پر واضح ثبوت ہے کہ اہل بیت کی عزت و تکریم فرض ہے ان سے عداوت یا کسی قسم کا بغض و عناد رکھنا یا ان کی بے ادبی اور گستاخی کرنا سبب کفر ہے یہ ہر لحاظ سے دوسرے لوگوں سے ممتاز و جدا ہیں۔ ان کے نسب میں بھی نہ ان کا کوئی ہمسر ہے اور نہ ہی ہم کفو ہے اور ان کا ہم کفو وہی ہو سکتا ہے جو ان سے ہو ان کا غیر ان کا ہم کفو کبھی نہیں ہو سکتا۔ جب ان کا غیر ان کا ہم کفو نہ ہوا تو فقہاء فرماتے ہیں کہ غیر کفو میں نکاح نہیں ہو سکتا لہٰذا ہم نے کہا کہ اگر سیّد زادی غیر سیّد کے ساتھ نکاح کرے گی تو بوجہ غیر کفو ہونے کے نکاح منعقد نہیں ہوگا اس لیے کہ اس میں سیّد زادی کی توہین ہے وہ یہ کہ غیر سیّد کی منکوحہ ہونے کی وجہ سے یہ سیّد زادی اس کی کنیز اور مملوکہ ہو جائے گی۔ چنانچہ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی لکھتے ہیں:۔ النکاح رق للمرأۃ والزوج مالک کہ نکاح سے عورت کنیز ہو جاتی ہے اور شوہر مالک اور قرآن پاک میں ہے الرجال قوامون علی النساء کہ مرد حاکم ہیں عورتوں پر اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اعظم الناس حقا علی المرأۃ زوجھا، عورت پر سب سے بڑھ کر حق اس کے شوہر کا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں اگر میں کسی کو حکم کرتا کہ غیر خدا کو سجدہ کرے تو البتہ عورتوں کو حکم کرتا کہ اپنے شوہروں کو سجدہ کریں۔

بسبب اس حق کے کہ اللہ عزوجل نے ان کے لیے ان پر رکھا ہے اور اگر شوہر کی ایڑی سے مانگ تک سارا جسم پھوڑا ہو جس سے پیپ اور گندا پانی جوش مارتا ہو عورت اگر اپنی زبان سے اسے چاٹ کر صاف کرے تو خاوند کا حق ادا نہ کیا (فتاویٰ رضویہ ص۱۴۷ ج ۵) بہر صورت ثابت ہوا کہ نکاح کرنے کے بعد عورت مرد کی مملوک ہو جاتی ہے۔ اگر سید زادی نے غیر سید کے ساتھ نکاح کر لیا تو یہ سید زادی اس غیر سید کی کنیز اور مملوک ہو جائیگی اب سید زادی کا غیر سید مرد کے لیے کنیز ہونا اس سے بڑھ کر اس کے لیے ذلت و توہین کیا ہوگی۔ اسی لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ایحب احدکم ان تکون کریمتہٗ فراش کلب فکرھتموہٗ کیا تم میں کسی کو پسند ہے کہ اس کی بیٹی یا بہن کسی کتے کے نیچے بچھے تم تو اس کو بہت برا جانو گے (فتاویٰ رضویہ ص۲۴۳ ج ۵) کتے سے مراد ذلیل اور حقیر مرد ہے۔ یعنی عزت والے شخص کو چاہیے کہ وہ اپنی بیٹی کسی ایسے ذلیل اور حقیر مرد کو نہ دے اور خاندان سادات تو تمام بنی نوع انسان کے خاندانوں سے زیادہ عزت اور عظمت والا ہے۔ لہٰذا ان کو اپنی بچیاں سوائے سادات کے خاندان کے ہرگز نہیں دینی چاہئیں۔ اگر کوئی سید اپنی بیٹی غیر سید کو دیتا ہے تو نکاح ہی نہیں ہوگا کیونکہ یہ سادات کے لیے باعثِ ہتک ہے۔ اور یہ ہتک جیسے کہ عرف میں ہے۔ اسی طرح شرع میں بھی ہے اس لیے کہ سادات کا نسب[1] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب ہونے کی وجہ سے

---

[1] حسب اور نسب کا فرق یہ ہے کہ حسب ذاتی شرافت کو کہتے ہیں اور نسب خاندانی برتری کو کہتے ہیں۔ مثلاً زید اگر گھٹیا برادری سے تعلق رکھتا ہے اور صاحب علم ہے (بقیہ برصفحہ آئندہ)

بے مثل ہے۔ اس نسب کا دنیا میں کوئی دیگر نسب مساوی نہیں ہے۔ چنانچہ خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اسماعیل کی اولاد میں سے کنانہ کو منتخب کیا۔ اور کنانہ میں سے قریش کو اور قریش میں سے بنی ہاشم کو اور بنی ہاشم میں سے مجھے منتخب فرمایا۔ اور روایت ہے کہ حضور

(بقیہ صفحہ سابقہ) اور شریف النفس ہے تو اس میں حسب ہوا نسب نہ ہوا یعنی نسب کی برتری نہ ہوئی اور دوسری صورت یہ ہے کہ زید اعلیٰ خاندان سے تعلق رکھتا ہے مثلاً کیانی برادری سے جو کہ نوشیروان کی اولاد سے ہیں لیکن ذاتی طور پر شریر النفس اور کھلنڈرا ہے تو اس میں نسب تو ہوا لیکن حسب نہیں ہے اور تیسری صورت یہ ہے کہ زید میں حسب اور نسب دونوں جمع ہو جائیں کہ زید برادری کے لحاظ سے سادات سے تعلق رکھتا ہو اب زید حسب یعنی ذات کے لحاظ سے بھی شریف ہے اور اپنے نسب کے لحاظ سے برتر ہے۔ گویا حسب و نسب میں (علمی طور پر) نسبت عموم خصوص من وجہ کی ہے اور ہمارے اس بیان کردہ فرق کے قریب قریب ہی شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی نے بھی بیان کیا ہے (فتاویٰ عزیزیہ صـ۳۰۲) چونکہ ہماری کتاب "حسب و نسب" کا بنیادی موضوع سادات کی عزت و عظمت ہے لہٰذا ہم نے سادات کی عزت کے پیش نظر ان کے لیے حسب و نسب کی صورت اجتماعی متعین کی ہے ۱۲۔

مفتی غلام رسول

(لندن)

صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میرے تمام آباء واجداد سفاح (بے احتیاطی) سے پاک ہیں۔ یعنی میرے والدین ماجدین سے لے کر حضرت آدم وحوا علیہما السلام تک کوئی مرد اور عورت ایسا نہیں ہوا جس سے کوئی بے احتیاطی ہوئی ہو اللہ تعالےٰ نے مجھے ہمیشہ اصلاب طیبہ سے ارحام مطہرہ کی طرف منتقل فرمایا یہ بھی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں محمد ہوں، عبداللہ کا بیٹا اور عبدالمطلب کا پوتا۔ اللہ تعالےٰ نے جو مخلوق کو پیدا کیا تو مجھے اچھے گروہ میں بنایا یعنی انسان بنایا۔ انسانوں میں دو فرقے پیدا کیے، عرب اور عجم اور مجھے اچھے فرقے یعنی عرب میں پیدا کیا پھر عرب میں کئی قبیلے بنائے اور مجھے سب سے اچھے قبیلے یعنی قریش میں پیدا کیا پھر قریش میں کئی خاندان پیدا کیے اور مجھے اچھے خاندان یعنی بنی ہاشم میں پیدا کیا۔ پس میں ذاتی طور پر بھی سب سے اچھا ہوں اور خاندان میں بھی سب سے اچھا ہوں۔

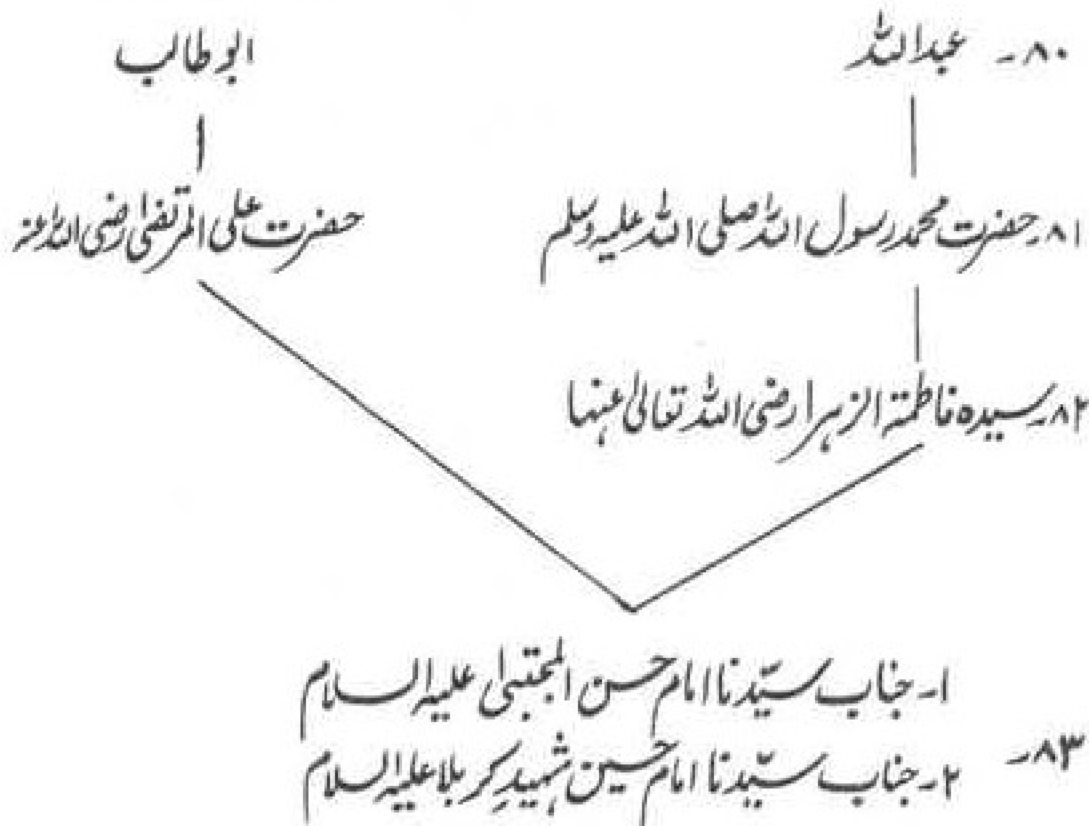
(مشکوٰۃ شریف صد ۵۱۳)

ابن تیمیہ بھی لکھتے ہیں فھو صلی اللّٰہ علیہ وسلم افضل الناس نفسًا ونسبًا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم تمام لوگوں سے اپنی ذات اور نسب کے لحاظ سے افضل ہیں۔ (الشرف المؤبد صد ۸۴)

اس سے ظاہر ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا تمام نسب طیب وطاہر ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نسب پاک یہ ہے:۔

۱۔ حضرت آدم علیہ السلام۔ ۲۔ حضرت شیث علیہ السلام۔ ۳۔ آنوش ۴۔ قینان۔ ۵۔ مہلیل ایل۔ ۶۔ یارد۔ ۷۔ حضرت ادریس علیہ السلام ۸۔ متوشالح۔ ۹۔ لامک۔ ۱۰ حضرت نوح علیہ السلام۔ ۱۱۔ سام۔ ۱۲۔ ارفکشاد ۱۳۔ عابر۔ ۱۴۔ فالج۔ ۱۵۔ رعو۔ ۱۶۔ سروج۔ ۱۷۔ ناحور۔ ۱۸۔ تارخ

۱۹۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام ۔ ۲۰۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام ۔ ۲۱۔ قیدار ۔
۲۲۔ عرام ۔ ۲۳۔ عوض ۔ ۲۴۔ مزی ۔ ۲۵۔ سمی ۔ ۲۶۔ زارح ۔ ۲۷۔ ناحث
۲۸۔ مقصر ۲۹۔ ایہام ۔ ۳۰۔ اقناد ۔ ۳۱۔ عیصر ۔ ۳۲۔ دلیشان ۔ ۳۳۔ عیفی
۳۴۔ ارعوی ۔ ۳۵۔ یلحن ۔ ۳۶۔ یحزن ۔ ۳۷۔ یثربی ۔ ۳۸۔ سنبر ۔ ۳۹۔ حمدان
۴۰۔ الطعان ۔ ۴۱۔ عبید ۔ ۴۲۔ عبقر ۔ ۴۳۔ عیفی ۔ ۴۴۔ ماخی ۔ ۴۵۔ ناحش ۔
۴۶۔ جاحم ۔ ۴۷۔ طابخ ۔ ۴۸۔ یدلاف ۔ ۴۹۔ بلداس ۔ ۵۰۔ حذا ۔ ۵۱۔ نبانند
۵۲۔ عوام ۔ ۵۳۔ ابی ۔ ۵۴۔ قموال ۔ ۵۵۔ بوز ۔ ۵۶۔ عوص ۔ ۵۷۔ سلامان
۵۸۔ ہمیسع ۔ ۵۹۔ ادد ۔ ۶۰۔ عدنان ۔ ۶۱۔ معد ۔ ۶۲۔ نزار ۔ ۶۳۔ مضر
۶۴۔ الیاس ۔ ۶۵۔ مدرکہ ۔ ۶۶۔ خزیمہ ۔ ۶۷۔ کنانہ ۔ ۶۸۔ نضر ۔ ۶۹۔ مالک
۷۰۔ فہر (قریش) ۔ ۷۱۔ غالب ۔ ۷۲۔ لوی ۔ ۷۳۔ کعب ۔ ۷۴۔ مرہ ۔ ۷۵۔ کلاب
۷۶۔ قصی ۔ ۷۷۔ عبدمناف ۔ ۷۸۔ ہاشم ۔ ۷۹۔ عبدالمطلب



حسب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نسب طیب و طاہر ہے اور دیگر کوئی نسب بھی اس کے مساوی یا مثل نہیں ہے اور سادات کرام حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نسب سے ہیں۔ چنانچہ علامہ یوسف نبہانی لکھتے ہیں۔ وعلی وفاطمة والحسن والحسین وبنوهما الی یوم القیامة داخلون علی کل حال (الشرف المؤبد صہ ۸۵) یعنی اس آیت قل لا اسئلکم علیه اجرا الا المودة فی القربی میں حضرت علی، فاطمۃ الزہراء، حسن اور حسین اور قیامت تک پیدا ہونے والی ان کی اولاد داخل ہے اور ہم نے حسب و نسب جلد اول میں لکھا ہے کہ سادات اگرچہ حضرت علی کی اولاد ہیں لیکن اس کے ساتھ ساتھ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد بھی ہیں اور سادات صرف وہ ہیں جو کہ حضرت علی کی اولاد خاتونِ جنت سے ہے یعنی حسن، حسین اور آگے ان دونوں حضرات کی اولاد قیامت تک کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب علیہ السلام کو جس طرح دیگر بے شمار خصوصیات سے نوازا ہے اسی طرح یہ خصوصیت بھی بخشی ہے کہ حضرت علی کی اولاد حضرت فاطمہ الزہراء کے بطنِ اطہر سے ذریت رسول ہے نہ کہ ذریت ابوطالب اور یہ خصوصیت بھی صرف خاتونِ جنت کو حاصل ہے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی کل چار صاحبزادیاں تھیں حضرت زینب، حضرت رقیہ حضرت ام کلثوم، حضرت سیدہ فاطمۃ الزہراء اور حضور کے صاحبزادے قاسم طیب، طاہر تھے جو کہ بچپن میں ہی فوت ہو گئے تھے اور حضور کے ایک صاحبزادے حضرت ابراہیم تھے جو حضرت ماریہ قبطیہ سے تھے اور حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام اولاد سوائے حضرت ابراہیم کے، حضرت خدیجہ الکبریٰ کے بطنِ اطہر سے تھی۔ ام المومنین کا نام خدیجہ لقب طاہرہ، باپ کا نام خویلد بن اسد بن عبد العزیٰ بن قصی ہے۔ قصی جناب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم

کے جدِ اعلیٰ ہیں۔ گویا خویلد کا خاندان قصی پر پہنچ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے مل جاتا ہے۔ اور ان کی والدہ کا نام فاطمہ بنت زائدہ بن اصم بن ہرم بن رواحہ بن حجر بن عبد بن معیص بن عامر بن لوئی ہے۔ اور لوئی بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جدِ اعلیٰ تھے۔ حضرت خدیجہ کے والد خویلد بن اسد بہت بڑے تاجر اور مالدار تھے۔ آپ اپنی دیانتداری اور خوش معاملگی کی وجہ سے تمام عرب میں عزت کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے۔ حضرت خدیجہ الکبریٰ عام الفیل سے پندرہ سال پہلے پیدا ہوئیں۔ بچپن سے ہی نہایت سلیم الفطرت تھیں جب سن شعور کو پہنچیں تو ان کی شادی ابو ہالہ (نباش بن زرارہ) سے ہوئی اور ابو ہالہ کی صلب سے حضرت خدیجہ کے تین لڑکے پیدا ہوئے، ہالہ، طاہر ہند و ان تینوں کو شرف صحابیت حاصل ہے۔ البتہ ہند جو ہیں ان کی پرورش خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کی۔ بڑے فصیح و بلیغ تھے اور یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا حلیہ مبارک نہایت خوبی سے بیان کیا کرتے تھے۔ ان سے حضرت امام حسن اور امام حسین، ابن عباس اور ان کا بیٹا ہند بن ہند روایت کرتے ہیں۔ ابنِ حجر نے امام نسائی کے حوالہ سے لکھا ہے کہ ہند جنگِ جمل ۳۶ھ میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کی طرف سے دادِ شجاعت دیتے ہوئے شہید ہو گئے (تہذیب التہذیب ص۲۷ ج ۱۱) حضرت خدیجہ کے خاوند ابو ہالہ کا انتقال جوانی کے عالم میں ہی ہو گیا۔ اس کے بعد حضرت خدیجہ کا دوسرا نکاح عتیق بن عائذ مخزومی سے ہوا۔ ان سے ایک لڑکی پیدا ہوئی اس کا نام بھی ہند تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح میں آنے سے پہلے حضرت خدیجہ الکبریٰ کے والد خویلد بن اسد حرب فجار میں مارے جا چکے ہیں۔ عام الفیل کے بیس سال بعد یہ لڑائی وقوع پذیر ہوئی۔ عرب لوگ ذوالقعدہ، ذوالحجہ،

محرم اور رجب کے ان چار مہینوں کا بے حد احترام کرتے تھے اور ان مہینوں میں لڑائی کرنے کو گناہ جانتے تھے، یہاں تک کہ عام طور پر ان مہینوں میں لوگ تلواروں کو نیام میں رکھ دیتے اور نیزوں کی برچھیاں اتار لیتے تھے مگر اس کے باوجود کبھی کبھی ان مہینوں میں بھی لڑائیاں کرتے تو ان لڑائیوں کو اہلِ عرب "حروب فجار" (گناہ کی لڑائیاں) کہتے ہیں، سب سے آخری جنگِ فجار جو قریش اور قیس کے قبیلوں کے درمیان ہوئی اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر مبارک بیس سال تھی، چونکہ قریش اس جنگ میں حق پر تھے اس لیے ابو طالب وغیرہ اپنے چچاؤں کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اس جنگ میں شرکت فرمائی مگر کسی پر ہتھیار نہیں اٹھایا۔ صرف اتنا ہی کیا کہ اپنے چچاؤں کو تیر اٹھا اٹھا کر دیتے رہے۔ اس لڑائی میں پہلے قیس پھر قریش غالب آئے اور آخر کار صلح پر اس لڑائی کا خاتمہ ہو گیا۔

(سیرت ابن ہشام صہ ۱۸۶ ج ۲)

چونکہ حرب الفجار میں حضرت خدیجہ کے والد مارے گئے لہٰذا ان کے بعد حضرت خدیجہ کے سرپرست ان کے چچا عمرو بن اسد تھے، خویلد بن اسد کی وراثت میں حضرت خدیجہ کو نہایت وسیع تجارت کا کاروبار ملا، حضرت خدیجہ نے کاروبار چلانے کے لیے کافی عملہ رکھا ہوا تھا۔ یہ وہ زمانہ تھا جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا چرچا مکہ کے گھر گھر میں پھیل چکا تھا اور آپ کو سب اہلِ مکہ امین کے لقب سے پکارنے لگے تھے، حضرت خدیجہ کو حضور کے اوصافِ حمیدہ کا علم ہوا تو انہوں نے حضور کو پیغام بھیجا کہ آپ میرا سامان تجارت شام لے جایا کریں تو دوسرے لوگوں سے دو چند معاوضہ آپ کو دیا کروں گی۔ آپ نے منظور فرمایا۔ اور ان کا سامان تجارت لے کر شام تشریف

لے گئے۔ چلتے وقت حضرت خدیجہ نے اپنا غلام میسرہ بھی حضور کے ساتھ کر دیا۔ اور اسے تاکید کی کہ حضور کو کسی قسم کی تکلیف نہ ہونے پائے۔ حضور کی بے مثل دیانت داری اور سلیقہ شعاری کی بدولت تمام سامانِ تجارت دگنا منافع پر فروخت ہو گیا۔ آپ نے تمام ہمراہیوں سے اتنا اچھا سلوک کیا کہ ہر ایک آپ کا مداح بلکہ جانثار بن گیا۔ جب قافلہ مکہ واپس آیا اور حضرت خدیجہ کو میسرہ کی زبانی سفر کے حالات اور منافع کی تفصیلات معلوم ہوئیں تو ان کے دل میں بے اختیار حضور کی طرف بے پناہ کشش پیدا ہوئی۔ بعض روایات میں آتا ہے کہ اس سے پہلے انہوں نے ایک خواب دیکھا کہ آسمان سے چاند ان کی گود میں آ کر گرا جس سے سارا عالم منور ہو گیا۔ جب انہوں نے اپنے خواب کی تعبیر ایک عیسائی عالم سے پوچھی تو اس نے جواب دیا کہ اے شریفۂ عرب تمہیں بشارت ہو کہ دعائے خلیل و نوید مسیحا کا ظہور ہو چکا ہے اور تم ان کے عقد میں آؤ گی۔ چنانچہ حضرت خدیجہ نے نفیسہ بنت امیہ کے ذریعہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس نکاح کا پیغام بھیجا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس رشتہ کو اپنے چچا ابو طالب کے سامنے پیش فرمایا۔ اور حضرت ابو طالب اور سارے خاندان نے نہایت خوشی کے ساتھ اس رشتہ کو پسند کیا اور نکاح کی تاریخ بھی مقرر کر دی۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم تاریخ مقررہ پر اپنے چچاؤں اور خاندان کے دوسرے افراد، شرفاء بنو ہاشم اور سردارانِ مضر کو اپنی بارات میں لے کر حضرت خدیجۃ الکبریٰ کے مکان پر تشریف لے گئے اور نکاح ہوا اور نکاح کے وقت حضرت ابو طالب نے خطبہ پڑھا جس کا مختصر مضمون درج ذیل ہے۔

"تمام تعریفیں اس خدا کے لیے ہیں جس نے ہم لوگوں کو حضرت

ابراہیم علیہ السلام کی نسل اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں بنایا اور اپنے گھر (کعبہ) کا نگہبان اور اپنے حرم کا منتظم بنایا۔ یہ میرے بھائی کا فرزند محمد بن عبداللہ ہے۔ یہ ایک ایسا جوان ہے کہ قریش کے جس شخص کا بھی اس سے موازنہ کیا جائے۔ یہ اس سے ہر شان میں بڑھا ہوا ہی ثابت ہوگا اور تم تمام جانتے ہو کہ میری قرابت اور محبت اس کے ساتھ ہے۔ وہ خدیجہ بنت خویلد سے نکاح کرتا ہے اور میرے مال میں سے بیس اونٹ مہر مقرر کرتا ہے۔ اس کا مستقبل بہت ہی عمدہ اور تابناک ہے۔"

جب حضرت ابوطالب اپنا خطبہ ختم کر چکے تو حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے چچازاد بھائی ورقہ بن نوفل نے بھی کھڑے ہو کر ایک خطبہ پڑھا جس کا مضمون یہ ہے۔

"خدا کے لیے حمد ہے کہ جس نے ہم کو ایسا بنایا جیسا کہ ابوطالب نے بیان کیا بے شک ہم لوگ عرب کے پیشوا اور سردار ہیں اور آپ لوگ بھی تمام فضائل کے مستحق ہیں۔ کوئی بھی آپ کے فضائل کا انکار نہیں کرتا۔ اے قریش تم گواہ رہو کہ خدیجہ بنت خویلد کو میں نے محمد بن عبداللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی زوجیت میں دیا۔ چار سو مثقال مہر کے بدلے۔"

غرضیکہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نکاح ہو گیا اور ابن عماد لکھتے ہیں کہ بوقت نکاح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر ۲۵ سال تھی اور حضرت خدیجہ کی عمر چالیس سال تھی (شذرات الذہب ص۱۴ ج ۱) حضرت

خدیجہ رضی اللہ عنہا تقریباً ۲۵ برس تک حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں رہیں اور ان کی زندگی میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی دوسرا نکاح نہیں فرمایا خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نہایت خوشگوار زندگی بسر فرمائی۔ سنہ ۱۰ نبوی، ۱۱ رمضان کو حضرت خدیجہ کی وفات ہوگئی۔ آپ کو مکہ کے قبرستان حجون میں دفن کیا گیا۔ اس وقت حضرت خدیجہ کی عمر ۶۵ سال تھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خود بنفسِ نفیس ان کی قبر میں اتر کر اپنے مقدس ہاتھوں سے ان کو سپردِ خاک کیا۔ اس وقت تک نمازِ جنازہ کا حکم نہیں اترا تھا لہٰذا نمازِ جنازہ نہیں پڑھائی (اکمال فی اسماء الرجال ص ۵۹۳) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کی وفات کا بے پناہ صدمہ ہوا حضرت خدیجہ کی وفات کے بعد بھی آپ کو ان سے اتنی محبت تھی کہ جب کوئی قربانی کرتے تو پہلے حضرت خدیجہ کی سہیلیوں کو گوشت بھیجتے اور بعد میں کسی اور کو دیتے ولی الدین عراقی المتوفی ۸۲۶ھ لکھتے ہیں کہ حضرت خدیجۃ الکبریٰ تمام امہات المومنین سے افضل ہیں اور حضرت ابوہریرہ سے یہ بھی مروی ہے کہ حضرت جبریل علیہ السلام، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں تشریف لائے اور عرض کیا یا رسول اللہ حضرت خدیجہ آپ کا کھانا لے کر تشریف لا رہی ہیں جب یہ آپ کے پاس آجائیں تو آپ ان سے ان کے رب کا اور میرا سلام کہہ دیں اور ان کو یہ خوشخبری سنا دیں کہ جنت میں ان کیلئے موتیوں کا ایک گھر بنایا ہے جس میں نہ کوئی شور ہوگا اور نہ کوئی تکلیف ہوگی۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ بھی فرمایا کرتے تھے خدا کی قسم خدیجہ سے بہتر مجھے کوئی بیوی نہیں ملی جب سب لوگوں نے میرے ساتھ کفر کیا اس وقت وہ مجھ پر ایمان لائیں اور جب سب لوگ مجھے جھٹلا رہے تھے، اس وقت انہوں نے میری تصدیق کی اور جس وقت کوئی شخص مجھے کوئی چیز دینے کے لیے تیار نہ تھا

اس وقت خدیجہ نے مجھے اپنا سارا مال دے دیا اور انہیں کے شکم سے اللہ تعالیٰ نے مجھے اولاد عطا فرمائی ہے (شرح مواہب لدنیہ صہ۲۲۴ ج ۳ سیرۃ النبی صہ۴۰۳)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام اولاد سوائے حضرت ابراہیم کے حضرت خدیجہ الکبریٰ سے تھی۔ البتہ حضرت ابراہیم ماریہ قبطیہ کے شکم سے تولد ہوئے تھے۔ حضرت ماریہ قبطیہ کو مصر کے بادشاہ مقوقس قبطی نے بارگاہ نبوت میں چند ہدایا اور تحائف کے ساتھ بطور ہبہ نذر کیا تھا۔ یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ام ولد تھیں کیونکہ آپ کے فرزند حضرت ابراہیم ان کے ہی شکم مبارک سے پیدا ہوئے۔ کنیز ہونے کے باوجود حضور ان کو پردہ میں رکھتے تھے۔ ان کے لیے مدینہ طیبہ کے قریب مقام عالیہ میں آپ نے ایک الگ گھر بنوا دیا تھا جس میں یہ رہا کرتی تھیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس تشریف لے جایا کرتے تھے۔ حضرت ماریہ قبطیہ کی وفات ۱۶ھ میں ہوئی۔ حضرت عمر فاروق نے ان کا جنازہ پڑھایا تھا اور ان کو جنت البقیع میں دفن کیا گیا۔ حضور کے صاحبزادہ حضرت ابراہیم ۸ھ بمقام عالیہ جہاں حضرت ماریہ قبطیہ رہتی تھیں، پیدا ہوئے ان کی ولادت کی خبر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے آزاد کردہ غلام ابو رافع نے دی تو حضور نے انعام کے طور پر حضرت ابو رافع کو ایک غلام دیا آپ نے ان کے عقیقہ کے لیے دو مینڈھے ذبح فرمائے اور ان کے سر کے بال کے وزن کے برابر چاندی خیرات فرمائی۔ اور ان کے بالوں کو دفن کرا دیا۔ اور ابراہیم نام رکھا اور یہ صرف ڈیڑھ سال کے قریب تھے کہ ۱۰ھ میں فوت ہو گئے اور ان کو جنت البقیع میں حضرت عثمان بن مظعون المتوفی ۲ھ کی قبر کے پاس دفن فرمایا۔ اور اپنے دست مبارک سے ان کی قبر پر پانی کا چھڑکاؤ کیا۔

(شذرات الذہب صہ۱۳ ج ۱، سیرۃ النبی صہ۴۲)

حضرت ابراہیم کے علاوہ حضور کے سب سے پہلے فرزند حضرت قاسم رضی اللہ عنہ ہیں جو حضرت خدیجہ کی آغوش مبارک میں اعلانِ نبوت سے تقریباً ۱۱ سال قبل پیدا ہوئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی کنیت ابو القاسم ان کے نام پر ہی ہے۔ علامہ ابن سعد لکھتے ہیں کہ آپ دو سال کے تھے کہ ان کی وفات ہوگئی اور حضور کے دو اور صاحبزادے حضرت طیب وطاہر ہیں اور یہ بچپن ہیں فوت ہوگئے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادیاں چار ہیں ان میں سے سب سے بڑی حضرت زینب ہیں۔ اعلانِ نبوت سے تقریباً دس سال پہلے ان کی ولادت ہوئی اور ابتدائے اسلام میں ہی مشرف باسلام ہوگئی تھیں۔ جنگ بدر کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ بلالیا اور یہ ہجرت کرکے مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ تشریف لے گئیں اعلانِ نبوت سے پہلے ہی ان کی شادی ان کے خالہ زاد بھائی ابو العاص بن ربیع والمتوفی ۱۳ھ سے ہوگئی تھی۔ ابو العاص حضرت خدیجۃ الکبریٰ کی بہن حضرت ہالہ کے بیٹے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خدیجہ کی سفارش سے حضرت زینب کا نکاح ابو العاص سے فرمادیا تھا۔ چونکہ یہ نکاح اعلان نبوت سے پہلے ہی ہوا تھا۔ جب حضور نے اعلان نبوت فرمایا تو کفارِ مکہ نے ابو العاص کو اکسایا کہ وہ حضرت زینب کو طلاق دے دیں لیکن انہوں نے ایسا کرنے سے صاف انکار کردیا اور حضرت زینب سے نہایت اچھا سلوک کرتے تھے البتہ بعض موانع کی بنا پر اپنے آبائی مذہب چھوڑنے میں متردد رہے اور جنگ بدر میں مسلمانوں کے قیدی بن گئے۔ اہل مکہ نے جب اپنے اپنے قریبی رشتہ داروں کی رہائی کے لیے حضور کی خدمت میں زرِ فدیہ بھیجا تو حضرت زینب نے اپنے دیور عمرو بن ربیع کے ہاتھ یمنی عقیق کا وہ ہار اپنے

شوہر کی رہائی کے لیے بھیجا جو حضرت زینب کو حضرت خدیجۃ الکبریٰ نے شادی کے وقت بطور تحفہ دیا تھا۔ جب حضور کی خدمت میں یہ ہار پیش کیا گیا تو حضور کو حضرت خدیجہ یاد آگئیں۔ اور آپ آبدیدہ ہو گئے پھر آپ نے صحابہ کو فرمایا اگر مناسب سمجھو تو یہ ہار حضرت زینب کو واپس بھیج دو یہ اس کی ماں کی نشانی ہے ابوالعاص کا فدیہ یہ ہے کہ وہ مکہ جا کر فوراً زینب کو مدینہ منورہ بھیج دیں۔ تمام صحابہ نے کہا یہی ٹھیک ہے۔ ابوالعاص نے یہ شرط قبول کر لی اور رہا ہو کر مکہ پہنچ کر ابوالعاص نے حسب وعدہ حضرت زینب کو اپنے چھوٹے بھائی کنانہ کے ہمراہ مکہ سے مدینہ کی جانب روانہ کر دیا پھر ۷ھ میں حضرت ابوالعاص مسلمان ہو کر مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ ہجرت کر کے تشریف لے گئے اور حضرت زینب کے ساتھ رہنے لگے اور شذرات الذہب ص ۱۲ ج ۱ میں ہے کہ ۸ھ میں حضرت زینب کی بھی وفات ہو گئی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مشہور صحابیہ حضرت ام عطیہ کو فرمایا کہ اے ام عطیہ! میری بیٹی کو اچھی طرح کفن میں لپیٹنا، اس کے بالوں کی تین چوٹیاں بنانا اور اسے بہترین خوشبوؤں سے معطر کرنا۔ نماز جنازہ حضور نے خود پڑھائی۔ حضرت ابوالعاص نے قبر میں اتارا اور حضور خود بھی قبر میں اترے جس دن سیدہ زینب نے وفات پائی۔ حضور بے حد مغموم تھے آپ کی آنکھوں سے آنسو رواں تھے اور آپ فرما رہے تھے کہ زینب میری بہت اچھی بیٹی تھی جو میری محبت میں ستائی گئی۔

حضرت زینب کی اولاد سے ایک لڑکا تھا جس کا نام علی تھا اور ایک لڑکی حضرت امامہ تھی۔ حضرت علی کے بارے میں ہے کہ وہ سن بلوغ کو

بھیج کر اپنے والد کے سامنے فوت ہو گئے۔ حضور جب فتح مکہ کے دن مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے تھے تو یہ حضور کے پیچھے اونٹ پر سوار تھے اور حضرت امامہ کے ساتھ حضور کو بڑی محبت تھی۔ آپ اپنے کندھے مبارک پر بٹھا کر ان کو مسجد میں لے جاتے۔ روایت میں ہے ایک مرتبہ کسی نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں بہت خوبصورت سونے کا ہار نذرانہ پیش کیا تو حضور نے وہ ہار اپنی اس نواسی حضرت امامہ کے گلے میں ڈال دیا۔ جب خاتونِ جنت کا انتقال ہوا تو اس کے بعد حضرت علی نے حضرت امامہ سے نکاح کیا تھا۔

(سیرۃ النبی صہ ۳۲۵)

حضرت رقیہؓ :-

حضرت رقیہ بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دوسری صاحبزادی تھیں جو بعثت نبوت سے سات سال پہلے حضرت خدیجہ الکبریٰ کے بطنِ مبارک سے پیدا ہوئیں اور ابتداء میں ہی مشرف باسلام ہوگئیں۔ ابنِ سعد کے قول کے مطابق حضرت رقیہ کا نکاح عتبہ بن ابی لہب سے ہوا۔ ابھی رخصتی بھی نہ ہوئی تھی کہ سورہ تبت یدا ابی لہب نازل ہوئی تو عتبہ نے اپنے باپ ابو لہب کے حکم کے مطابق حضرت رقیہ کو طلاق دے دی۔ اس واقعہ کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت رقیہ کا نکاح حضرت عثمان بن عفان سے کر دیا اور ۵ ھ میں حضرت عثمان اور حضرت رقیہ دوسرے مسلمانوں کے ہمراہ حبشہ کی طرف ہجرت کر گئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی ہجرت کے متعلق فرمایا کہ ابراہیم علیہ السلام اور لوط علیہ السلام کے بعد عثمان پہلے شخص ہیں جنہوں نے اللہ کی راہ میں اپنی بیوی کے ہمراہ ہجرت کی۔ کچھ عرصہ حبشہ میں قیام کرنے کے بعد حضرت عثمان

کو خبر ملی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کرنے والے ہیں تو حضرت عثمان حضرت رقیہ کے ہمراہ حبشہ سے مکہ واپس آ گئے اور پھر چند دن کے بعد حضور کی اجازت سے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کر گئے۔ ۲ھ میں جب حضور جنگِ بدر کے لیے تشریف لے جا رہے تھے۔ حضرت رقیہ بیمار ہو گئیں حضور نے حضرت عثمان کو حکم دیا کہ وہ جنگِ بدر میں نہ جائیں بلکہ حضرت رقیہ کی تیمار داری کریں۔ جس دن حضرت زید بن حارثہ جنگِ بدر کی فتح کی خوشخبری لے کر مدینہ منورہ پہنچے اسی دن اکیس سال کی عمر میں حضرت رقیہ کی وفات ہو گئی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جنازہ میں بھی شرکت نہ فرما سکے۔ حضور کو رقیہ کی وفات کا سخت صدمہ ہوا جب حضور واپس تشریف لائے تو حضرت رقیہ کی قبر پر تشریف لے گئے اور حضرت سیدہ فاطمۃ الزہراء بھی اپنی بہن کی قبر پر تشریف لائیں اور قبر کے کنارے بیٹھ کر رونے لگیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی چادر کے کناروں سے ان کے آنسو پونچھتے جاتے تھے۔ حضرت رقیہ کے قیامِ حبشہ کے دوران ان کے ہاں ایک لڑکا پیدا ہوا جس کا نام عبداللہ تھا۔ جب حضرت رقیہ کی وفات ہوئی عبداللہ صرف چار سال کے تھے۔ دو سال کے بعد یعنی جب چھ سال کے تھے ۴ھ جمادی الاول میں وفات پائی حضور نے نماز جنازہ پڑھائی اور حضرت عثمان نے قبر میں اُتارا۔

حضرت سیّدہ اُمِّ کلثوم :۔

یہ حضور کی تیسری صاحبزادی ہیں۔ حضرت ام کلثوم حضرت رقیہ سے ایک سال چھوٹی اور سیدہ فاطمۃ الزہراء سے ایک سال بڑی تھیں۔ حضرت ام کلثوم کا نکاح بعثت نبوی سے پہلے عتیبہ بن ابولہب سے ہوا تھا۔ جب سورۃ تبت یدا ابی لہب

نازل ہوئی تو ابولہب نے اپنے بیٹے عتیبہ سے کہا کہ تم رسول اللہ کی بیٹی کو طلاق دے دو۔ اس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آکر طلاق کی بات شروع کر دی نہایت گستاخی اور بدزبانی کرتے ہوئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر جھپٹ پڑا۔ حضور نے فرمایا اللھم سلط علیہ کلبا من کلابک اے اللہ اس پر اپنے کتوں میں سے کسی کتے کو مسلط فرما دے۔ اس بددعا کا اثر یہ ہوا کہ ابولہب اور عتیبہ دونوں تجارت کے لیے ایک قافلہ کے ساتھ ملک شام گئے اور مقام زرقا میں ایک راہب کے پاس رات میں ٹھہرے۔ راہب نے قافلہ والوں کو بتایا کہ یہاں کے درندے بہت ہیں آپ لوگ ذرا ہوشیار ہو کر سوئیں۔ یہ سن کر ابولہب نے قافلہ والوں سے کہا کہ اے لوگو! محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے بیٹے عتیبہ کے لیے ہلاکت کی بددعا کر دی ہے۔ لہٰذا تم لوگ تمام تجارتی سامانوں کو اکٹھا کر کے اس کے اوپر عتیبہ کا بستر لگا دو۔ اور سب لوگ اس کے ارد گرد چاروں طرف سو جاؤ تاکہ میرا بیٹا درندوں کے حملہ سے محفوظ رہے چنانچہ قافلہ والوں نے عتیبہ کی حفاظت کا پورا پورا بندوبست کیا لیکن رات میں بالکل ناگہاں ایک شیر آیا اور سب کو سونگھتے ہوئے کود کر عتیبہ کے بستر پر پہنچا اور اس کے سر کو چبا ڈالا اور اس کا پیٹ پھاڑ دیا اور جنگل کی طرف چلا گیا۔ پہلے گزر چکا ہے کہ ابولہب کے دوسرے بیٹے عتبہ نے بھی حضور کی صاحبزادی حضرت رقیہ کو طلاق دے دی تھی لیکن اس نے حضور کی بے ادبی اور گستاخی نہیں کی تھی اس لیے وہ قہر خداوندی میں مبتلا نہیں ہوا تھا بلکہ فتح مکہ کے دن اپنے بھائی معتب کے ساتھ مل کر دونوں نے اسلام قبول کر لیا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کر کے شرفِ صحابیت سے سرفراز ہوئے اور عتیبہ نے گستاخی اور بے ادبی کی تھی اس لیے وہ کفر کی حالت میں ایک

خون خوار شیر کے حملہ کا شکار ہو گیا۔ بہر صورت عتیبہ نے حضور کی بیٹی ام کلثوم کو طلاق دے دی تو حضور نے اپنی بیٹی ام کلثوم کا نکاح حضرت عثمان سے کر دیا۔ چونکہ حضرت عثمان کے نکاح میں حضور کی دو صاحبزادیاں یکے بعد دیگرے آئیں تھیں۔ لہٰذا حضرت عثمان کو ذوالنورین کہا جاتا ہے۔ حضرت ام کلثوم اس نکاح کے بعد چھ سال تک زندہ رہیں۔ ۹ھ شعبان کے مہینے میں انہوں نے وفات پائی۔ اور حضور نے ان کے کفن کے لیے اپنی چادر مبارک دی اور خود ہی نماز جنازہ پڑھائی۔ سیدہ ام کلثوم کی کوئی اولاد نہیں ہوئی۔

حضرت سیدہ فاطمۃ الزہراء:۔

آپ بعثت نبوی سے پانچ سال قبل پیدا ہوئیں۔ اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر ۳۵ سال تھی اور ام المؤمنین حضرت خدیجہ الکبریٰ کی عمر ۵۰ سال تھی یہ حضور کی صلب سے سب سے چھوٹی اور زیادہ پیاری بیٹی تھیں انکا نام فاطمہ اور لقب زہرا اور بتول ہے۔ ان کے بے شمار فضائل و مناقب ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ فاطمۃ الزہرا، تمام جہان کی عورتوں کی سردار ہیں اور آخرت میں بھی جنت میں تمام عورتوں کی سردار ہیں۔ ان کے حق میں یہ بھی فرمایا کہ فاطمہ میری بیٹی اور میرے بدن کا ٹکڑا ہے جس نے فاطمہ کو ناراض کیا اس نے مجھے ناراض کیا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب نبوت کا اعلان فرمایا تو مکہ کے اکثر لوگوں نے حضور کی مخالفت شروع کر دی اور حضور کو تکلیفیں اور اذیتیں پہنچانا شروع کر دیں۔ ۱۰ھ میں حضرت خدیجہ الکبریٰ اور حضرت ابو طالب کی وفات کے بعد تو کفار مکہ اس معاملہ میں زیادہ تیز ہو گئے۔ اور نہایت کمینہ حرکات کرنا شروع کر دیں اور ساتھ ہی ان لوگوں پر

زیادتیاں شروع کردیں۔ جو لوگ اسلام قبول کر رہے تھے، سیدہ فاطمہ نے ان نامساعد حالات میں پرورش پائی تھی وہ دیکھ رہی تھیں کہ ان کے عظیم باپ اور آپ کے نام لیواؤں پر ظلم و ستم ہو رہے ہیں تو خاتونِ جنت کو بہت تکلیف ہوتی تھی۔ بعض دفعہ تبقاضائے فطرت حضور کی تکلیفوں پر آپ کے آنسو گرنے لگتے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی پیاری بیٹی کو تسلی دیتے اور فرماتے میری بیٹی گھبراؤ نہیں خدا تمہارے باپ کو تنہا نہ چھوڑے گا۔ ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کعبہ معلیٰ کے نزدیک نماز پڑھ رہے تھے اور قریش مکہ بھی کسی بات کے سلسلہ میں جمع تھے۔ ابوجہل کو ایک شرارت کا خیال آگیا تو اس نے قریش کو کہا اس رسول کی طرف دیکھو۔ اگر کوئی شخص فلاں جگہ جاکر اونٹ کی اوجھ (اوجھڑی) پڑی ہوئی اٹھالاتا اور اس رسول پر پھینک دیتا تو کیا ہی اچھا ہوتا۔ وہاں عقبہ بن ابی معیط بھی تھا بولا کہنے لگا یہ کام میں کرتا ہوں۔ چنانچہ وہ گیا اور خون اور گوبر سے بھری ہوئی اوجھڑی اٹھا کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر رکھ دی۔ حضور اس وقت خدا کی بارگاہ میں سربسجود تھے۔ کفار یہ منظر دیکھ کر ہنستے تھے اور مسخرے کرتے تھے۔ عبداللہ بن مسعود اس زمانے میں عقبہ بن ابی معیط کی بکریاں چرایا کرتے تھے کافروں کا مقابلہ تو نہ کر سکتے تھے البتہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر جاکر اس معاملہ کی اطلاع دی۔ حضور کی پیاری بیٹی فاطمہ یہ سن کر دوڑ پڑیں۔ اور حضور کی گردن مبارک سے یہ اوجھڑی ہٹائی اور کفار کو فرمایا شریرو! خدا ایک دن تم کو ضرور اس کی سزا دے گا۔ اور ایک صحیح روایت میں ہے کہ خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان بدبختوں کے حق میں بددعا فرمائی اور ان کے نام بھی بددعا میں ذکر فرمائے جو کہ یہ تھے ابوجہل، عقبہ بن ابی معیط، امیہ بن خلف، عتبہ بن ربیعہ، شیبہ بن ربیعہ

حضرت عبداللہ مسعودؓ کہتے ہیں کہ مجھے اس ذاتِ برحق کی قسم ہے جس نے حضور کو سچا نبی مبعوث فرمایا میں نے ان آدمیوں کو جن کا نام لے کر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بددعا فرمائی تھی، بدر کے میدانِ جنگ میں ذلت کے ساتھ مردہ پڑا پایا ان کی لاشیں گھسیٹ کر ایک گڑھے (کنویں) میں ڈال دی گئی تھیں۔ جب کفار کی لاشیں بدر کے گڑھے میں ڈال دی گئیں تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس گڑھے کے کنارے کھڑے ہو کر مقتولین کا نام لے کر اس طرح پکارا کہ اے عتبہ بن ربیعہ، اے شیبہ بن ربیعہ وغیرہ وغیرہ۔ کیا تم لوگوں نے اپنے رب کے وعدہ کو سچا پایا؟ ہم نے تو اپنے رب کے وعدہ کو بالکل ٹھیک ٹھاک سچ پایا۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب دیکھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کفار کی لاشوں سے خطاب فرما رہے ہیں تو ان کو بڑا تعجب ہوا چنانچہ انہوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ کیا آپ ان بے روح جسموں سے کلام فرما رہے ہیں؟ یہ سن کر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اے عمر قسم خدا کی جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے کہ تم (زندہ لوگ) میری بات کو زیادہ نہیں سن سکتے لیکن اتنی بات ہے کہ یہ مردے جواب نہیں دے سکتے (بخاری صـ ۱۸۳ ۔ ج ۱ باب ماجاء فی عذاب القبر) ۱۳ نبوی میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہجرت فرما کر مکّہ سے مدینہ منورہ تشریف لے گئے اور ۲ھ میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مدینہ منورہ میں اپنی پیاری بیٹی فاطمۃ الزہراء کا نکاح حضرت علی المرتضیٰ سے کر دیا۔ چنانچہ حدیث پاک میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت انس کو حکم دیا کہ جاؤ ابوبکر، عمر، طلحہ، زبیر، عبدالرحمان و دیگر مہاجرین و انصار کو مسجد نبوی میں بلا لاؤ حضرت انس فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی آنے کی سی کیفیت طاری ہو گئی جب وحی ختم ہوئی تو فرمایا کہ جبریل علیہ السلام آئے تھے وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے پیغام لائے تھے کہ فاطمہ کا نکاح علی سے کر دیا جائے۔ جب تمام لوگ

مسجد نبوی میں جمع ہو گئے تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا اے مہاجرین و انصار! مجھے اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ فاطمہ بنت محمد کا نکاح علی بن ابی طالب سے کر دوں میں تمہارے سامنے اس حکم کی تعمیل کرتا ہوں اس کے بعد آپ نے یہ خطبہ پڑھا۔

الحمد لله المحمود بنعمته، المعبود بقدرته، المطاع بسلطانه، المرهوب من عذابه، المرغوب اليه فيما عنده من ثوابه، النافذ امره فی ارضه وسمائه، الذی خلق الخلق بقدرته، ومیزهم باحكامه، وأعزهم بدينه واكرمهم بنبيه محمد صلی اللہ علیہ وسلم۔ ان الله تبارك اسمه وتعالت عظمته، وجعل المصاهرة نسبا لاحقا، وامرا مفترضا، وحكما عادلا، وخيرا جامعا، اوشج به الارحام، والزمها الانام، فقال تبارك اسمه وتعالی جده (وهو الذی خلق من الماء بشرا فجعله نسبا وصهرا وكان ربك قديرا) —

فأمر الله يجری الی قضائه، وقضاؤه يجری الی قدره، ولكل قضاء قدر، ولكل قدر أجل، ولكل اجل كتاب، (يمحو الله مايشاء ويثبت وعنده ام الكتاب)۔ ثم ان الله تعالی امرنی ان ازوج فاطمة من علی، وانی أشهدكم انی قد زوجتها اياه، علی أربعمائة مثقال فضة ان رضی علی بن ابی طالب بذالك، علی السنة القائمة والفريضة الواجبة فقال علی قد رضيت بذالك يا رسول الله (السيدة زينب ص۴۹)۔

ترجمہ:۔ اللہ کا شکر ہے جو اپنی نعمتوں کے باعث قابلِ تعریف ہے اور اپنی قدرت کی وجہ سے عبادت کے لائق ہے اور اپنی بادشاہت کی وجہ

سے قابلِ اطاعت ہے اور اس کے عذاب سے مخلوقات ڈرتی ہے اور جو اس کے پاس ثواب ہے اس کی طرف مخلوقات کو رغبت ہے اور اس کا حکم آسمان اور زمین میں نافذ ہے اور اس نے مخلوق کو اپنی قدرت سے پیدا کیا اور اپنے احکام کے ذریعہ ان کو ممتاز کیا اور انہیں دین کی وجہ سے عزت عطا کی اور اپنے نبی محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ذریعے ان کو سربلندی عطا فرمائی ہے بے شک اللہ تعالیٰ کو بابرکت ہے نام اس کا اور بڑی ہے عظمت اس کی جس نے بیاہ شادی کو نسب لاحق (ملنے والا) اور فرضی امر اور عادل حکم اور بہترین جمع کرنے والا بنایا جس کے ساتھ رشتہ داری کا استحکام کیا اور مخلوقات کے لیے لازمی امر قرار دیا پس فرمایا بابرکت ہے نام اس کا اور برتر ہے بزرگی اس کی فرمایا اور وہی ذات ہے جس نے پیدا کیا بشر کو پانی سے پس کیا اس کو نسب (بیٹا، بیٹی) اور صہر (داماد) بنایا اور تیرا رب ہر چیز پر قادر ہے پس اللہ کا امر اس کی قضا کی طرف ہے اور قضا اس کی قدر کی طرف اور ہر قضا کے لیے قدر ہے اور ہر قدر کے لیے مدت مقرر ہے اور واسطے ہر موت کے لیے کتاب ہے اور جو چاہتا ہے مٹاتا ہے اور جو چاہتا ہے اس کو ثابت رکھتا ہے اور اس کے نزدیک ام الکتاب یعنی اصل لکھا ہوا ہے۔ پھر فرمایا مجھے اللہ نے حکم دیا ہے کہ میں فاطمہ بنت محمد کا نکاح علی سے کر دوں اور میں نے تم لوگوں کو اس نکاح پر گواہ مقرر کیا ہے جس کا مہر چار سو مثقال چاندی رکھی ہے اگر علی اس پر راضی ہے اور یہ سنت ثابتہ اور فریضہ واجبہ ہے پس علی نے کہا یا رسول اللہ میں اس پر راضی ہوں پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دعا فرمائی جمع اللہ شملکما و بارك لکما و اسعد جدکما و اطاب نسلکما وجعل نسلکما مفاتیح الرحمة و معادن الحکمة و امن الامة واخرج منکما الکثیر الطیب اقول قولی هذا واستغفر اللہ

لی دیکھ کہ اللہ تعالیٰ تم دونوں کی پراگندگی کو جمع کرے اور تمہارے دونوں کے لیے برکت فرمائے اور تمہاری کوششوں کو کامیاب فرمائے

اور تمہاری نسل کو پاکیزہ کرے اور تمہاری نسل کو رحمت کی چابیاں اور حکمت و دانائی کا مرکز اور امت کے لیے باعثِ امن بنائے اور تم دونوں سے کثیر پاکیزہ نسل پیدا کرے اور یہ میرا قول ہے اور اپنے اور تمہارے لیے اللہ سے مغفرت کی درخواست کرتا ہوں۔ اور روایات میں یہ بھی آیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے جب حضرت فاطمہ کو رخصت کر دیا اور حضرت فاطمہ اپنے گھر تشریف لے گئیں تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ان کے گھر تشریف لے گئے ایک برتن میں پانی منگوایا اور اس میں دونوں ہاتھ ڈالے اور حضرت علی کے سینہ اور بازوؤں پر پانی چھڑکا پھر سیدہ فاطمہ کو اپنے پاس بلایا آپ نے ان پر بھی پانی چھڑکا اور فرمایا اے فاطمہ میں نے تمہاری شادی اپنے خاندان میں بہترین شخص سے کی ہے آپ نے پانی چھڑکتے ہوئے یہ فرمایا وانی اعیذ ھما بک وذریتھما من الشیطان الرجیم اے اللہ میں ان دونوں کو اور ان کی اولاد کو شیطان مردود سے تیری پناہ میں دیتا ہوں علامہ شبراوی لکھتے ہیں کہ جب حضرت خاتونِ جنت کی شادی ہوئی تھی تو آپ کی عمر پندرہ سال اور ساڑھے پانچ ماہ تھی اور حضرت علی کی عمر ۲۱ سال اور پانچ ماہ تھی۔ حضرت فاطمہ نے حضرت علی کے ساتھ نہایت خوشگوار گھریلو زندگی گذاری۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ حضرت فاطمہؓ کی موجودگی میں دوسرا نکاح نہیں کر سکے۔ چنانچہ حارث بن ابی اسامہ نے علی بن حسین (امام زین العابدین) سے روایت کی ہے کہ حضرت علی نے ابوجہل کی بیٹی (عوراء) کے ساتھ نکاح کا ارادہ کیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا انہ لیس لاحد ان یتزوج ابنۃ عدو اللہ علی ابنۃ رسول اللہ یعنی کسی کے لیے یہ حق نہیں ہے کہ وہ اللہ کے دشمن کی بیٹی کو

رسول اللہ کی بیٹی پر سوت (سوکن) لائے۔ مسور بن مخرمہ کی روایت میں ہے کہ حضور نے فرمایا فلا آذن ثم لا آذن ثم لا آذن الا ان یرید ابن ابی طالب ان یطلق ابنتی و ینکح ابنتھم فانما ھی بضعۃ منی پس میں اجازت نہیں دوں گا پھر اجازت نہیں دوں گا پھر اجازت نہیں دوں گا مگر میری بیٹی کو علی طلاق دے دے ان کی لڑکی سے نکاح کرے فاطمہ میرے جسم کا ٹکڑا ہے ابن حجر نے کہا من خصائصہ صلی اللہ علیہ وسلم منع التزویج علی بناتہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خصائص سے ہے کہ آپ کی بیٹیوں پر کسی کو سوت (سوکن) لانا منع ہے (ترمذی صفحہ ۳۵۹ ج ۲۔ خصائص کبریٰ صفحہ ۲۵۵ مستدرک صفحہ ۱۵۹ ج ۲، صواعق محرقہ صفحہ ۱۸۸۔) کتنی بلند اور ارفع شان ہے فاطمۃ الزہراء کی کہ ان کی مرضی کے خلاف اللہ اور اس کا رسول جائز کام کی بھی اجازت نہیں دیتا اب کون ہے جو ان کی ہمسری کا دعویٰ کرے یا ان کے نسب کی طرح اپنا نسب سمجھے اگر کوئی ہمسر بن سکتا ہوتا تو پھر ابوجہل کی بیٹی جو کہ قریشیہ تھی وہ فاطمۃ الزہراء کی موجودگی میں بھی حضرت علی کی زوجہ بن سکتی لیکن اصل بات یہ ہے کہ سیدہ فاطمۃ الزہراء نے جب سنا کہ علی مجھ پر (ابوجہل کی لڑکی) عوراء کو سوکن بناکر لانا چاہتے ہیں تو آپ کی طبیعت میں ملال آیا اور آپ نے اس کا اظہار اللہ کے رسول کے سامنے بایں الفاظ کیا کہ ابا جان علی مجھ پر سوت (سوکن) لانا چاہتے ہیں تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا انما فاطمۃ بضعۃ منی فمن آذاھا فقد آذانی بے شک فاطمہ میرے جسم کا ٹکڑا ہے جس نے اس کو اذیت پہنچائی اس نے مجھ (رسول) کو اذیت پہنچائی، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس طرح ناراض دیکھ کر حضرت علی[1] نے ابوجہل کی لڑکی سے نکاح کا ارادہ فوراً

---

[1] آپ کا نام علی ہے کنیت ابوالحسن اور ابوتراب ہے حیدر، مرتضیٰ، بقیہ حاشیہ بر صفحہ آئندہ

ترک کر دیا۔ اور پھر حضرت فاطمۃ الزہرا کی زندگی میں کسی دوسرے نکاح کا خیال تک

(بقیہ صفحہ سابقہ) اسد اللہ مشہور لقب ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچا زاد بھائی ہیں۔ حضرت علی ابو طالب کے بیٹے ہیں۔ حضرت ابو طالب کے چار لڑکے تھے ۱۔ طالب بن ابی طالب ۲۔ عقیل بن ابی طالب ۳۔ جعفر بن ابی طالب ۴۔ علی بن ابی طالب۔ تمام کی والدہ فاطمہ بنت اسد بن ہاشم بن عبد مناف ہیں فاطمہ بنت اسد پہلی ہاشمی خاتون ہیں جنہوں نے ہاشمی بچوں کو جنم دیا۔ حضرت ابو طالب کے بڑے لڑکے طالب بن ابی طالب تھے ان سے دس سال چھوٹے حضرت عقیل ہیں ان سے دس سال چھوٹے حضرت جعفر ہیں ان سے دس سال چھوٹے حضرت علی ہیں اور طالب بن ابی طالب کے متعلق روایت ہے کہ یہ قبل از اظہار ایمان فوت ہو گئے تھے اور عقیل بن ابی طالب قریش اور عرب کے نسب کے بہت بڑے عالم تھے ان کے صاحبزادے مسلم بن عقیل تھے جو کہ کوفہ میں امام حسین کی بیعت لینے گئے تھے لیکن اہل کوفہ نے ان کے ساتھ بدعہدی کرتے ہوئے ان کو شہید کر دیا اور تیسرے لڑکے جعفر تھے ان کی کنیت ابو عبد اللہ ہے آپ نے حبشہ کی طرف بھی ہجرت کی اور مدینہ منورہ کی طرف بھی اور ۸ھ میں جنگ موتہ (ملک شام) میں شہید ہو گئے آپ بہت بڑے بہادر تھے بوقت شہادت آپ کے جسم پر تلواروں اور تیروں کے نوے زخم آئے تھے آپ کے دونوں بازو بھی کٹ گئے تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ سے میدان جنگ کا نقشہ بیان فرما رہے تھے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی بیان فرمایا کہ جعفر کے دونوں ہاتھ شہادت کے وقت کٹ کر گر پڑے تھے تو اللہ تعالیٰ نے ان دونوں ہاتھوں کے بدلے دو بازو عطا فرمائے ہیں جن سے اڑ کر وہ جنت میں جہاں چاہتے ہیں چلے جاتے ہیں اسی وجہ سے آپ کو جعفر طیار کہا جاتا ہے اور ابو طالب کے چوتھے لڑکے حضرت علی رضی اللہ عنہ ہیں حضرت علی

دل میں نہ لائے اور فاطمۃ الزہراءؓ کے بطنِ اطہر سے تین صاحبزادے حسن، حسین اور

(بقیہ صفحہ سابقہ) کی پیدائش ۱۳ رجب ۳۰ عام الفیل بعثت نبوی سے ۱۰ سال اور ہجرت نبوی سے ۲۳ سال قبل بروز جمعۃ المبارک کو کعبۃ اللہ میں ہوئی ہے چنانچہ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی المتوفی ۱۱۷۶ھ لکھتے ہیں فقد تواترت الاخبار ان فاطمۃ بنت اسد ولدت امیر المؤمنین علیاً فی جوف الکعبۃ (ازالۃ الخفاء صـ۲۵۱ ج ۲)

یہ اخبار متواترہ سے ہے کہ فاطمہ بنت اسد نے امیر المومنین علی کو کعبہ کے اندر جنم دیا۔ حضرت علی کی عمر پانچ سال کی ہوئی تو حضرت علی کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ساتھ رکھ لیا اور انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں پرورش پائی بعثت نبوی کے بعد تمام سے پہلے حضرت خدیجۃ الکبریٰ نے ایمان قبول کیا پھر حضرت علی نے پھر حضرت زید نے پھر حضرت ابوبکر صدیق نے چنانچہ ابن ہشام المتوفی ۲۱۳ھ نے اس سلسلہ میں بایں الفاظ اول الناس ایمانا برسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عنوان باندھ کر ذکر کیا ہے کہ تمام سے پہلے حضرت خدیجۃ الکبریٰ ایمان لائیں اور پھر دوسرے ایمان لانے والے حضرت علی ہیں اور تیسرے ایمان لانے والے حضرت زید ہیں اور چوتھے ایمان لانے والے حضرت ابوبکر صدیق ہیں (سیرت ابن ہشام صـ۲۶۳ الجزء الاول) اس کے علاوہ امام نسائی المتوفی ۳۰۳ھ نے خصائص صـ۳، حافظ ابن عبدالبر المتوفی ۴۶۳ھ نے الاستیعاب صـ۴۵۹ ج ۲، حافظ ابن حجر عسقلانی المتوفی ۸۵۲ھ نے الاصابہ صـ۴۵۹ ج ۷، علامہ متقی المتوفی ۹۷۵ھ نے کنز العمال صـ۳۹۳ ج ۶، علامہ مناوی المتوفی ۱۰۳۱ھ نے فیض القدیر صـ۳۵۸ ج ۴، محب الطبری المتوفی ۶۹۴ھ نے الریاض النضرہ صـ۱۵۷ ج ۲، عزالدین المتوفی ۶۳۰ھ نے اسد الغابہ صـ۱۹ ج ۴۔ ابن جریر طبری المتوفی ۳۱۰ھ نے تاریخ طبری صـ۵۷ ج ۲۔ امام بیہقی المتوفی

(بقیہ صفحہ سابقہ) ۴۵۸ھ نے دلائل النبوت ص ۱۶۴، حافظ ابن کثیر المتوفی ۷۷۴ھ نے سیرت نبویہ ص ۴۴۳ اور علامہ جلال الدین سیوطی المتوفی ۹۱۱ھ نے در منثور میں ذکر کیا ہے کہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے بعد حضرت علی ایمان لائے اور ابن کثیر نے یہ بھی لکھا ہے کہ حضرت علی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے پہلے اسلام لائے تھے لیکن حضرت علی نے اپنے ایمان کو اپنے باپ حضرت ابوطالب سے پوشیدہ رکھا یہاں تک کہ حضرت ابوبکر صدیق نے اپنے ایمان کا اظہار کر دیا تو حضرت علی نے بھی اپنے باپ حضرت ابوطالب کے سامنے ظاہر کر دیا تو حضرت ابوطالب نے فرمایا بیٹا تم اس کو لازم پکڑ لو یعنی تم ہر صورت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ساتھ دو گویا کہ ایمان لانے میں حضرت علی پہلے ہیں اور حضرت ابوبکر صدیق ظاہر کرنے میں پہلے ہیں اور ابن کثیر نے یہ بھی لکھا ہے کہ امام ابو حنیفہ نے اس بات کی تصریح کی ہے کہ جن لوگوں کے ایمان لانے کے سلسلے میں اولیت کا ذکر ہے ان میں بڑے مردوں میں سے ابوبکر اور جوانوں میں سے حضرت علی اور عورتوں سے حضرت خدیجۃ الکبریٰ اور غلاموں میں سے حضرت زید پہلے ایمان لائے تھے غرضیکہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی اتری تو تمام سے پہلے حضرت خدیجۃ الکبریٰ ایمان لائیں پھر حضرت علی ایمان لائے چنانچہ بیہقی نے دلائل النبوت میں تصریح کی ہے اسلم علی قبل ابی بکر یعنی حضرت علی رضی اللہ عنہ حضرت ابوبکر صدیق سے پہلے ایمان لائے تھے اور حضرت علی جب ایمان لائے تھے تو آپ کی عمر ۱۶ سال تھی چنانچہ حاکم نے مستدرک میں حضرت علی کے ایمان لانے کے بارے میں دو روایات ذکر کی ہیں ایک روایت میں کہا ہے کہ حضرت علی جب ایمان لائے تو آپ کی عمر دس سال تھی اور دوسری روایت حضرت حسن سے ذکر کی ہے جس میں ہے کہ حضرت علی پندرہ یا سولہ سال کے تھے چنانچہ فرماتے ہیں (بقیہ برصفحہ آئندہ)

محسن اور رقیہ بچپن میں فوت ہو گئے اور حضرت زینب کا نکاح حضرت عبداللہ بن جعفر

(بقیہ صفحہ سابقہ) اسلم علی وھو ابن خمس عشرۃ او ابن ست عشرۃ سنۃ ھذا الاسناد اولی من الاول (مستدرک ص ۱۱۱ ج ۲) کہ علی جب اسلام لائے تو آپ کی عمر پندرہ یا سولہ سال تھی یہ دوسری روایت پندرہ یا سولہ سال والی پہلی روایت (دس سال والی) سے زیادہ قوی اور مضبوط ہے اس سے ظاہر ہے کہ حضرت علی کے متعلق جو مشہور ہے کہ وہ جب ایمان لائے تو ان کی عمر دس سال تھی یہ روایت مضبوط نہیں ہے بلکہ سولہ سال والی روایت زیادہ معتبر ہے نیز صاحب مستدرک نے ذکر کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر سوموار کے دن وحی اتری تھی اور منگل کے دن حضرت علی ایمان لائے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھی، امام احمد بن حنبل فرماتے ہیں ما جاء لاحد من اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من الفضائل ما جاء لعلی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ (ازالۃ الخفاء ص ۲۶۰ ج ۲) کہ جتنے فضائل حضرت علی کے وارد ہیں اتنے اور کسی صحابی کے نہیں ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا، علی مع القرآن والقرآن مع علی لن یتفرقا حتی یردا علی الحوض اور یہ بھی فرمایا اللھم ادر الحق معہ حیث دار (ازالۃ الخفاء ص ۲۷۹) کہ علی قرآن کے ساتھ اور قرآن علی کے ساتھ ہے یہ دونوں جدا نہیں ہوں گے یہاں تک (قیامت کے دن) مجھ کو حوض کوثر پر ملیں گے اور حضور نے یہ بھی دعا فرمائی کہ اے اللہ علی کے ساتھ حق کو دائر کر جہاں ہی علی ہوں یعنی جہاں علی ہوں وہاں حق ہو اور جہاں حق ہو وہاں علی ہوں حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے بے شمار فضائل و مناقب ہیں۔ اور تفصیل ان شاء اللہ تعالیٰ کسی اور موقعہ پر ذکر کی جائے گی۔

مفتی غلام رسول

(لندن)

سے ہوا تھا۔ حضرت زینب اپنے بھائی امام حسین کے ساتھ بہت پیار کرتی تھیں اسی محبت اور وفاداری کا ثبوت پیش کرتے ہوئے انہوں نے وہ تکالیف اور مصائب برداشت کئے جن کو تو پہاڑ بھی برداشت نہیں کر سکتے تھے ان کا مختصر ذکر پہلے بھی ہو چکا ہے۔ حضرت سیدہ زینب نے یہ وفاداری اپنے گھر سے ہی سیکھی تھی ان کے گھرانہ میں ہی تو وفاداری تھی۔ حضرت علی فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں اور فاطمہ دونوں نے آٹھ پہر سے کچھ نہیں کھایا میں محنت مزدوری کے لیے چلا گیا رات کو دیر ہو گئی۔ میں نے ایک دوکان سے جَو لئے گھر آیا تو دیکھا فاطمۃ الزہراء تشریف فرما ہیں سیدہ نے وہ جَو لے کر چکی میں پیسے پھر آٹا گوندھا آگ جلائی اور روٹی پکا کر علی مرتضیٰ کے سامنے رکھ دی جب وہ کھا چکے تو پھر خود کھانے لگیں حضرت علی فرماتے ہیں کہ مجھے رسول اللہ کا یہ قول یاد آگیا کہ فاطمہ دنیا کی بہترین عورتوں سے ہے۔ غرضیکہ حضرت خاتونِ جنت کے بے شمار فضائل و مناقب ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم خاتونِ جنت کے ساتھ بہت پیار کیا کرتے تھے ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ سے روایت ہے کہ جناب فاطمہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی بارگاہ میں تشریف لاتیں تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ازراہِ محبت کھڑے ہو جاتے اور شفقت سے ان کی پیشانی پر بوسہ دیتے اور اپنی نشست سے ہٹ کر اپنی جگہ پر بٹھاتے اور آپ جب فاطمہ کے گھر تشریف لے جاتے تو وہ بھی کھڑی ہو جاتیں محبت سے آپ کا سر مبارک چومتیں اور اپنی جگہ پر بٹھاتیں۔ اور یہ بھی صحیح روایت میں ہے کہ حضور کسی سفر پر تشریف لے جاتے تو سب سے آخر میں سیدہ فاطمہ سے رخصت ہوتے اور سفر سے واپس تشریف لاتے تو خاندان بھر میں سب سے پہلے سیدہ فاطمہ سے ہی ملاقات کرتے پھر اپنے گھر تشریف لے جاتے حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم جس طرح اپنی بیٹی سیدہ فاطمۃ الزہراء سے پیار کرتے تھے۔ اسی طرح حضرت خاتون

جنت کی اولاد سے بھی پیار کیا کرتے تھے اور فرمایا کرتے تھے حسن اور حسین میرے بیٹے میری بیٹی کے بیٹے ہیں اے اللہ میں ان سے محبت رکھتا ہوں تو بھی ان کو اپنا محبوب بنا اور جو ان سے محبت کرے تو بھی اس سے محبت کر۔ ایک دن حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسجد میں خطبہ دے رہے تھے کہ حسین اتفاق سے وہاں آگئے اور بہت کمسن تھے اور لڑکھڑا کر چل رہے تھے نبی کریم نے دیکھا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم منبر سے نیچے تشریف لائے اور ان کو گود میں اٹھا لیا۔ بہر صورت حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی بیٹی فاطمہ اور اپنے بیٹوں حسن وحسین کے ساتھ انتہا درجہ محبت رکھتے تھے اور ان کی رضا مندی کو اپنی رضامندی فرمایا اور فرمایا جس نے ان کو اذیت اور تکلیف دی اس نے اللہ اور اس کے رسول کو تکلیف دی۔ ان کی بے ادبی اور گستاخی اللہ اور رسول کی بے ادبی اور گستاخی ہے اور ہم پہلے بھی لکھ چکے ہیں کہ حسنؓ حسین حضورؐ کے بیٹے ہیں کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عباس کو فرمایا!

یا عم، واللہ، للہ اشد حبا لہ منی ان جعل ذریۃ کل نبی فی صلبہ وجعل ذریتی فی صلب ھذا (السیدہ زینب صفحہ ۶۵، صواعق محرقہ صفحہ ۱۸۵)

کہ اللہ تعالیٰ نے ہر نبی کی اولاد اس کی پشت میں رکھی ہے لیکن میری اولاد علی کی پشت میں رکھی ہے بایں وجہ حضرت حسن وحسین حضورؐ کی اولاد اور بیٹے ہیں اور آگے ان کی اولاد جو قیامت تک ہونے والی ہے وہ بھی یعنی ساداتِ کرام حضورؐ کی اولاد ہیں اور حضرت حسن اور حسین کے علاوہ حضرت علی کی دوسری اولاد سید نہیں ہے جیسے کہ ہم نے حسب ونسب جلد اول میں ذکر کیا ہے۔ اور حسن وحسین کی آگے قیامت تک جو اولاد ہے، وہ سید ہیں جب سادات کا نسب حضور کا نسب ہوا تو اب ظاہر ہے کہ حضور کے نسب کا کوئی ہم کفو نہیں ہے اسی لیئے ساداتِ کرام کے نسب کا بھی کوئی ہم کفو نہیں ہوگا مگر سادات ہی لہٰذا کسی سیدزادی کا غیر سید کے ساتھ نکاح نہیں

ہو سکتا۔

سوال :۔

کتاب حضرات القدس جلد ثانی کے حاشیہ میں ہے کہ حضرت امام حسن بن حضرت علی کی ایک صاحبزادی حضرت عبداللہ بن عمر کے عقد میں تھی ان کے بطن سے ایک صاحبزادے ناصر تھے جن کی اولاد سے امام ربانی مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی ہیں اس لحاظ سے حضرت عمر فاروق کی اولاد کو سید علوی کہا جائے گا لیکن آپ بار بار کہتے ہیں کہ سادات صرف حسن اور حسین کی اولاد ہیں دوسرا کوئی سید نہیں ہے :۔

جواب :۔

پہلے تو یہ بات صحیح نہیں ہے کہ ناصر نامی حضرت عبداللہ بن عمر کے صاحبزادے ہوئے ہیں کیونکہ حافظ ابن حجر اور ابن کثیر نے عبداللہ بن عمر کے بیٹوں میں ناصر کا ذکر نہیں کیا، نیز حضرات القدس کے حاشیہ میں یہ بھی ہے بہر حال اگر سالم ہی صحیح قرأت ہے تو حضرت عبداللہ بن عمر کے صاحبزادے سالم کا ذکر کتب حدیث سے صحیح ثابت ہو جاتا ہے (حضرات القدس ص۲۳ حاشیہ ۲) جب عبداللہ بن عمر کے صاحبزادے سالم ہیں تو پھر یہ کہنا کہ سالم حضرت امام حسن کی صاحبزادی سے پیدا ہوئے ہیں یہ غلط ہے کیونکہ حضرت سالم کے متعلق ہم لکھ چکے ہیں کہ وہ حضرت امام زین العابدین کے خالہ زاد بھائی ہیں کیونکہ حضرت عمر فاروق کے زمانہ میں جب ملک فارس فتح ہوا تھا تو مال غنیمت میں تین شاہزادیاں بھی تھیں ایک شہر بانو جو کہ امام زین العابدین کی والدہ تھیں اور شہر بانو کی دوسری بہن کا نکاح حضرت عبداللہ بن عمر سے ہوا تھا جس سے حضرت سالم بن عبداللہ پیدا ہوا اور تیسری شاہزادی کا نکاح حضرت محمد بن ابی بکر سے ہوا تھا جن سے القاسم الفقیہ پیدا ہوئے تھے اب اس سے ظاہر ہے کہ اگر قرأت سالم صحیح ہے تو پھر یہ حسن کی بیٹی سے نہیں ہیں بلکہ تو حضرت شہر بانو کی بہن کے بیٹے

ہیں علاوہ ازیں بالفرض والتقدیر اگر قرأت ناصر صحیح ہے تو پھر بھی سائل نے زبردست غلطی کی ہے کیونکہ نسب تو مرد کی طرف سے معتبر ہوتا ہے عورت کی طرف سے نہیں اگر کوئی سید مرد غیر سیدہ عورت کے ساتھ نکاح کرتا ہے تو اس عورت سے جو اولاد ہوگی اس کا نسب سادات سے کٹ جائے گا اس کی اولاد سید نہیں ہوگی بلکہ غیر سید بن جائے گی چنانچہ علماء نے لکھا ہے من کانت امہا علویة مثلاً وابوھا عجمی یکون العجمی کفوا لہا وان کان لہا شرف، لان النسب للاباء ولہذا اجاز دفع الزکاۃ الیہا فلا یعتبر التفاوت بینہما من جھة الام (رد المحتار ص۸۲ ج ۲) یعنی جس عورت کی ماں علویہ ہو مثلاً اور باپ عجمی ہو تو اس عورت کے لیے عجمی مرد بھی کفو ہو سکتا ہے اس لیے کہ نسب تو باپ کی طرف سے چلے گا اسی وجہ سے اس عورت کو زکوٰۃ دینا بھی جائز ہے اس سے ظاہر ہے اگر کسی لڑکی کی ماں علویہ ہو اور اس کا خاوند فاروقی ہو تو اس کی اولاد فاروقی ہوگی علوی نہیں سید ہونا تو دور کی بات ہے لہٰذا سائل کا یہ کہنا کہ اس رشتہ کی وجہ سے حضرت عمر فاروق کی اولاد کو سید علوی کہا جائے گا صریح غلطی ہے بلکہ جہالت ہے کیوں کہ نسب تو بیٹے کی طرف سے معتبر ہوتا ہے صرف حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تخصیص تھی کہ آپ کا نسب اپنی بیٹی سے جاری ہوا یہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا خاصہ ہے اور خاصہ تو ہوتا ہی وہی ہے جو کہ کسی دوسرے میں نہ پایا جائے لہٰذا تمام لوگوں کا نسب، خواہ سادات ہوں یا غیر سادات، باپ کی طرف سے ہوتا ہے لہٰذا عبداللہ بن عمر کی اولاد فاروقی ہوگی سید ہرگز نہیں ہو سکتی۔ حضرت عمر فاروق کی اولاد کے لیے یہی شرافت کافی ہے کہ وہ فاروقی ہیں سید بننے کی کیا ضرورت ہے؟ بہر صورت سادات صرف حسن اور حسین کی اولاد ہیں حضرت علی کی دوسری اولاد (غیر فاطمی) بھی سید نہیں ہے اور نہ ہی کوئی فاروقی سید ہو سکتا ہے اور یہ بات بھی پیش نظر ہے کہ

نامر کا بیٹا ثابت نہ ہونا اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ عبداللہ بن عمر کا امام حسن کی بیٹی سے نکاح بھی نہیں ہوا اگر بالفرض تسلیم کر لیا جائے کہ یہ نکاح فی الواقع ہوا ہے تو ہم کہتے ہیں کہ کسی شخص کا ذاتی اور انفرادی معاملہ جو ہے اس سے شرعی اصول متاثر نہیں ہوتے جیسے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عہد مبارک میں جو نکاح غیر کفو میں ہوئے ہیں چونکہ وہ کسی مصلحت پر مبنی تھے لہٰذا وہ اصل مسئلہ "کفاءت" پر اثر انداز نہیں ہوئے یعنی اصل مسئلہ اپنی شرعی حیثیت پر باقی رہا ہے اس میں کسی قسم کی کمی و بیشی واقع نہیں ہوئی ۔ صاحب معارف القرآن لکھتے ہیں کہ نکاح میں کفاءت و مماثلت کی رعایت کرنا دین میں مطلوب ہے تاکہ زوجین میں موافقت رہے (معارف القرآن ص۲۲۱ ج ۲) علاوہ ازیں وہ نکاح جو کہ ضرورت شدیدہ اور حاجت لا بدیہ کے پیش نظر غیر کفو میں ہوا ہے ۔ وہ صرف اور صرف ضرورت کی بنا پر ہوا ہے اور فقہاء نے یہ ضابطہ بیان کیا ہے کہ "الضرورات تبیح المحظورات" کہ مجبوریاں حرام کو بھی مباح کر دیتی ہیں (الاشباہ والنظائر ص۹۴) جب یہ ضرورت مرتفع ہو جائے تو اصل حالت واپس لوٹ آئے گی کیونکہ یہ اباحت بوقت ضرورت اور بقدرِ ضرورت ہوتی ہے۔

سوال :۔

آپ نے پہلے نکاح ام کلثوم کی روایت کا جواب دیتے ہوئے کہا ہے کہ یہ روایت سفیان بن وکیع کے متہم بالکذب ہونے کی وجہ سے موضوع ہے لیکن امام بیہقی نے ام کلثوم کے نکاح کا واقعہ ایک دوسری سند سے بیان کیا ہے جو علی بن حسین سے مروی ہے اس میں سفیان بن وکیع راوی نہیں ہے جس سے ظاہر ہے کہ یہ حدیث صحیح ہے جب حدیث صحیح ہوئی تو ثابت ہوا کہ ام کلثوم بنت علی کا نکاح حضرت عمر سے ہوا ہے۔

جواب:-

نکاح ام کلثوم کے متعلق امام بیہقی نے جو یہ روایت بیان کی ہے اس کے متعلق حافظ ذہبی نے تلخیص میں کہا ہے کہ یہ منقطع روایت ہے (تلخیص صفحہ ۱۴۲ ج ۳) نیز یہ روایت نکاح ام کلثوم کے واقعہ سے متعلق ہونے کی وجہ سے موضوع بالدرایۃ بھی ہے لہٰذا جب روایت موضوع بالروایۃ والدرایۃ ہوگی تو پھر اس سے نکاح ام کلثوم پر استدلال کرنا باطل ہوا۔ لہٰذا ثابت ہوا کہ ام کلثوم بنت علی کا نکاح حضرت عمر سے نہیں ہوا۔ جب یہ نکاح نہیں ہوا تو اب اس کو بنیاد بنا کر یہ کہنا کہ سیدہ کا اگر ولی راضی ہو جائے تو غیر سید کے ساتھ نکاح ہو سکتا ہے صراحتہً غلط ہے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نسب طیب و طاہر ہے سادات کرام حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اولاد میں ان کا نسب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب ہونے کی وجہ سے طیب و طاہر ہے اسی وجہ سے کوئی دیگر نسب اس کا شریک اور سہیم نہیں ہے اسی بنا پر سیدزادی کے لیے یہ ہرگز جائز نہیں ہے کہ وہ غیر کفو میں کسی غیر سید کے ساتھ نکاح کرے اگر کرے گی تو اس سیدزادی کی جو اولاد غیر سید سے ہوگی اس اولاد کا سادات کرام سے نسب کٹ جائے گا ان کو سادات سے شمار نہیں کیا جائے گا بعض لوگ جو خیال کرتے ہیں کہ فلاں بزرگ اپنے باپ کی طرف سے صدیقی ہے یا فاروقی ہے اور ماں کی طرف سے سید ہے یہ ان کا خیال غلط ہے کیونکہ نسب بیٹے کی طرف سے ہوتا ہے نہ کہ بیٹی کی طرف سے یہ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تخصیص تھی کہ آپ کا نسب اپنی بیٹی کی طرف سے چلا اس کے سوا جتنے دوسرے لوگوں کے نسب ہیں وہ باپ اور بیٹے کی طرف سے چلتے ہیں بیٹی اور ماں کی طرف سے نہیں چلتے یہی وجہ ہے کہ جب سیدزادی کسی غیر سید کے ساتھ نکاح کرے گی تو جو اس کی

آگے اولاد ہوگی وہ غیر سید ہوگی اب اس سید زادی نے غیر کفو میں نکاح کر کے رسول اللہ کے نسب کی توہین کی ہے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا ہے کہ میرا نسب موصول ہے قیامت تک منقطع ہونے والا نہیں ہے لیکن اس سید زادی نے غیر کفو سے نکاح کر کے اپنے نسب کو منقطع کر دیا ہے جس کی وجہ سے نسب کی توہین ہوئی ہے نیز اس نکاح سے خون کی ملاوٹ ہوگی یہ بھی توہین کا باعث ہے اور یہ توہین جیسے کہ عرف میں ہے اسی طرح شرع میں بھی ہے کیوں کہ اہل بیت اور سادات کرام کی عزت و عظمت نصوص شرعیہ سے ثابت ہے اور جن کی عزت شریعت کے اعتبار سے ثابت ہو ان کی عزت عرف میں بھی لازم اور ضروری ہے کیوں کہ ان کی عزت اور حرمت کے لیے شرع اور عرف میں انفکاک نہیں ہے اور یہ بھی گزر چکا ہے کہ جب سید زادی کسی غیر سید سے نکاح کرے گی تو یہ اس غیر سید کی کنیز اور مملوک ہو جائے گی چنانچہ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی لکھتے ہیں کہ نکاح سے عورت کنیز اور مملوک ہو جاتی ہے اور شوہر مالک (فتاوی رضویہ صفحہ ۱۴۹ ج ۵) اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی اولاد کو کنیز اور غلام بنانا ان کی بہت بڑی توہین ہے ہمارا ایک معاصر جس کا ہم نے حسب و نسب جلد اول میں معاصر کے عنوان سے ذکر کیا ہے لکھتا ہے کہ میرے نزدیک کفو کی کوئی حیثیت نہیں ہے لہذا سید زادی ہر شخص کے ساتھ نکاح کر سکتی ہے اس معاصر مذکور کے یہ الفاظ نہایت گستاخانہ اور بے ہودہ ہیں اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی ایسے گندے ذہن رکھنے والے کے متعلق لکھتے ہیں کہ جو شخص کہے کہ سید آل نبی کی دختر ہر ایک کو پہنچ سکتی ہے وہ شخص جھوٹا کذاب اور بے ادب گستاخی ہے (فتاوی رضویہ صفحہ ۲۹۳) اس سے ظاہر ہے کہ جو شخص یہ کہے کہ کفو کا کوئی اعتبار نہیں ہے اور سید زادی ہر شخص کے ساتھ نکاح کر سکتی ہے وہ جھوٹا، کذاب، بے ادب اور گستاخ ہے

اگر کسی سید زادی نے غیر کفو میں غیر سید کے ساتھ نکاح کیا اور یہ سید زادی اور اس کا ولی دونوں راضی بھی ہوئے تو نکاح نہ ہوگا چنانچہ قرۃ العین بفتاوی علماء الحرمین میں ہے کہ سوال کیا گیا ہے کہ عورت عاقلہ بالغہ ہاشمیہ سے ایک عربی شخص نے عقد کرنا چاہا اس نے قبول کیا اور ایک شخص کو وکیل اپنے پاس ٹھہرایا جس نے اس کا اس شخص سے عقد کر دیا مہر مثل سے حاکم شرعی کی اجازت سے تو اس عقد کے بعد ایک شخص سادات سے حاکم شرعی کے پاس آیا اور بیان کیا کہ یہ لڑکی تو سیدہ شریفہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم کا ایک ٹکڑا ہے۔ اور یہ عربی شخص اس کا کفو نہیں ہو سکتا اور مجلس عقد کے گواہوں کو لایا گیا اور انہوں نے گواہی دی کہ بوقت نکاح عاقد نے لڑکی کے وکیل سے لڑکی کا نام پوچھا تھا تو اس نے بتایا کہ یہ سید زادی سید محسن شرفی کی دختر ہے ہم اسے بخوبی جانتے ہیں اور اس کے خاندان کو بھی اس کا ایک چچا صالح نامی ہے جس کے چار بچے ہیں یہ سادات اولاد رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) ہیں وہ عربی شخص بولا اگر ایسا ہے تو اسی نے اپنا حق کفاءت چھوڑ دیا ہے اور اس پر اس نے دو گواہ بھی پیش کئے تو اب سوال یہ ہے کہ یہ عقد صحیح ہوا یا نہ۔ علماء نے جواب دیا کہ تمام عرب تو قریش کے کفو نہیں ہیں، بنی ہاشم کے کیسے کفو ہو سکتے ہیں تو جب لڑکی ان سے ہو اور مرد عالم عرب سے اور عورت کے خاندان لوگ موجود ہوں تو یہ نکاح صحیح نہیں ہے اور عورت کا اپنا حق کفاءت ترک کرنے کا کچھ اعتبار نہیں ہے اس لیے کہ اس صورت میں حق کفاءت کا تمام خاندان والوں کو پہنچتا ہے کہ عار اور ہتک ان کو لاحق ہو رہی ہے بوجہ غیر کفو میں نکاح کرنے سے (فتاوی حرمین ص ۲۵) اس سے ظاہر ہے کہ اگر سید زادی نے غیر سید کے ساتھ نکاح کیا تو نکاح بنیادی طور پر منعقد نہیں ہوگا اگرچہ سید زادی اپنا حق کفاءت چھوڑ دے اور اس کا ولی بھی راضی ہو جائے

کیونکہ اس نکاح سے ہتک اہل بیت التزاماً ہے جو کہ عند الشرع منع ہے لہذا ہر صورت میں سید زادی کو اپنے کفو سادات میں نکاح کرنا چاہیے۔

سید و سادات مرد غیر سیدہ عورتوں کے ساتھ نکاح کر لیتے ہیں ان کو بھی چاہیے کہ وہ اپنے اعلیٰ نسب کے پیش نظر سید زادیوں کے ساتھ نکاح کریں۔ اگر کسی سید مرد نے غیر سیدہ عورت کے ساتھ نکاح کر لیا تو ظاہر ہے کہ اس کی آگے جو اولاد ہوگی ان میں سے جو سید زادیاں ہوں گی ان کے رشتے ان کی غیر سیدہ ماں اپنی مرضی سے اپنی غیر سید برادری میں کرنے کی کوشش کرے گی تو اب پھر وہی خرابی سامنے آگئی یعنی اہل بیت کی ہتک التزاماً لازم آئی۔ اب لزوم ہتک سے التزام ہتک ثابت ہوا جو کہ اصل مسئلہ کا مترتبہ نتیجہ ہے لہذا ہمارے زمانہ میں بہتر صورت یہی ہے کہ سادات کرام کے مردوں کو بھی اپنی سادات برادری میں نکاح کرنے چاہییں کیونکہ اگر وہ غیر سادات کی عورتوں سے نکاح کریں گے تو اس سے بعض دفعہ لزوم ہتک ہوتا ہے اور لزوم ہتک سے التزام ہتک بھی ہو جاتا ہے بایں وجہ ہم نے کہا ہے کہ سادات مردوں کے لیے یہی مناسب ہے کہ وہ اپنے خاندان سادات میں نکاح کریں غرضیکہ اگر سید زادی نے غیر کفو میں غیر سید کے ساتھ نکاح کیا تو وہ منعقد نہیں ہوگا۔ اگر سید مرد نے غیر سیدہ عورت کے ساتھ نکاح کیا تو اصل نکاح منعقد ہو جائے گا لیکن اس کے نتائج اچھے برآمد نہ ہوں گے لہذا مناسب صورت یہ ہے کہ سید مرد غیر سیدہ عورت کے ساتھ نکاح نہ کرے بلکہ اپنے نسب کی سربلندی اور اس کی حفاظت کے پیش نظر اپنے خاندان سادات میں نکاح کرے۔

واللہ ورسولہ اعلم بالصواب وعلمہا اتم واحکم فی کل باب

مفتی غلام رسول دار العلوم قادریہ جیلانیہ والتھم سٹو لندن

اِن کتابوں کی فہرست (بلا ترتیب حروف تہجی)

جن سے

حسب و نسب (جلد ثانی)

کی ترتیب میں بالواسطہ یا بلاواسطہ استفادہ کیا گیا



۱۔ قرآن کریم	
۲۔ مستدرک	امام حاکم المتوفی ۴۰۵ھ
۳۔ محیط المحیط	المعلم بطرس البستانی (م) ۱۳۰۰ھ
۴۔ تلخیص	حافظ ذہبی المتوفی ۷۴۸ھ
۵۔ سیرۃ النبی	علامہ شبلی نعمانی
۶۔ صواعق محرقہ	ابن حجر مکی المتوفی ۹۷۴ھ
۷۔ مشکوٰۃ شریف	علامہ ولی الدین المتوفی ۷۴۲ھ
۸۔ تفسیر روح المعانی	علامہ آلوسی المتوفی ۱۲۷۰ھ
۹۔ سوال فی یزید بن معاویہ	ابن تیمیہ المتوفی ۷۲۸ھ
۱۰۔ کتاب العثمانیہ	عمرو بن جاحظ المتوفی ۲۵۵ھ

۱۱۔ الاختلاف فی اللفظ — مسلم بن قتیبہ المتوفی سنہ ۲۷۰ھ

۱۲۔ میزان الاعتدال — حافظ ذہبی المتوفی سنہ ۷۴۸ھ

۱۳۔ تاریخ الکامل — ابن اثیر المتوفی سنہ ۶۳۰ھ

۱۴۔ تفسیر کشاف — علامہ زمخشری المتوفی سنہ ۵۳۸ھ

۱۵۔ تدریب الراوی — علامہ سیوطی المتوفی سنہ ۹۱۱ھ

۱۶۔ تہذیب ابن عساکر — ابن عساکر المتوفی سنہ ۵۶۲ھ

۱۷۔ بغیۃ المسترشدین — علامہ عبدالرحمٰن حضرمی المتوفی سنہ ھ

۱۸۔ فتاوی رضویہ — اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی المتوفی سنہ ۱۳۴۰ھ

۱۹۔ حسب ونسب (جلد اوّل) — مفتی غلام رسول مصنف (حسب ونسب)

۲۰۔ رد المحتار — علامہ ابن عابدین شامی المتوفی سنہ ۱۲۵۲ھ

۲۱۔ دُرِّ مختار — علامہ علاؤالدین المتوفی سنہ ۱۰۸۸ھ

۲۲۔ عین الہدایہ — سید امیر علی المتوفی سنہ ھ

۲۳۔ عہد وحیات — محقق ابو زہرہ المتوفی سنہ ھ

۲۴۔ وفیات الاعیان — ابن خلکان المتوفی سنہ ھ

۲۵۔ شذرات الذہب — ابن عماد حنبلی المتوفی سنہ ۱۰۸۹ھ

۲۶۔ تذکرۃ الحفاظ — حافظ ذہبی المتوفی سنہ ۷۴۸ھ

۲۷۔ طبقات ابن سعد — محمد بن سعد المتوفی سنہ ۲۳۰ھ

۲۸۔ الجواہر المضیئہ — علامہ عبدالقادر قرشی المتوفی سنہ ۷۷۵ھ

۲۹۔ اکمال فی اسماء الرجال — علامہ ولی الدین المتوفی سنہ ۷۳۷ھ

۳۰۔ صحیح بخاری — محمد بن اسماعیل بخاری المتوفی سنہ ۲۵۶ھ

۳۱۔ صحیح مسلم — مسلم بن حجاج قشیری المتوفی سنہ ۲۶۱ھ

۳۲۔ تفسیر مظہری — قاضی ثناء اللہ پانی پتی المتوفی ۱۲۲۵ھ
۳۳۔ زرقانی شرح مواہب — علامہ زرقانی المتوفی ۱۱۲۶ھ
۳۴۔ دُرِّ منثور — علامہ سیوطی المتوفی ۹۱۱ھ
۳۵۔ الشرف المؤبد — علامہ یوسف نبہانی المتوفی ۱۳۵۰ھ
۳۶۔ ریاض النضرہ — محب الدین طبری المتوفی ۶۹۴ھ
۳۷۔ اظہار السعادت
۳۸۔ کشف المحجوب — حضرت داتا گنج بخش علی ہجویری المتوفی ۴۶۵ھ
۳۹۔ تفسیر قرطبی — محمد بن احمد قرطبی المتوفی ۶۷۱ھ
۴۰۔ تفسیر خازن — شیخ علاؤ الدین خازن المتوفی ۷۲۵ھ
۴۱۔ تفسیر معالم التنزیل — محی السنہ بغوی المتوفی ۵۱۶ھ
۴۲۔ تفسیر ابن جریر — ابو جعفر محمد بن جریر طبری المتوفی ۳۱۰ھ
۴۳۔ تفسیر المیزان
۴۴۔ تفسیر کبیر — امام فخر الدین رازی المتوفی ۶۰۶ھ
۴۵۔ اسباب النزول — علامہ واحدی المتوفی ۴۶۸ھ
۴۶۔ لباب النقول للسیوطی — علامہ سیوطی المتوفی ۹۱۱ھ
۴۷۔ تفسیر ابن کثیر — عماد الدین ابن کثیر المتوفی ۷۷۴ھ
۴۸۔ تفسیر خزائن العرفان — سید نعیم الدین مراد آبادی المتوفی ۱۳۶۷ھ
۴۹۔ تفسیر صادی — علامہ احمد صادی مالکی المتوفی سنہ ھ
۵۰۔ سنن ترمذی — محمد بن عیسیٰ ترمذی المتوفی ۲۷۹ھ
۵۱۔ مسند احمد بن حنبل — امام احمد بن حنبل المتوفی ۲۴۱ھ
۵۲۔ فتح الباری — حافظ ابن حجر عسقلانی المتوفی ۸۵۲ھ

۵۳۔ معرفۃ علوم الحدیث	امام حاکم المتوفی ۴۰۵ھ
۵۴۔ زاد المعاد	ابن قیم المتوفی ۷۵۰ھ
۵۵۔ اشعۃ اللمعات	شاہ عبدالحق محدث دہلوی المتوفی ۱۰۵۲ھ
۵۶۔ البدایۃ والنہایہ	حافظ ابن کثیر المتوفی ۷۷۴ھ
۵۷۔ اُسد الغابہ	ابن اثیر ۶۳۰ھ
۵۸۔ الاصابہ فی تمیز الصحابہ	حافظ ابن حجر عسقلانی المتوفی ۸۵۲ھ
۵۹۔ العرف الشذی	سید انور شاہ کاشمیری دیوبندی المتوفی ۱۳۵۰ھ
۶۰۔ فیض الباری	سید انور شاہ کاشمیری دیوبندی المتوفی ۱۳۵۰ھ
۶۱۔ مدارج النبوت	شاہ عبدالحق محدث دہلوی المتوفی ۱۰۵۲ھ
۶۲۔ سیرت ابن ہشام	ابن ہشام المتوفی ۲۱۳ھ
۶۳۔ الاتحاف بحب الاشراف للشبراوی	علامہ شبراوی المتوفی سنہ ھ
۶۴۔ سنن بیہقی	حافظ بیہقی المتوفی ۴۵۸ھ
۶۵۔ دلائل النبوۃ	حافظ بیہقی المتوفی ۴۵۸ھ
۶۶۔ منہاج السنۃ	ابن تیمیہ المتوفی ۷۲۸ھ
۶۷۔ تفسیر فتح البیان	نواب صدیق حسن خان بھوپالی المتوفی ۱۳۰۷ھ
۶۸۔ خصائص کبریٰ	علامہ سیوطی المتوفی ۹۱۱ھ
۶۹۔ الاستیعاب	حافظ ابو عمر ابن عبدالبر المتوفی ۴۶۳ھ
۷۰۔ مشکل الآثار	ابو جعفر طحاوی المتوفی ۳۲۱ھ
۷۱۔ تہذیب التہذیب	حافظ ابن حجر عسقلانی المتوفی ۸۵۲ھ

۷۲۔ ذخائر عقبیٰ	محب الدین طبری المتوفی سنہ ۶۹۴ھ
۷۳۔ کنز العمال	متقی ہندی المتوفی سنہ ۹۷۵ھ
۷۴۔ تاریخ بغداد	خطیب بغدادی المتوفی سنہ ۴۶۳ھ
۷۵۔ مجمع الزوائد	حافظ نور الدین ہیثمی المتوفی سنہ ۸۰۷ھ
۷۶۔ خصائص للنسائی	احمد بن شعیب نسائی المتوفی سنہ ۳۰۳ھ
۷۷۔ مسند ابو داؤد طیالسی	ابو داؤد طیالسی المتوفی سنہ ۲۰۴ھ
۷۸۔ معارف القرآن	مفتی محمد شفیع دیوبندی المتوفی سنہ ۱۳۹۶ھ
۷۹۔ مختصر المعانی	علامہ تفتازانی المتوفی سنہ ۷۹۲ھ
۸۰۔ فتاوٰی ابن تیمیہ	ابن تیمیہ المتوفی سنہ ۷۲۸ھ
۸۱۔ طبقات المفسرین	علامہ داؤدی المتوفی سنہ ۹۴۵ھ
۸۲۔ لسان المیزان	ابن حجر عسقلانی المتوفی سنہ ۸۵۲ھ
۸۳۔ حاشیہ شرح جامی	علامہ محمد عبدالرحمٰن بن محمود الاسفرائنی المتوفی سنہ ھ
۸۴۔ شہید کربلا اور یزید	قاری محمد طیب دیوبندی المتوفی سنہ ھ
۸۵۔ سنن ابن ماجہ	ابن ماجہ قزوینی المتوفی سنہ ۲۷۳ھ
۸۶۔ التجرید فی اسماء الصحابہ	شمس الدین ذہبی المتوفی سنہ ۷۴۸ھ
۸۷۔ تفسیر نعیمی	مفتی احمد یار خان نعیمی المتوفی سنہ ۱۳۹۱ھ
۸۸۔ فتاوٰی برطانیہ	مفتی غلام رسول مصنف حسب ونسب
۸۹۔ شرح عقائد	علامہ تفتازانی المتوفی سنہ ۷۹۲ھ
۹۰۔ شرح فقہ اکبر	ملا علی القاری المتوفی سنہ ۱۰۱۶ھ
۹۱۔ حیاۃ الحیوان	علامہ دمیری المتوفی سنہ ۸۰۸ھ
۹۲۔ فیض القدیر	عبدالرؤف مناوی المتوفی سنہ ۱۰۳۱ھ

۹۳۔ سیرت نبویہ	ابن کثیر المتوفی سنہ ۷۷۴ھ
۹۴۔ الاشباہ والنظائر	علامہ ابن نجیم المتوفی سنہ ۹۷۰ھ
۹۵۔ قرۃ العین	علماء حرمین
۹۶۔ جذب القلوب	شاہ عبدالحق محدث دہلوی المتوفی سنہ ۱۰۵۲ھ
۹۷۔ سیرت نعمان	علامہ شبلی نعمانی المتوفی سنہ ھ
۹۸۔ کتاب الزھد	امام احمد بن حنبل المتوفی سنہ ۲۴۱ھ
۹۹۔ العواصم من القواصم	ابوبکر بن العربی المتوفی سنہ ۵۴۳ھ
۱۰۰۔ مقدمہ ابن خلدون	عبدالرحمان ابن خلدون المتوفی سنہ ۸۰۸ھ
۱۰۱۔ تاریخ کامل	علامہ ابن اثیر المتوفی سنہ ۶۳۰ھ
۱۰۲۔ اخبار اندلس	مترجم خلیل الرحمان



۱۰۳۔ قسطلانی شرح بخاری	علامہ قسطلانی المتوفی سنہ ۹۲۳ھ
۱۰۴۔ عمدۃ القاری	حافظ بدر الدین عینی المتوفی سنہ ۸۵۵ھ
۱۰۵۔ نور الفرقدین	مفتی غلام رسول مصنف حسب ونسب
۱۰۶۔ تقریب التہذیب	حافظ ابن حجر عسقلانی المتوفی سنہ ۸۵۲ھ
۱۰۷۔ السیدہ زینب	علامہ علی احمد شلبی ملتقی سنہ ھ
۱۰۸۔ مکتوبات	امام ربانی مجدد الف ثانی المتوفی سنہ ۱۰۳۴ھ
۱۰۹۔ معرکہ کربلا	صادق حسین صدیقی
۱۱۰۔ نبراس	مولانا عبدالعزیز المتوفی سنہ ۱۲۳۹ھ
۱۱۱۔ حاشیہ علی النبراس	مولانا برخوردار ملتانی

۱۱۲۔ تاریخ طبری۔	ابن جریر طبری المتوفی سنہ ۳۱۰ھ
۱۱۳۔ الفصول فی سیرت الرسول	علامہ ابن کثیر المتوفی سنہ ۷۷۴ھ
۱۱۴۔ الشرف المؤبد	علامہ یوسف نبہانی المتوفی سنہ ۱۳۵۰ھ
۱۱۵۔ فتاویٰ کبریٰ	ابن حجر مکی المتوفی سنہ ۹۷۴ھ
۱۱۶۔ کتاب الآثار	امام محمد المتوفی سنہ ۱۸۹ھ
۱۱۷۔ حجۃ اللہ البالغہ	شاہ ولی اللہ محدث دہلوی المتوفی سنہ ۱۱۷۶ھ
۱۱۸۔ فضائل درود شریف	مولانا ذکریا دیوبندی المتوفی سنہ ھ
۱۱۹۔ القول البدیع	علامہ سخاوی المتوفی سنہ ۹۰۲ھ
۱۲۰۔ دلائل الخیرات	ابو عبداللہ محمد بن سلیمان المتوفی سنہ ۸۷۰ھ
۱۲۱۔ حصن حصین	محمد بن محمد جزری شافعی المتوفی سنہ ۸۳۹ھ
۱۲۲۔ فتاویٰ عزیزیہ	شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی المتوفی سنہ ۱۲۳۹ھ
۱۲۳۔ ازالۃ الخفا	شاہ ولی اللہ محدث دہلوی المتوفی سنہ ۱۱۷۶ھ
۱۲۴۔ تاریخ صغیر	امام بخاری المتوفی سنہ ۲۵۶ھ۔
۱۲۵۔ حضرات القدس	بدرالدین سرہندی المتوفی سنہ ھ

مصنّف کی دیگر تصانیف

- فتاوی اجماعتیہ (حصہ اول)
- فتاوی اجماعتیہ (حصہ دوم)
- نور الفرقدین علی رفع الیدین
- سنت سید الانام علی القرات خلف الامام
- انوار الشریعت
- السلطان القوی
- القول المسعود
- القول التنقیح علی العمل با التلقیح
- التعاقب علی التعاقب
- القول علی المقالہ
- المجید والدین و تلکت
- سیرت انور
- السم الحق فی کبد مختار الحق
- الصاعقۃ الوہاب
- الصدقات حرام علی السادات
- خلل اندازی نماز کے متعلق فتوی
- فتاوی برطانیہ
- حسب ونسب (جلد اول)
- معراج النبی

مفتی غلام رسول دار العلوم قادریہ جیلانیہ
(لندن)